برگِ سبز است تحفۂ درویش

برگِ سبز

عبدالباسط شاہد

نام کتاب	:	برگ سبز
مصنف	:	عبدالباسط شاہد۔لندن
سالِ اشاعت	:	2017ء
سرورق ڈیزائن	:	عطیہ واسع
اہتمام اشاعت	:	محی الدین عباسی۔سینئر صحافی وتجزیہ نگار

BARG-E-SABZ

A Collection of Articles

by

Abdul Basit Shahid - London

رابطہ :

Abbasi Academy

24 Gresham Way SW19 8ED

London - U.K

Ph. : +44-794-007-7825

m.abbasi.uk@gmail.com

انتساب

خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کا

عظیم انعام

جماعتی اتفاق و اتحاد کی ضامن

مومنوں کے ایمان اور یقین کی شاہد

خلافت

کے نام

مکتوب مبارک
حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا
اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا
وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ

امام جماعت احمدیہ

لندن
Z-08/12/16

مکرم عبدالباسط شاہد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ''قسمت کے ثمار'' موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اسے جستہ جستہ دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ توجہ کھینچنے والے واقعات اور اقتباسات ہیں۔ اللہ تعالیٰ پڑھنے والوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ بہت سے علمی، تربیتی اور واقعاتی پہلوؤں پر مشتمل کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت مفید اور بابرکت فرمائے اور آپ کے علم و عرفان کو مزید بڑھاتا رہے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور

خلیفۃ المسیح الخامس

عرض حال

فقیرانہ آئے..

رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی نازک کشتی کو دنیا کے سمندر میں اُتارتے ہوئے جو پیش خبریاں عطا فرمائی تھیں ان کے مطابق تمام ہچکولوں اور طوفانوں کے باوجود تین سو سالوں کی کامیابیوں اور ہزار سالہ کجی اور گمراہی کے بعد بظاہر ڈوبتی ہوئی کشتی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیا گیا:

دوستو اس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی
آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن

امام مہدیؑ کا ان پیش خبریوں کے مطابق ظہور ہوا۔ انتظار اور بظاہر ناکامیوں کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ کچھ خوش قسمت لوگوں نے امام مہدیؑ سے وابستگی کو سعادت و خوش بختی سمجھا مگر دوسرے حصے نے مخالفت پر کمر باندھی۔ بظاہر اس حصہ کا شور اور طوفان تباہ کن نظر آتا تھا مگر الٰہی سنت و منشاء کے مطابق روئیدگی کی سبز کونپل بہت کمزوری کی حالت میں نمودار ہوئی اور چاند کی خنکی اور چاندنی کی طرح آہستہ آہستہ پھیلنے لگی۔ امام مہدیؑ کی آمد سے تبلیغ و تربیت اور رشد و اصلاح کا وسیع میدان کھل گیا یہ اتنا وسیع اور متنوع پروگرام تھا کہ انسانی وسعت و ہمت اس کے سامنے بے کار نظر آتی تھی تاہم خدائی تائید و نصرت کے نظارے دنیوی انداز و طریق پر غالب آتے رہے۔

ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حقیقتِ ثابتہ کی طرح ظاہر ہوتی رہی۔

خاکسار کے اجداد کو امام مہدیؑ سے وابستگی کی سعادت حاصل ہوئی۔ دادا جان حضرت میاں فضل محمد صاحبؓ اور نانا جان حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ اصحاب مہدیٔ زماںؑ تھے۔ خاکسار کے والدین کو درویشی کی سعادت سے حصہ ملا اور مسابقت فی الخیرات کا موقع ملا۔ اس خاکسار کو بھی اس خدائی عالمی تحریک میں گمنام سپاہی کی طرح جہاد کی توفیق ملی۔

خلافت کی بہت سی برکات میں سے ایک برکت کے طور پر مضامین کا مجموعہ 'قسمت کے ثمار' پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ احباب و اعزا نے بالعموم حوصلہ افزائی فرمائی تاہم حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی از راہِ شفقت حوصلہ افزائی ایک نعمتِ غیر مترقبہ فقیر کی جھولی میں لعل بے بہا ثابت ہوئی جس سے حوصلہ پا کر مضامین کا دوسرا مجموعہ 'برگِ سبز' پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

خاکسار

ادنیٰ غلام

عبدالباسط شاہد

○○

حرفِ تعارف

(مکرم ومحترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب مبلغ انچارج برطانیہ وامام مسجد فضل لندن)

قارئین کو ''برگِ سبز'' مبارک ہو کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک بہت دلچسپ، مفید اور معلوماتی کتاب ہے۔ اس کے مؤلف محترم مولانا عبدالباسط شاہد صاحب ہیں جو ایک لمبے عرصہ تک مختلف جماعتی خدمات میں مصروف رہے ہیں۔ ان دنوں بالخصوص تصنیفی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے ان متفرق مضامین کو جمع کیا ہے جو آپ نے لکھے اور مختلف جماعتی اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

یہ مجموعہ مضامین بہت متنوع قسم کے معلوماتی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس میں جماعت کی متعدد بزرگ شخصیات کا بھی ذکر ہے۔ مختلف ادبی کتب کا جامع تعارف بھی ہے۔ قادیان اور ربوہ کا دلچسپ احوال بھی ہے۔ مختلف تربیتی موضوعات پر مختصر مگر جامع مضامین بھی ہیں۔ فاضل مؤلف کی زندگی کا ایک لمبا عرصہ میدان تبلیغ میں گزرا۔ اس حوالہ سے آپ نے مختلف تبلیغی واقعات کا ایمان افروز انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ حصہ داعیان الی اللہ کیلئے بیحد مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ مؤلف نے اپنے دلچسپ حالات زندگی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جماعتی تاریخ کے اہم واقعات کا ذکر بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ الغرض یہ ایک ایسی کتاب ہے جو متفرق اور متنوع موضوعات کا ایک مفید مجموعہ ہے۔ فاضل مؤلف کو اللہ تعالیٰ نے سادہ اور رواں انداز میں اظہار خیال کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے، اس کا ایک حسین نمونہ اس کتاب میں نظر آتا ہے۔

میں نے اس کتاب کے مسودہ کو پڑھنا شروع کیا تو کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہوئی کہ دیر تک پڑھتا چلا گیا اور پھر ایک دو بار کی نشستوں میں ساری کتاب مکمل کرنے کی توفیق مل گئی۔ امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کے معزز قارئین کا تجربہ بھی کچھ اسی قسم کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت بہت بابرکت فرمائے اور قارئین کرام کو بھی بھرپور استفادہ کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس تصنیفی کوشش کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

عطاء المجیب راشد

27 مئی 2017ء　　　　مبلغ انچارج برطانیہ و امام مسجد فضل لندن

○○

معرفت کا ذخیرہ ۔ روحانیت کی قندیل

(مکرم ومحترم سرڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب ۔ OBE & KBE)

ہمارے مبلغین گلزارِ احمدیت کے خوبصورت پھول ہیں جن کی مہک دلوں کو معطر اور مطہر کرتی ہے۔ یہ ایسی شمعیں ہیں جو قریہ قریہ کفر کی ظلمتوں کو مٹا کر اسلام احمدیت کی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ ان میں مولانا عبد الباسط شاہدؔ صاحب جیسے مبلغ بھی ہیں جنہیں احمدیت کی بے شمار روحانی قندیلوں سے روشنی حاصل کرنے کے مواقع نصیب ہوئے اور اب اس سرمایۂ حیات کو انہوں نے فیض عام کیلئے ''برگ سبز'' میں پیش کیا ہے۔

آپ کے قلمی جواہر اخبارات اور رسائل میں تو پڑھتے رہتے ہیں لیکن ''برگ سبز'' کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ انہوں نے کس قدر محنت سے اپنی زندگی کے خوبصورت پھولوں کو چُن کر یہ برگ تیار کیا ہے۔ اس کے مضامین میں آپ کے عمیق مشاہدے، احساسات، تجربات اور مطالعے کا دلنشیں نکھار نظر آتا ہے۔ اس میں انہوں نے بزرگانِ سلسلہ کے ساتھ اپنے تعلقات، مکالمات اور احساسات کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ بہت سے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور ادبی مضامین کا بھی نہایت گہرائی کے ساتھ احاطہ کیا ہے جو قارئین کیلئے بیش بہا معلومات مہیا کرتا ہے۔ میں اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے اس شاہکار پر تبصرے کی دعوت دی ہے اور اس طرح مجھے اس تاریخی خزانے سے مستفید ہونے کا موقع مل گیا ہے۔

اتنے اہم اور سبق آموز موضوعات کو یکجا کر کے اس قسم کی کتاب میں نے نہیں دیکھی

جس میں احمدیت کے نامور ستاروں کے بارہ میں معلومات کا ایک وسیع اور عمیق سمندر موجزن ہو۔ مولانا عبدالباسط صاحب یقیناً اس کیلئے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ آپ ایک زود نویس قلمکار ہیں اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں مہارت رکھتے ہیں جو تعلیم و تربیت کی فضا کیلئے ایک خوشگوار جھونکے سے کم نہیں۔

مولانا عبدالباسط صاحب سے میری گزشتہ پچاس سال سے شناسائی ہے۔ مجھے اِن کے زیر تربیت جماعتی خدمات کا موقع بھی ملا ہے۔ نہایت مخلص، محنتی، شفیق اور نیک انسان ہیں۔

مبلغ اسلام اپنی ذات میں ایک کائنات ہوتا ہے اور کائنات کو اپنی ذات کی تجلیوں سے منور کرنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ یہ ساری باتیں مولانا عبدالباسط صاحب کی فطرت کا ایک لامتناہی پہلو ہیں۔ یہ کتاب واقعی معرفت کا ذخیرہ ہے بلکہ روحانیت کی قندیل ہے۔ خدا تعالیٰ مولانا موصوف کو صحت والی لمبی عمر دے تا کہ دنیا آپ کے علم و عمل سے مستفید ہوتی رہے۔ آمین۔

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز۔ (کے بی ای، او بی ای)

13 رمضان المبارک 1438 سابق امیر جماعت احمدیہ برطانیہ

○○

تبصرہ - برگ سبز

(مکرم ومحترم مولانا منیرالدین شمس صاحب - ایڈیشنل وکیل الاتصنیف، لندن)

محترم مولانا عبدالباسط شاہد صاحب کے مفید وعلمی مضامین کا دوسرا مجموعہ ''برگِ سبز'' بھی ''قسمت کے ثمار'' کی طرح متنوع و دلچسپ اور معلوماتی مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ مضامین مختلف اوقات میں الفضل ربوہ اور الفضل انٹرنیشنل کے صفحات کی زینت بن چکے ہیں۔ مؤلف بفضلِ خدا جماعتی تاریخ، روایات اور اقدار کا گہرا علم رکھتے ہیں۔ اور ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ نئی نسلوں کیلئے یہ عمدہ مضامین کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔

اس مجموعہ مضامین کا تنوع قاری کو مسلسل اپنی طرح کھینچے رکھتا ہے اور امید ہے کہ جماعت کی تاریخ، بزرگان سلسلہ کی سیرت کے واقعات اور دیگر متفرق تعلیمی و تربیتی عناوین پر لکھے گئے مضامین نہایت پر اثر اور مفید ثابت ہوں گے۔ کتاب کی ایک خصوصیت ان مضامین کا مختصر مگر جامع ہونا ہے۔ مؤلف کو غیر ضروری طول سے اجتناب کرتے ہوئے مؤثر اور ٹھوس کلام ضبطِ تحریر لانے کا ملکہ حاصل ہے۔

محترم مولانا عبدالباسط شاہد صاحب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے لمبے عرصہ سے سلسلہ کی خدمت کی سعادت مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے اور سلطان القلم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کا وارث بناتے ہوئے علم وعرفان میں ترقی سے نوازے۔ آمین۔

خاکسار

منیرالدین شمس

ایڈیشنل وکیل التصنیف، لندن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین - برگ سبز

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
3	انتساب	۞
4	مکتوب مبارک سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	۞
5	عرض حال - فقیرانہ آئے..	۞
7	حرف تعارف - از محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب، امام مسجد فضل لندن	۞
9	معرفت کا ذخیرہ، روحانیت کی قندیل از محترم ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز صاحب، کے بی ای - او بی ای	۞
11	تبصرہ - محترم مولانا منیر الدین شمس صاحب، ایڈیشنل وکیل الاتصنیف لندن	۞
17	’’اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما‘‘	1
22	جنگ عظیم سے بڑا منصوبہ	2
27	دلچسپ تبلیغی مواقع	3
48	خط و کتابت - پرانی یادیں	4
52	دو بزرگ - دو کتابیں	5
56	احمدیہ چوک قادیان	6

7	اخلاص و محبت کی پُرانی یادیں	62
8	دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایاّم تو	68
9	میرا قادیان	74
10	بہائیت اور اسلام	80
11	حقیقت صلیب ''یسوع مسیح'' کی تین مزعومہ خصوصیات اور انجیل	86
12	''ہوں بندہ مگر میں خدا چاہتا ہوں''	92
13	''تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب۔ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب''	96
14	''گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے''	101
15	رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز!	105
16	''مجھ پہ بے حد ہے کرم اے مرے جاناں تیرا''	114
17	حیاتِ فیض	119
18	حضرت شیخ نور احمد صاحب میرٹھیؓ	125
19	عظیم زندگی	129
20	ذکرِ حبیب	134
21	ایک مفید کتاب۔ جماعت احمدیہ کا تعارف	139
22	تبصرہ کتاب: گمنام و بے ہنر	143
23	کتاب الآداب	147
24	آوازِ دوست	150
25	میری یادیں	155

26	انعاماتِ خداوندِ کریم	160
27	التقویٰ	166
28	ملاقاتیں کیا کیا!	169
29	مضامین لطیفہ	173
30	ایک مؤثر نصیحت ۔ ایک بہترین لائحہ عمل	176
31	حضرت پیر صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ	180
32	محترم شیخ عمری عبیدی صاحب (سابق وزیر قانون تنزانیہ) کا ذکر خیر	183
33	مکرم مولانا محمد منور صاحب	190
34	حضرت چوہدری عنایت اللہ صاحب احمدی	196
35	وقف جدید ۔ ایک اور بابرکت تحریک	199
36	تحریک جدید اور جماعت کا اخلاص و قربانی	203
37	ایک بھیانک غلطی ۔ ایک ضروری اصلاح	210
38	روئیداد جلسہ جوبلی 1939ء	215
39	جلسہ سالانہ ۔ استقبال و الوداع	219
40	''السلام علیکم ۔ راضی خوشی آئے ۔ خیر و عافیت سے آئے'' (قادیان واپسی سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات کا تذکرہ)	222
41	''پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیاں''	228
42	رمضان ۔ قسمتیں سنوارنے والا مہینہ	232
43	تعمیر مسجد	236

44	جسمانی صحت	240
45	ہماری تاریخ	245
46	بے لوث خدمت وایثار	249
47	حضرت المصلح الموعودؓ کا آہنی عزم وحوصلہ	253
48	تصویر کے دو رُخ	256
49	ایک اور دردناک شہادت	260
50	اندر کا دشمن	264
51	حفظان صحت	268
52	انتہا پسندی	273
53	حقیقی عید	279
54	الصلح خیر۔صلح ہی بہتر ہے	284
55	بہتر اخلاق۔بہتر معاشرہ	290
56	بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے	294
57	آپ نے کیا جلایا؟	298
	خادم دین ایک نظر میں	301

○○

مبلغ کی صدائے دل

مرے مولیٰ رہِ تبلیغ اِک پُر خار منزل ہے
دِلوں کے زنگ دھونے کا فریضہ سخت مشکل ہے

سیاسی ظلمتوں کے بحر طوفاں خیز میں ہر سو
نہ کشتی ہے نہ کشتی باں نہ علمِ سمتِ ساحل ہے

اکیلا ہوں زباں نا آشنا ہے ملک بیگانہ
نہ میری معرفت کامل نہ میرا علم کامل ہے

وطن بیگانہ مرشد سے جدا احباب سے دوری
میرے رستے میں روکیں ہیں حجابِ علم حائل ہے

علومِ ظاہری سے مغربی اقوام سرگشتہ
سمجھتے ہیں کہ یہ ہندی ہے اس کا ملک جاہل ہے

دلوں میں ان کے گھر کرنا رہِ اسلام پر لانا
خدایا سخت مشکل ہے خدایا سخت مشکل ہے

تسلی تو اب اتنی ہے کہ تیرا بندۂ عاجز
دعائے مرشد و احباب میں ہر وقت شامل ہے

بھروسہ تیری رحمت پر سہارا تیری نصرت کا
یہی سرمایۂ ہمت یہی تو قوت ِدل ہے

تمنا ہے نہ بھولیں احمدی ہم کو دعاؤں میں
اگر یہ بات حاصل ہے تو سب کچھ ہم کو حاصل ہے

(حضرت ذوالفقار علی گوہر صاحبؓ)

”اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما“

خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت۔ اس پر ایمان وایقان اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا توکل واعتماد دعا کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ خدائی فضلوں اور احسانات کا مورد بننے کے لئے رحمتوں اور برکتوں کو جذب کرنے کیلئے دعا ہی مفید وکارآمد ہے۔ نیک مقاصد کا حصول بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

دین کی اشاعت اور غلبہ کو اپنا بنیادی مقصد قرار دینے اور اس کے حصول کی خاطر دعا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

”اے ہمارے ربّ تیرے بھولے بھٹکے بندوں کو ہم تیرے آستانہ پر لاسکیں۔ سب سے پہلے اپنے نفس کو۔ پھر اپنے اہل وعیال کو پھر دوستوں کو پھر ساری دنیا کے لوگوں کو جو صرف نام کے بندے ہیں تیرے حقیقی بندے بنا سکیں۔ جن کے دل سیاہ ہیں ان کے دل سفید کردیں۔ تاکہ قیامت کے روز ان کے چہرے کالے نہ ہوں۔ بلکہ بے عیب وروشن ہوں۔ تو ہم سے خوش ہوجائے کہ ہم تیرے گمراہ بندوں کو تیرے آستانہ پر لائے اور ہم تجھ سے خوش ہوں کہ تو

ہم سے راضی ہو گیا... میں دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ساتھ مل کر اسی طرح جس طرح میں نے ابھی کہا ہے دعا کریں۔ بے شک اپنے لئے بھی دعا کریں مگر دین کی اشاعت اور غلبہ کیلئے ضرور دعا کریں تا اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو۔''   (الفضل یکم جنوری 1942ء)

اپنی اولاد اور جماعت کیلئے ایک جامع دعا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''اے میرے ربّ تو کتنا پیارا ہے۔ نہ معلوم میری موت کب آنے والی ہے اس لئے میں آج ہی اپنی ساری اولاد اور اپنے سارے عزیز و اقارب اور احمدیہ جماعت تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اے میرے ربّ تو ان کا ہو جا اور یہ تیرے ہو جائیں۔ میری آنکھیں اور میری روح ان کی تکلیف نہ دیکھیں۔ یہ بڑھیں اور پھلیں اور پھولیں اور تیری بادشاہت کو دنیا میں قائم کر دیں اور نیک نسلیں چھوڑ کر جو ان سے کم دین کی خادم نہ ہوں تیرے پاس واپس آئیں۔''

(سیرت ام طاہر رضی اللہ عنہا۔ صفحہ 276)

قبولیت دعا اور تائید الٰہی کا ایک نہایت لطیف واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''اصل بات یہ ہے کہ دلیری بڑی چیز ہے تم موت کیلئے تیار ہو جاؤ موت تم سے بھاگنے لگے گی۔ جیل خانوں کیلئے تیار ہو جاؤ تو مارنے والے تم سے دور بھاگنے لگیں گے۔ پس دلیر بن جاؤ اور یقین رکھو کہ ہر چیز تمہاری خادم ہے اور تمہیں کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی۔ اسی کی طرف ... اشارہ ہے کہ '' آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ نہ صرف ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔'' یعنی چونکہ

ہم آگ سے ڈرتے نہیں اس لئے آگ نہ صرف ہماری غلام بلکہ ہمارے غلاموں کی بھی غلام ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہم نے کسی سے نہیں ڈرنا تو تمام قومیں اس سے ڈرنے لگتی ہیں پس اپنے دلوں سے بزدلی نکال دو اور یاد رکھو کہ جس دن تم نے بزدلی دور کر دی اسی دن تمام قومیں تم سے ڈرنے لگیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں بھی کرو۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہو رہے ہوں اس وقت ایسے ایسے رنگ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے ابھی چند دن پہلے کا واقعہ ہے مجھے ایک مشکل درپیش تھی اور میرے ذہن میں اس کا کوئی حل نہ آتا تھا۔ طبیعت میں ایک قسم کی گھبراہٹ تھی اور میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ دل میں خیال آیا میں نے کاغذ اور قلم رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی میرے پاس اس مشکل کا کوئی حل نہیں اور میرے واہمہ میں بھی نہیں آتا کہ میں اس کا کیا حل نکالوں تو خود ہی اپنے فضل سے میری رہبری فرما۔ صرف ایک منٹ میں نے دعا کی ہوگی۔ پھر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ مشکل جس کا حل میرے واہمہ میں بھی نہیں آتا تھا حل ہو گئی۔ یعنی پانچ منٹ کے اندر ہی میرے دروازے پر دستک ہوئی اور جس مشکل کی وجہ سے میں گھبرا رہا تھا اس کا حل حاصل ہو گیا۔ پس جو اللہ تعالیٰ کے حضور گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اعانت کرتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کا پورا یقین ہونا چاہئے اور جس وقت یقین سے دعا کی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سے رد نہیں کی جاتی بلکہ قبول ہو جاتی ہے۔‘‘

(الفضل 11 جون 1931ء)

اپنے ایک خطاب کے آخر میں دعا کی تلقین کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا:

''پس میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اپنی عظمت اور اپنے جلال اور اپنی بے انتہا قدرتوں کا مظہر بنا دے اور اس کی شان اور عظمت تمام دنیا اور اس کے ہر گوشہ میں ظاہر ہو۔ اور خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے لئے اور اس کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر دیں اور ہماری نسلوں کو بھی توفیق عطا فرما دے اور کوئی وسوسہ ہمیں اس سے جدا نہ کر سکے۔ وہ ہمارا ہو اور ہم اس کے ہو جائیں۔ آمین۔'' (الفضل 3 جنوری 1925ء)

تقسیم ملک سے قبل قادیان کے آخری جلسہ سالانہ کی افتتاحی تقریر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خدا تعالیٰ سے اس طرح التجا کی:

''ہمارا ذہن اور ہماری ذمہ داری ہمیں اس طرف بلاتی ہے کہ باوجود اس کے وعدوں کے ہم اپنی کمزوریوں اور بے بسیوں کو دیکھتے ہوئے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں اور اس سے التجا کریں کہ اے ہمارے ربّ تو نے ہمیں ایک ایسے کام کیلئے کھڑا کیا ہے جس کے کرنے کی کروڑواں اور اربواں حصہ بھی ہم میں طاقت نہیں۔ اے ہمارے رب تو نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اگر تم اپنے غلام سے کوئی ایسا کام لو جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو خود اس کے ساتھ مل کر کام کرو ورنہ اس سے ایسا کام نہ لو۔ اے ہمارے رب تو نے جب اپنے بندوں کو جن کی طاقتیں محدود ہیں یہ حکم دیا ہے کہ کسی کے سپرد کوئی ایسا کام نہ کرو جو اس کی طاقت سے بالا ہو تو اے ہمارے رب تیری شان اور تیرے فضل اور تیری رحمت سے ہم کب یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ تو ایک ایسا کام ہمارے سپرد کرے گا جو ہماری

طاقت سے بالا ہوگا لیکن خود ہماری مدد کے لئے آسمان سے نہیں اُترے گا۔ یقیناً اترے گا اور ہماری مدد کرے گا اور ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو ہماری کمزور حالت کو دیکھتے ہوئے اپنے فضلوں کو بڑھاتا جا۔ اپنی رحمتوں کو بڑھاتا جا۔ اپنی برکتوں کو بڑھاتا جا یہاں تک کہ ہماری ساری کمزوریوں کو تیرے فضل ڈھانپ لیں اور ہمارے سارے کام تیرے فضل سے اپنی تکمیل کو پہنچ جائیں تاکہ تیرے احسانوں میں سے ایک یہ بھی احسان ہو کہ جو کام تو نے ہمارے سپرد کیا تھا اسے تو نے خود ہی سرانجام دے۔ کام تیرا ہو اور نام ہمارا ہو۔ آؤ ہم اپنے رب سے یہ دعا کریں کہ خدا اپنی رحمتوں اور اپنے فضلوں اور اپنی برکتوں کے دروازے ہم پر کھول دے۔'' (الفضل 27-12-1946)

(روزنامہ الفضل ربوہ 5 اپریل 1995ء)

○○

جنگ عظیم سے بڑا منصوبہ

''تحریک جدید'' کے ذریعہ جس عظیم الشان تغیر وانقلاب کی داغ بیل ڈالی گئی تھی اس کی عظمت و اہمیت کے مطابق جانی و مالی قربانی پیش کرنے کی تلقین کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ عظیم کی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''.... جنگ عظیم میں دو کروڑ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ اربوں ارب روپیہ خرچ ہوا تھا۔ صرف انگریزوں کا 2 کروڑ روپیہ روزانہ صرف ہوتا تھا مگر ہمارے لئے اس سے بڑھ کر جنگ درپیش ہے کیونکہ ہمارا کام دلوں کو فتح کرنا اور انسانوں کی عادتوں اور اخلاق اور خیالات کو بدلنا ہے۔ ہم جب تک اپنے اوقات اور اپنے اموال کو ایک حد بندی کے اندر نہ لے آئیں اور اس کے بعد خدا تعالیٰ سے عرض نہ کریں کہ اے خدا تو نے ہمیں بلایا اور ہم تیرے حضور حاضر ہو گئے ہیں اس وقت تک سب دعوے باطل اور امنگیں اور خواہشیں بے سود ہیں اور کوئی چیز ہمیں فائدہ نہیں دے سکتی۔ خالی دعویٰ تو پاگل بھی کرتا ہے لیکن اس کے دعووں کو کون وقعت دیتا ہے کیونکہ وہ جو کہتا ہے کرتا نہیں ہے اور عمل کے بغیر کوئی

ترقی نہیں ہوسکتی۔

(میں) اللہ تعالیٰ پر اس تحریک کی تکمیل کو چھوڑتا ہوں کہ یہ کام اسی کا ہے اور میں صرف ایک حقیر خادم ہوں۔ لفظ میرے ہیں مگر حکم اس کا ہے۔ وہ غیر محدود خزانوں والا ہے۔ اسے میرے دل کی تڑپ کا علم ہے اور اس کام کی اہمیت کو جو ہمارے سپرد ہے، وہ ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس میں اسی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جماعت کے سینوں کو کھولے اور ان کے دلوں کے زنگ کو دور کرے تا وہ ایک مخلص اور باوفا عاشق کی طرح اس کے دین کی خدمت کیلئے آگے بڑھیں اور دیوانہ وار اپنی بڑی اور چھوٹی قربانی کو خدا تعالیٰ کے قدموں میں لا ڈالیں اور اپنے ایمان کا کھلا ثبوت دے کر دشمن کو شرمندہ کریں اور اس کی ہنسی کو رونے سے بدل دیں اور نہ صرف یہ مالی قربانی کریں بلکہ دوسرے مطالبات جو جانی اور وقتی قربانیوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں دل کھول کر حصہ لیں۔"

(الفضل 19 نومبر 1935ء)

مقصد کی اہمیت، کام کی وسعت اور واقفین کی بکثرت ضرورت کے متعلق نہایت یقین و وثوق کے ساتھ وجدانی حالت و کیفیت کے ساتھ حضرت صاحب فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ ساری دنیا میں صحیح طور پر تبلیغ کرنے کیلئے ہمیں لاکھوں مبلغوں اور کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہے۔ جب میں رات کو اپنے بستر پر لیٹتا ہوں تو بسا اوقات سارے جہان میں تبلیغ کو وسیع کرنے کیلئے مختلف رنگوں میں اندازے لگاتا ہوں۔ کبھی کہتا ہوں ہمیں اتنے مبلغ چاہئیں اور کبھی کہتا ہوں کہ اتنے مبلغوں سے کام نہیں بن سکتا۔ اس سے بھی زیادہ مبلغ چاہئیں۔ یہاں تک

کہ بعض دفعہ بیس بیس لاکھ تک مبلغوں کی تعداد پہنچا کر میں سوجایا کرتا ہوں۔ میرے اس وقت کے خیالات کو اگر ریکارڈ کیا جائے تو شاید دنیا یہ خیال کرے کہ سب سے بڑا شیخ چلی میں ہوں۔مگر مجھے اپنے خیالات اور اندازوں میں اتنا مزا آتا ہے کہ سارے دن کی کوفت دور ہو جاتی ہے...اپنے ان مزے کی گھڑیوں میں میں نے بیس بیس لاکھ مبلغوں کو تجویز کیا ہے۔ دنیا کے نزدیک میرے یہ خیالات ایک واہمہ سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔مگر اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو چیز ایک دفعہ پیدا ہو جائے وہ مرتی نہیں جب تک اپنے مقصد کو پورا نہ کرے۔لوگ بے شک شیخ چلی کہہ لیں مگر میں جانتا ہوں کہ میرے ان خیالات کا خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ فضا میں ریکارڈ ہوتا چلا جا رہا ہے۔اور وہ دن دور نہیں جب اللہ تعالیٰ میرے ان خیالات کو عملی رنگ میں پورا کرنا شروع کر دے گا۔ آج نہیں تو آج سے ساٹھ یا سو سال کے بعد اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا ہوا جو میرے ان ریکارڈوں کو پڑھ سکا اور اسے توفیق ہوئی تو وہ ایک لاکھ مبلغ تیار کر دے گا، پھر اللہ تعالیٰ کسی اور بندہ کو کھڑا کر دے گا جو مبلغوں کو دو لاکھ تک پہنچا دے گا۔ پھر کوئی اور بندہ کھڑا ہو جائے گا جو میرے اس ریکارڈ کو دیکھ کر مبلغوں کو تین لاکھ تک پہنچا دے گا۔اس طرح قدم بہ قدم اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی لے آئے گا جب ساری دنیا میں ہمارے 20 لاکھ مبلغ کام کر رہے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کے حضور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے کسی چیز کے متعلق امید رکھنا بے وقوفی ہوتی ہے۔میرے یہ خیال بھی اب ریکارڈ میں محفوظ ہو چکے ہیں اور زمانے سے مٹ نہیں سکتے۔آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ خیالات عملی

شکل اختیار کرنے والے ہیں۔‘‘

(الفضل 28اگست 1959ء)

جماعت میں صاحب حیثیت اور دنیوی طور پر معزز سمجھے جانے والے افراد کو نصیحت و انتباہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

’’وہ اقوام جن کو اللہ تعالیٰ نے سیاسی عزت دی ہے اگر اپنے فرائض کو ادا کریں تو ان کی عزت قائم رہ سکتی ہے۔ اگر انکے اندر قربانی کا مادہ پیدا نہ ہوا تو ان کی عزت چھن جائے گی۔ اس وقت دنیا میں ایسے انقلابات اور تغیرات ہونے والے ہیں کہ اگر ان قوموں نے جو اس وقت سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں اپنا حصہ قربانیوں کا ادا نہ کیا تو وہ گر جائیں گی۔ اور وہ عزت پا جائیں گی جو اس وقت سیاسی طور پر معزز نہیں سمجھی جاتیں۔ قرآن مجید میں ایسی باتیں موجود ہیں جن میں پایا جاتا ہے کہ آخری زمانہ میں عزت والی قومیں گر جائیں گی اور ادنیٰ سمجھی جانے والی معزز ہو جائیں گی۔ اسلام نے کسی قوم کو ذلیل قرار نہیں دیا اور قومی فرق کو تسلیم نہیں کیا۔ (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ہر شخص اگر خدمت دین کرے تو وہ معزز اور سردار ہے مگر ان قوموں کیلئے جو سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں بہت شرم کی بات ہوگی۔ اگر وہ قربانیوں میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے گر جائیں اور سیاسی طور پر ادنیٰ سمجھی جانے والی قومیں آگے آجائیں۔

پس میں تحریک کرتا ہوں کہ سیاسی طور پر معزز سمجھی جانے والی اقوام کے لوگ اپنی اولادوں کو دین کیلئے وقف کریں۔ وقت بہت تھوڑا ہے اور کام بہت زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ اب زیادہ انتظار نہیں کرسکتا اگر ہم سستی سے کام لیں گے تو خدا

تعالیٰ اپنے کام کیلئے کوئی اور انتظام کرے گا اور ہماری بدقسمتی پر مہر ہو جائے گی۔ کاش ہمارے دل اس فرض کو پورے طور پر محسوس کریں۔

اے عزیزو! کاش ہمارے ایمان آج ہم کو شرمندگی سے بچا لیں۔ کاش ہمارے جسم ہماری روح کے تابع ہو کر ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دیں۔ کاش ہمارے آج کے افعال قیامت کے دن ہم کو شرمساری اور روسیاہی سے بچا لیں۔''

خطاب کے تسلسل میں حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''فتح کا دن وہی دیکھ سکتا ہے جو جلدی چلنے کی کوشش کرے اور میرے قدم کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کرے۔ اے میرے رب تو مجھے اور بھی زیادہ تیز چلنے کی اور جماعت کو میرے قدم سے قدم ملانے کی توفیق بخش۔ آمین۔''

(الفضل 31 مارچ 1944ء)

(روزنامہ الفضل ربوہ 5 دسمبر 1997ء)

○○

دلچسپ تبلیغی مواقع

قادیان میں گزرے بچپن کی خوشگوار یادوں میں ایک نمایاں امر یہ یاد آتا ہے کہ ہم بچوں میں بھی تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے خطبات وغیرہ تو اس زمانہ میں کم ہی سمجھ میں آتے ہوں گے، تاہم ان خطبات یا ماحول کے زیر اثر تبلیغی جذبہ ضرور تھا۔ ہمارے محلہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے آپ کو احمدیوں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے آپ کو 'احراری' کہلانا پسند کرتے تھے۔ ہم احمدی بچوں کی ان کے بچوں سے باقاعدہ مجالس ہوتی تھیں۔ اختلافی مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔ ہماری طرف سے بولنے والوں میں بڑے بھائی عبدالمجید نیاز صاحب (مرحوم) اور شیخ عبدالمجید صاحب نمایاں ہوتے تھے۔ اس وقت کی باتیں تفصیلی طور پر تو اب یاد نہیں مگر یہ ضرور یاد ہے کہ مجلس ختم ہونے پر دوبارہ ملاقات کی تفصیل بھی زیر بحث آتی تھی اور اس طرح یہ مجالس چلتی رہتی تھیں۔

تبلیغ کے سلسلہ میں یہ بھی یاد آتا ہے کہ قادیان میں بڑے اہتمام سے یوم تبلیغ منایا جاتا تھا۔ اس دن وفود قادیان کے نواحی دیہات میں اس غرض سے جاتے تھے اور بالعموم اس کی رپورٹ اخبار الفضل میں شائع ہوا کرتی تھی۔ یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

اس زمانے میں تبلیغ کی ممانعت یا زبان بندی کے کالے قوانین کا کوئی تصور نہیں تھا۔

تبلیغی واقعات لکھنے سے پہلے ایک اور یاد کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں جب جامعہ احمدیہ احمد نگر میں ہوتا تھا تو خاکسار ایک دفعہ لاہور سے احمد نگر جا رہا تھا۔ سردیوں کے دن تھے۔ مسافر بالعموم کھیسوں یا کمبلوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ چنیوٹ سے بس آگے نکلی تو احمدیت کی بات شروع ہوگئی۔ بس مخالفوں سے بھری ہوئی تھی۔ طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک شخص نے مزاح کے رنگ میں کہا کہ انگریزوں کی نوکری کرنے والے بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگے۔ سب مسافر اس کی اس بات پر خوش ہو کر اسے داد دے رہے تھے۔ خاکسار ان کے سامنے ایک بچہ تھا جو اتنے مجمع میں بات کرنے سے بھی ہچکچا رہا تھا۔ تاہم اس کی بات پر میں نے کہا کہ سورہ یوسف میں حضرت یوسف کی کسی بادشاہ کی نوکری کا ذکر آتا ہے۔ میری بات ماحول کے خلاف تھی ایک دم سناٹا اور خاموشی سی ہوگئی۔ پھر ایک معمر دیہاتی جو کھیس کی بُکل مارے ہوئے بیٹھا تھا، کہنے لگا:

”بھئی سچ ہی کہتے ہیں ڈانگ کی چوٹ تو سہی جا سکتی تھی مگر چھلتر کی درد نہیں سہی جاتی۔ یہ دیکھو! چھوٹا سا بچہ بھی اتنی بڑی بات کہہ گیا ہے۔“

(چھلتر پنجابی میں پھانس کو اور ڈانگ لاٹھی کو کہتے ہیں)

یہ باتیں اس لئے بیان کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ایسا بچپن نصیب ہوا تھا۔ اسی ماحول میں جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین کی تعلیم بھی میسر آگئی اور آسمان احمدیت کے درخشندہ ستاروں سے کسب فیض کرنے کی سعادت ملی۔ خاکسار کی تعلیم کے بعد پہلی تقرری کراچی کی جماعت میں ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے کراچی کی جماعت کئی وجوہ سے منفرد اور نمایاں جماعت تھی۔ کراچی کے امیر حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے چھوٹے

بھائی حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحبؓ تھے جو انتظامی امور کی مہارت کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی مہارت بھی رکھتے تھے۔کراچی کے مربی حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب تھے، جو اپنی غیر معمولی جماعتی خدمات اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے نمایاں مقام رکھتے تھے۔کراچی میں ایسے کارکن جماعتی عہدوں پر مامور تھے جو بالعموم جس باقاعدگی سے اپنے دفتروں میں جاتے تھے اسی باقاعدگی سے جماعتی کاموں میں بھی برابر حصہ لیتے تھے۔ جماعت کراچی تعداد کے لحاظ سے ایک بڑی جماعت تھی اور بالعموم انصار، خدام، لجنہ اور اطفال کے علم انعامی اس کے حصے میں آتے تھے اور خوش قسمتی سے افراد جماعت کی مستعدی اور چوکسی کی وجہ سے خدمت کے مواقع بھی زیادہ ملتے تھے۔

خاکسار کیلئے ربوہ سے باہر رہنے کا یہ پہلا موقع تھا۔اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے خاکسار نے غیر مسلموں میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔کراچی میں یہودی بھی پائے جاتے ہیں مگر وہ تبلیغی لحاظ سے زیادہ کھلتے نہیں ہیں۔ان کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی کوشش میں پتہ چلا کہ انہوں نے اپنی عبادت گاہ پر 'مسجد' لکھا ہوا ہے۔اس بات پر حیرت ہوئی کہ ہم اپنی مساجد کو اس نام سے پکاریں تو ملاؤں کو بہت ناگوار گزرتا ہے،مگر یہودیوں کی عبادت گاہ پر مسجد کا لکھا ہونا ان کی 'غیرت' پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

خاکسار 'مسجد بنی اسرائیل' پہنچا،ان کے مربی سے ملاقات ہوئی وہ کسی گفتگو کیلئے تیار نہیں تھے۔میرے اصرار پر انہوں نے مجھے اپنے پریذیڈنٹ کا پتہ دیا اور کہا کہ آپ ان سے ملکر بات چیت کر سکتے ہیں۔انہوں نے جو پتہ دیا وہ ہمارے احمدیہ ہال کے قریب ہی تھا۔میں ان کو ملنے گیا۔پہلے تو وہ کچھ حیران سے ہوئے کہ یہ اجنبی کون اور کیوں آیا ہے۔تاہم جب انہوں نے مجھے اپنی خوب سجی سنوری ہوئی بیٹھک میں بٹھایا تو وہاں میرے ایک پرانے

جاننے والے بھی بیٹھے تھے۔ میں نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تو ان کی بجائے میرے جاننے والے نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے کہ اسے میں بچپن سے جانتا ہوں، اسے مذہب کا کچھ پتہ نہیں ہے ایک اچھا اور امیر تاجر ہونے کی وجہ سے اسے عہدیدار بنالیا گیا ہے۔ اس یہودی نے اس بات کا کوئی برا نہ منایا بلکہ ایک طرح سے اس کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میرا اس سال کے آخر میں اسرائیل جانے کا ارادہ ہے وہاں سے معلومات حاصل کرکے آؤں گا پھر آپ اگر آئیں تو شاید میں آپ کے سوالوں کا جواب دے سکوں گا۔ اس کے بعد ان سے ملاقات کی نوبت نہ آئی کیونکہ انہیں تبلیغ سے بالکل کوئی دلچسپی نہ تھی۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں عیسائیوں میں بہت سے فرقے ہیں۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو توریت کی بجائے اپنی دوسری کتابوں کو ترجیح دیتے اور تبلیغی لحاظ سے ان سے مدد لیتے ہیں۔ ان کے بعض فرقے تبلیغی لحاظ سے بہت مستعد ہیں مگر عام عیسائی انہیں بدعتی اور غیر مسیحی سمجھتے ہیں جیسے ''یہوواہ وٹنسز'' میں عیسائی چرچوں میں جا کر گفتگو کرتا رہا۔ اس سلسلہ میں بہت سے مسیحیوں سے واقفیت بھی ہوگئی۔

اس زمانے میں مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے مارٹن روڈ میں ایک فری ڈسپنسری اور دارالمطالعہ بنایا۔ عام لوگ وہاں استفادہ کیلئے آتے تھے۔ میرا بھی وہاں آنا جانا رہتا تھا۔ ایک دن میں وہاں گیا تو ہمارے بعض خدام نے بتایا کہ آج یہاں ایک عیسائی آیا تھا۔ اس نے بہت اعتراض کئے اور ہم اس کو جواب نہیں دے سکے۔ انہوں نے بتایا کہ اس نے تو سورہ بقرہ کی پہلی آیت پر ہی بہت سے اعتراض کئے اور ہم عربی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسے جواب نہیں دے سکتے تھے۔ بہرحال خاکسار نے کہا کہ اس سے ملاقات کی کوئی صورت نکالیں.... اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اسی طرح تیزی سے ایک کے بعد دوسرا

سوال کرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں ہی وہ اپنی تیزی کو بھول کر نارمل ہو گئے۔ باتوں باتوں میں میں نے انہیں بتایا کہ میں چرچ کے فلاں فلاں بشپ کو مل چکا ہوں تو اس نے پوچھا کہ آپ فلاں بشپ کو بھی ملے ہیں۔ (اس نے جو نام لیا وہ اس وقت یاد نہیں آ رہا) خاکسار نے جواب دیا کہ میں نے ان کی شہرت سنی ہے اور یہ بھی کہ وہ اسلام کے متعلق اچھی معلومات رکھتے ہیں اس لئے ان سے ملنے کی خواہش تو ہے مگر ابھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ بھی اس کی ایک چال تھی کیونکہ اس نے اپنا نام لے کر ہی سوال کیا تھا اور اس کا مقصد تھا کہ اگر میں کہوں کہ ہاں میں اس سے بھی ملا ہوں تو وہ مجھے بآسانی غلط ثابت کر سکتا ہے۔ دراصل یہ صاحب مسلمانوں میں سے مرتد ہو کر اسلامی ملکوں میں رہ کر آئے تھے اور اس طرح اسلام اور عربی کے متعلق واقفیت تو رکھتے تھے مگر حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ثابت کرنا تو باقی عیسائیوں کی طرح ان کے لئے بھی ممکن نہ تھا۔

ایک پادری صاحب اکثر خاکسار سے ملتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس کراچی نے ''ہاکس بے'' جانے کا پروگرام بنایا۔ پادری صاحب نے بھی خواہش کا اظہار کیا اور میرے ساتھ وہاں گئے۔ سمندر کے کنارے پر کراچی کے خوشحال اور آزاد منش لوگ کثرت سے گئے ہوئے تھے۔ پادری صاحب نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے خیال میں یہ لوگ احمدی ہو جائیں گے۔ خاکسار نے انہیں کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابتدائی ایمان لانے والے عام ماہی گیر تھے اگر ان سے یہ سوال کیا جاتا تو جو ان کا جواب ہوتا وہی میرا جواب ہے۔

کراچی کے بے شمار واقعات ہیں مگر اختصار کی خاطر نظر انداز کرتے ہوئے ایک بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حلقہ مارٹن روڈ میں ایک مکان میں کچھ نوجوان کرایہ پر ایک جگہ

رہتے تھے۔ ان میں چند نوجوان احمدی بھی تھے۔ وہ مختلف مسائل کے متعلق خاکسار سے پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ذکر کیا کہ ہمارے ساتھی نوجوانوں نے کسی مولوی صاحب کو دعوت دی ہوئی ہے، اگر آپ بھی وہاں آسکیں تو ہمارے لئے مفید رہے گا۔ خاکسار کے ساتھ ایک نوجوان پادری صاحب بھی تھے۔ وہ مولوی صاحب کسی معروف جماعت سے نہیں تھے اور ان کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دوسرے انبیاء کی طرح ایک نبی ہی تھے۔ ہم بلاوجہ انہیں افضل النبیؐ قرار دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت ثابت کی اور الحمدللہ سب موجود افراد کیلئے بہت خوشی کی بات تھی۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہوئی کہ غیر از جماعت نوجوانوں کو جب معلوم ہوا کہ میرے ہمراہ ایک پادری صاحب ہیں تو وہ ان کے سامنے اسلام کی فضیلت بیان کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ قرآن مجید ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس میں کبھی کوئی غلطی راہ نہیں پا سکتی۔ اگر اس میں کوئی زیر یا زبر کی غلطی ہو جائے تو وہ خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ وہ پادری صاحب کہنے لگے کہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں ایک دو جگہ زبر کی جگہ زیر کر دیتا ہوں پھر اس قرآن کو کسی محفوظ جگہ رکھ دیتے ہیں اور جو عرصہ آپ تجویز کریں اس کے بعد دیکھ لیں گے۔ اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہ غلطی از خود درست ہوگئی ہوگی تو میں فوراً مسلمان ہو جاؤں گا... پادری صاحب کو موقع ملا اور وہ مسیحی مذہب کی سچائی اور فضیلت بیان کرنے لگے۔ وہ نوجوان لاجواب ہو کر شرمندہ سے ہو رہے تھے خاکسار نے گفتگو میں دخل دینا چاہا تو وہ پادری صاحب خود ہی کہنے لگے کہ آپ کی بات تو شروع ہی اس طرح ہوگی کہ ''حضرت مسیح علیہ السلام وفات پا چکے ہیں'' اور میرا سارا استدلال وہیں ختم ہو جائے گا۔

کراچی میں بہائیوں کا مرکز بھی تھا۔ خاکسار وہاں اکثر جاتا تھا۔ ان سے گفتگو کا موقع بھی ملتا تھا۔ اس وقت ان کے جو اکابر تھے ان میں سے اکثر سے وہاں ملاقات ہوئی۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی تھی جن میں بالعموم یہ بات ضرور آجاتی تھی کہ آپ لوگ قرآن مجید کی بجائے جس شریعت پر عمل کرتے ہیں اسے پوشیدہ کیوں رکھتے ہیں۔ وہ حسب موقع کوئی جواب دیتے تھے مگر اس موضوع پر انہیں لاجواب ہی ہونا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ بہت ہی زچ ہو کر ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ ٹھیک ہے میں اگلے ہفتہ آپ کو 'اقدس' (ان کی شریعت کی کتاب) لا دوں گا۔ اگلے ہفتہ وہ ایک کتاب لے کر آئے اور اپنے ہاتھ میں لئے لئے دکھا کر کہنے لگے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق آپ اکثر سوال کیا کرتے ہیں۔ اب آپ نے یہ کتاب دیکھ لی ہے۔ اُمید ہے آئندہ آپ یہ سوال نہیں کریں گے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ کتاب تو دیکھنے پڑھنے کیلئے ہوتی ہے۔ آپ کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر تو میں نہ اسے دیکھ سکتا ہوں نہ پڑھ سکتا ہوں۔ اس طرح تو دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے اور میرا سوال اسی طرح ہے جس طرح پہلے ہوتا تھا۔ اس پر انہوں نے بادل نخواستہ یہ کہہ کر کتاب مجھے تھما دی کہ آپ یہاں بیٹھے بیٹھے اسے دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے کتاب دیکھ کر انہیں بتایا کہ یہ تو بمبئی کی آپ کے مخالفوں کے ہاں سے چھپی ہوئی ہے۔ یہ تو آپ کی مصدقہ کتاب نہیں ہو سکتی۔ اور باتوں کے علاوہ انہوں نے پھر اپنی بات دہرائی کہ اب آپ یہ اعتراض تو نہیں کر سکتے کہ آپ کو کتاب دکھائی نہیں گئی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ جناب اب تو میرا سوال پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا ہے کیونکہ آپ کے 'بااختیار شارح' اور لیڈر عبدالعباس نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس کتاب کو شائع نہیں کرنا... آپ نے ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مجھے یہ کتاب کیوں دی ہے اور کیوں شائع کی ہے۔ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں

تھا۔تاہم ان کی مسکراہٹ قابل دید تھی۔

کراچی کے بعد خاکسار کوملتان میں خدمت بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔کراچی میں جماعت کی مستعدی کی وجہ سے خدمت کے مواقع خوب ملتے تھے۔ملتان کو یہاں کے مدرسوں کی وجہ سے خاص مقام حاصل ہے۔قریباً تمام اسلامی کہلانے والی جماعتوں کے اہم مراکز اور مدارس وہاں ہیں،اس وجہ سے وہاں بھی خوب وقت گزرا۔سب واقعات تو یاد بھی نہیں ہیں اور ویسے بھی بات لمبی ہوجاتی ہے۔مختصر طور پر دلچسپی کے بعض امور درج ذیل ہیں:

ملتان کے دیہات کے دورہ کے سلسلہ میں خاکسار ایک گاؤں میں گیا۔پتہ چلا کہ وہاں ایک ہی برادری کے لوگ رہتے ہیں۔آدھا گاؤں احمدی ہے اور باقی آدھا گاؤں احمدی نہیں ہے۔پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہاں ایک بڑی مسجد ہے اور ایک مولوی صاحب بھی موجود ہیں اور اگر ان کو بلایا جائے تو وہ ضرور آجائیں گے۔نماز سے قبل ان کو بلانے کیلئے آدمی بھیجا گیا۔ہم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ تشریف لے آئے۔سردیوں کے دن تھے مولوی صاحب نے کھیس کی بُکل ماری ہوئی تھی۔ہم نے ان کا استقبال کیا خاکسار نے کہا کہ آپ کو یہاں گاؤں میں بہت بڑا مقام حاصل ہے۔گاؤں والوں کو جب بھی کوئی مشکل ہوتی ہے یا جب بھی کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے تو وہ آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ آپ کی بات کو اسلام کی تعلیم یا خدا اور رسولؐ کی بات سمجھتے ہیں۔

مولوی صاحب ان باتوں پر خوب خوش نظر آتے تھے۔خاکسار نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہاں ایک ہی برادری کے لوگ رہتے ہیں احمدی تو میری بات مانتے ہیں اور دوسرے لوگ آپ کی بات مانتے ہیں (اپنے آدمیوں سے خاکسار نے پوچھا تو انہوں نے باآواز بلند کہا کہ ہم آپ کی بات ضرور مانیں گے) کیوں نہ ہم دونوں ایک معاہدہ کرلیں اور

آج جمعہ کی نماز اکٹھے ایک جگہ ادا کریں۔ مولوی صاحب نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کی۔ خاکسار نے شرائط بیعت نکال لیں اور کہا کہ میں ایک ایک کر کے یہ شرائط پڑھتا جاؤں گا۔ آپ کو اگر کوئی اشکال یا اعتراض ہو تو مجھے ساتھ ساتھ بتائیں تا کہ میں وضاحت کر سکوں ...خاکسار ایک ایک کر کے سب شرائط پڑھ چکا، مولوی صاحب نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں تو ہم دونوں اس پر دستخط کرتے ہیں ...مولوی صاحب کو وہاں موجود افراد میں سے بعض نے اسی طرح مولانا عبدالحکیم جوزا (مرحوم) نے بھی بااصرار کہا مگر انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کئے رکھی۔ آہستہ سے یہ بھی کہا کہ دو روٹیوں کا سوال ہے، آپ کیوں میری روٹیاں ضائع کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ باہر سے کوئی آواز آئی اور مولوی صاحب یہ کہہ کر اُٹھ گئے کہ مجھے کوئی بلا رہا ہے۔

ملتان کے دیہات میں دورے کے سلسلہ میں خاکسار اپنے ساتھی مکرم عبدالحکیم جوزا صاحب کے ہمراہ میلسی نامی ایک قصبہ میں گیا۔ مکرم جوزا صاحب میرے ساتھی مربی تھے۔ انگریزی اور عربی زبان کے ماہر تھے۔ تاہم بہت ہی سادگی اور انکساری ان کا نمایاں وصف تھا۔ بہت عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے خود تو شائد کبھی نہیں بتایا تھا لیکن مجھے کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ بہت سادگی اور قناعت سے زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے معمولی وظیفہ میں سے بچت کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کی اعلیٰ تعلیم کیلئے اس کی مدد کرتے ہیں۔ ان کے احترام میں اور اضافہ ہوا۔ فجزاہ اللہ خیراً۔

میلسی میں ہمارے ایک دوست تھے، اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو ان کا نام نثار صاحب تھا۔ انہیں تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں سکول کے ہیڈ ماسٹر نے مجھے کہا تھا کہ جب آپ کے مربی صاحب یہاں آئیں تو ان سے ملاقات کروانا...ہم جب سکول میں ان

سے ملنے کیلئے گئے تو انہوں نے وہاں باقاعدہ مناظرہ کی مجلس بنائی ہوئی تھی۔ تمام اساتذہ اور شہر کے بعض اکابر بیٹھے تھے۔ معلوم ہوا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے متعلق قصبہ میں مشہور ہے کہ وہ احمدی ہیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اس ''غلط فہمی'' کو دور کرنا چاہتے تھے اور اسی غرض سے انہوں نے ہم سے گفتگو اور شہریوں کو بلانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ ان سے مختلف مسائل پر بات ہوئی۔ وہاں بڑے اہتمام سے عربی کے استاد صاحب کو بھی بٹھایا گیا تھا۔ خاکسار نے دوران گفتگو عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد ''الا ان یکون نبیا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ کان یکونُ تکوین میں اسی اُمت سے کسی کے پیدا ہونے اور آنے کا ذکر ہے۔ کسی غیر اُمتی یا پرانے نبی کے آنے کا ذکر نہیں ہے۔ عربی کے استاد فوراً بولے کہ قرانی محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق کان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی پیدا ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ۔

موقع کی نزاکت کے لحاظ سے خاکسار نے فوراً جواب دیتے ہوئے بڑی جرأت سے کہا کہ مولوی صاحب آپ یہی عربی اپنے شاگردوں کو سکھاتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کانَ کی دو قسمیں ہوتی ہیں... خدا تعالیٰ کے فضل سے مولوی صاحب بلکہ اور حاضرین پر بھی کچھ ایسا اثر ہوا کہ بات چیت کا رنگ ہی بدل گیا اور مناظرہ کی بجائے ہیڈ ماسٹر صاحب ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس کے بعد سارا عرصہ مولوی صاحب بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

ملتان چھاؤنی میں ہمارے ایک احمدی دوست دوکاندار تھے۔ سفید رنگت، خوبصورت چہرہ، سفید داڑھی اور پگڑی کے اہتمام اور تبلیغ کے شوق کی وجہ سے بہت پیارے اور اچھے لگتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ہمارے علم کے بغیر اپنے ہاں گفتگو کا اہتمام کیا اور شرائط وغیرہ بھی

طے کرلیں ۔ جب خاکسار کو پتہ چلا تو میں نے انہیں بتایا کہ اس قسم کے پروگرام کیلئے پہلے سے علم ہونا چاہئے بلکہ باقاعدہ اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔تاہم چونکہ اس پروگرام کی آپ کے ماحول میں تشہیر بھی ہوچکی ہے لہٰذا میں حاضر ہو جاؤں گا۔شرائط میں یہ بات بھی موجود تھی کہ دونوں طرف سے 20-20 آدمی موجود ہوں گے۔وفات مسیح علیہ السلام پر بحث ہوگی ۔ بحث قرآن مجید کی روشنی میں ہوگی وغیرہ۔جب وقت مقررہ پر سب لوگ ان کے ہاں پہنچ گئے تو نشست فرشی تھی ، ہم بیٹھ ہی رہے تھے کہ ایک آواز آئی کہ پہلے دعا کر لینی چاہئے ۔ خاکسار نے بیٹھتے ہی بلا توقف دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھا کر باآواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا شروع کردی۔ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہماری اقتدا میں دعا کرنے لگے۔

خاکسار نے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ (الانعام:۱۰۹) والی آیت پر ان سے پوچھا کہ یہاں غیر اللہ کو اللہ پکارنے کا ذکر ہے کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کر کے پکارا جاتا ہے؟ وہ صاحب اپنی باری پر اور باتوں کا ذکر تو کرتے رہے مگر اس سوال کے جواب سے گریز کر گئے۔خاکسار نے دوسری اور پھر تیسری باری پر بھی اپنا سوال دہرایا اور باصرار ان سے جواب پوچھا تو ان کو یہ ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غلط طور پر اللہ پکارا جاتا ہے۔اس کے بعد نتیجہ نکالنا کوئی مشکل نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

ہمارے میزبان (ان کا نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں آرہا) بہت خوش تھے۔وہ کہہ رہے تھے کہ جس طرح آپ نے دعا شروع کی تھی ، آدھا کام تو اس وقت ہی ہو گیا تھا اور یہ بھی آج پتہ چلا ہے کہ احمدی علم کلام سے لوگ کس طرح لاجواب ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر شکر ادا کرتے ہوئے یہ مجلس اختتام کو پہنچی۔

خاکسار کو جب ضلع ملتان میں خدمت کا موقع ملا ،تو اس وقت یہ ضلع بہت بڑا تھا اور بورے والا بھی اسی ضلع میں تھا۔ بورے والا اپنی منڈی اور گندم کا علاقہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں اچھا خوشحال علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ خاکسار وہاں گیا تو ہمارے میزبان باتوں باتوں میں پوچھنے لگے کہ آپ کو شیعہ مذہب کے متعلق بھی کچھ واقفیت ہے۔ مجھے اس سوال سے کچھ تعجب ہوا مگر تفصیل کا علم ہونے پر پتہ چلا کہ وہاں بعض ایسے شیعہ اصحاب موجود ہیں جو گفتگو کے ماہر ہیں اور اپنی باتوں سے لاجواب کر دیتے ہیں۔ خاکسار کے کہنے پر ان کو پیغام بھیج کر بلوایا گیا۔ ان سے بہت خوشگوار ماحول میں بات شروع ہوئی لیکن ابھی گفتگو شروع ہی ہوئی تھی کہ ان کو اپنی کسی کمی کا احساس ہوا اور انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ کسی مقررہ تاریخ پر گفتگو ہوگی اور ساری رات بات چیت ہوگی۔ ہم اس کے لئے تیاری کر لیں گے، آپ بھی تیاری سے آئیں۔ بہر حال ان سے تاریخ وغیرہ کا تعین ہوگیا۔ مقررہ تاریخ پر خاکسار اور مکرم مولانا عبدالحکیم صاحب بورے والا پہنچ گئے۔ احباب ایک ایک کر کے آنے لگے۔ شیعہ احباب میں دو صاحب جو نمایاں تھے وہ ماموں بھانجا تھے۔ بھانجا صاحب پہلے آگئے اور شاید اپنی تیاری کی وجہ سے یا ہوشیاری کی وجہ سے انہوں نے ماموں کی آمد سے پہلے ہی گفتگو شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ساتھی اور صحابی تو کوئی بھی ہوسکتا ہے مگر وصی اور خلیفہ تو کوئی قریبی ہی ہوسکتا ہے جیسے قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ حضرت ہارونؑ کا ذکر ہے۔

خاکسار نے جواباً ان کی تعریف کی کہ انہوں نے بات قرآن مجید کی روشنی میں کی ہے جبکہ عام طور پر روایات سے باتوں کو الجھا دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی یہ دلیل بہت مضبوط اور قوی ہوتی اگر حضرت ہارونؑ ہی حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ ہوتے حالانکہ حضرت ہارون تو حضرت موسیٰ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ کے خلیفہ حضرت یوشع

تھے...اس بات پر وہ کچھ حیران سے ہو گئے۔اتنی دیر میں ان کے ماموں بھی آ چکے تھے۔وہ میری بات دوہرا کر کہنے لگے''ماموں یہ تو ایسے کہتے ہیں''۔ماموں بھی اس بات سے بھانجے جتنے ہی واقف معلوم ہوتے تھے۔وہ گفتگو جو ان کے کہنے کے مطابق رات بھر ہونی تھی، چند منٹوں میں ختم ہوگئی اور بورے والا کے مذہبی حلقوں میں بعد میں بھی اس کا چرچا ہوتا رہا۔

ملتان شہر میں ہماری مسجد کے قریب ہی ایک صاحب کی دکان تھی۔ہم انہیں حیدری صاحب کے نام سے جانتے تھے۔وہ ہمارے خادم سید عبد السبحان ناصر صدیقی کے دوست تھے۔کبھی کبھی گفتگو کیلئے ہماری مسجد میں بھی آ جاتے تھے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احمدیت کے ایک گمنام سپاہی یعنی سید عبد السبحان صاحب کا تھوڑا تعارف کروا دیا جائے۔ناصر صاحب سہارنپور انڈیا کے رہنے والے تھے۔بچپن میں کسی بیماری کی وجہ سے ان کی سننے کی صلاحیت ختم ہوگئی تھی، باوجود اس معذوری کے اچھی مذہبی معلومات رکھتے تھے۔تبلیغ کا بہت شوق تھا۔بعض دفعہ اسی شوق کی وجہ سے ان کی پٹائی بھی ہوئی مگر وہ راضی برضا رہتے اور تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ہر وقت لٹریچر ساتھ رکھتے تھے۔ان کا حلقہ واقفیت اسی وجہ سے خاصا وسیع تھا۔بالعموم اپنے گلے میں ایک سلیٹ لٹکائے رکھتے تھے اور بات چیت میں اس سے مدد لیتے تھے۔خاکسار نے اپنے ایک جاننے والے ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ کوشش کی تھی کہ اگر ان کا علاج ممکن ہو یا کوئی آلہ ان کیلئے مفید ہو تو ان کی مدد کی جائے۔اس سلسلہ میں خاکسار نے بعض احباب سے لندن میں رابطہ بھی کیا تھا۔مگر افسوس کہ ان کا علاج نہ ہوسکا۔خاکسار ملتان سے تبادلہ کے بعد مختلف جگہوں پر رہا۔وہ ربوہ بھی ملنے آتے تھے۔جوانی میں ہی بیمار ہوکر وفات پا گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔خاکسار ان کی بیماری کے وقت ان کے پاس نہیں تھا اور نہ ہی کوئی خدمت کرسکا۔جہاں تک مجھے معلوم

ہےان کا کوئی نزدیکی رشتہ دار بھی نہیں تھا۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار

مکرم حیدری صاحب بہت پکے شیعہ تھے۔ اپنے مذہب کی تائید میں کوئی بات سن یا پڑھ لیتے تو بڑے جوش سے ملنے کیلئے آتے مگر جب ان کو مُسکت جواب ملتا تو خاموش ہو جاتے۔ مگران کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور بہت غصے میں نظر آنے لگتے، مگر یہ وقتی کیفیت ہوتی کیونکہ پھر پہلے کی طرح ان سے ملاقاتیں شروع ہو جاتیں۔

ایک دفعہ وہ آیت مباہلہ پر کچھ سوچ کر آئے، کہنے لگے کہ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ پنجتن پاک ہی پکے مومن تھے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی چادر میں لیا۔ خاکسار نے موقع کے مطابق ان سے کہا کہ آپ نے جن کا ذکر کیا ہے وہ بہت محترم اور مکرم و معزز ہستیاں ہیں، مگر آیت میں تو جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بحث کو ختم کرنے کیلئے میں آپ کی تشریح کو تسلیم کرتا ہوں مگر خدا تعالیٰ نے تو کم از کم 3+3+3=9 آدمی لانے کا ذکر فرمایا تھا۔ پانچ کا آپ نے ذکر کر دیا ہے آپ کوئی بھی اور نام لے لیں تو میں تسلیم کرلوں گا۔ حیدری صاحب پریشان اور خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ ان کا پیغام ملا کہ وہ کسی عالم دین کے ہمراہ آرہے ہیں۔ ہم نے ان کو خوش آمدید کہا۔ ان کے ہمراہ ایک نوجوان تھے جو غالباً نجف اشرف سے کوئی ڈگری اور ٹریننگ لیکر آئے تھے مگر انہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد خود حیدری صاحب نے بھی یہ بات محسوس کی اور کوشش کی کہ وہ خود ہی بات چیت کریں، جس پر خاکسار نے عرض کیا کہ حسن اتفاق سے ایک عالم دین سے استفادہ کا موقع ملا ہے اس لئے آج تو آپ خاموش ہی رہیں۔ آپ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اس دن حیدری صاحب عام دنوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی

زچ نظر آئے۔

حیدری صاحب ایک دفعہ ملے تو بہت خوش نظر آرہے تھے۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگے کہ ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنایا، ان کو امین سمجھا اور اپنے بستر پر سونے کی سعادت بخشی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ یہ آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی اور حضرت علیؓ کی فضیلت کا میں قائل ہوں۔ آپ نے جو فضیلت بیان کی ہے اس سے تو کوئی انکار نہیں ہے مگر قرآن مجید نے جس فضیلت کو قابل ذکر سمجھا وہ حضرت ابوبکر کی سفر ہجرت میں شمولیت تھی۔ ان سے کافی مفصل بات ہوئی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہجرت کی مشکلات دیکھ کر تو حضرت ابوبکرؓ رونے لگ گئے تھے۔ ان کو یہ بات بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی اور خاکسار نے عرض کیا کہ وہاں پر تو حضرت ابوبکرؓ کو ایک بے مثال فضیلت حاصل ہوئی جس میں وہ ہر طرح منفرد تھے کیونکہ قرآن نے تو کہا کہ لا تحزن ان اللہ معنا غم نہیں کرو خدا تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ ایسی معیت کا اور کسی کیلئے قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ مہاجروں کو ملنے والی قرآنی بشارتوں کا بھی ذکر آیا۔

حیدری صاحب کا ذکر کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے تاہم ایک اور دلچسپ بات یاد آرہی ہے اسے بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک دفعہ ان کا پیغام آیا کہ میں فلاں وقت ملنے آؤں گا اور میرے ساتھ کوئی اور صاحب بھی ہوں گے۔ حسب معمول ان کو عزت و احترام سے بٹھایا گیا۔ جو صاحب ان کے ساتھ تھے ان کو دیکھ کر میں فوراً ہی انہیں پہچان گیا مگر وہ تو بالکل بھی نہیں جانتے تھے کہ میں ان کو پہچانتا ہوں۔ دراصل یہ صاحب قادیان میں رہ چکے تھے۔ ان کو اپنے نام کے ساتھ بعض اور احراری اکابرین کی طرح فاتح قادیان لکھنے کا شوق تھا۔ اس وقت وہ دیکھنے میں ایک کھدر پوش سادہ دیہاتی لگ رہے تھے مگر دراصل وہ احراریوں کے

ایک مشہور عالم اور مناظر محمد حیات صاحب تھے جو بے ریش تھے اور عام طور پر ''حیات کھودا'' کے نام سے جانے جاتے تھے۔ وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے بڑی ٹھیٹھ پنجابی بولنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ حیدری صاحب کو میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ اثنا عشری خیالات کے ہیں۔ آپ بھی تو شیعہ ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں نہیں میں سنی ہوں مگر ختم نبوت کے معاملہ میں ہم ایک ہیں۔ وہ اپنی چادر کے کونے میں ''تشحیذ الاذہان'' کا ایک پرچہ اس طرح باندھ کر لائے ہوئے تھے جیسے چادر کے کونے میں گڑ یا شکر باندھی ہوئی ہو۔ وہ اس پرچہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو کوئی دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ بعد میں لوگوں نے ان کی طرف یہ عقیدہ غلط طور سے منسوب کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس قسم کے تمام سوالوں اور اعتراضات کا مکمل جواب ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں دے چکے ہیں۔ وہی جواب ان کو دیئے گئے۔ تاہم حیدری صاحب کی خوشی کی کوئی بات نہ ہو سکی۔

خاکسار کو ضلع جہلم میں خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ تاریخ احمدیت میں جہلم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر جہلم، مقدمہ جہلم اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب کے اخلاص ومحبت کے واقعات کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ جہلم کے خواجہ صاحبان اور سیٹھی صاحبان میں سے بعض افراد کو میں قادیان کے زمانہ سے جانتا تھا۔ سب احباب نے خوب تعاون بلکہ احترام کا سلوک کیا اور اس طرح وہاں کا قیام بھی یادگار بن گیا۔

یہاں صرف ایک بات کا ذکر کر دیتا ہوں۔ یہ بتانے کی تو شاید ضرورت نہیں کہ سفر جہلم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف مخلوق کا معجزانہ رجوع ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہاں مخالفت بھی بہت تھی۔ شہر کی ایک مرکزی جگہ پر ایک خوبصورت بڑی مسجد تھی۔ وہاں کے مولوی صاحب جماعت کی مخالفت میں نمایاں ہونے کی کوشش میں رہتے تھے اور کبھی کبھی

اپنے وعظوں اور درسوں میں جماعت کی مخالفت شروع کر دیتے تھے اور اپنے جھوٹے الزامات دہراتے رہتے تھے۔ خاکسار اپنے احباب اور عام لوگوں کی حقیقت حال سمجھانے کیلئے اپنی مسجد میں ان کے سوالوں کا جواب بیان کر دیا کرتا تھا۔ مولوی صاحب نے مخالفت کو آگے بڑھانے کیلئے ایک پمفلٹ کی شہر میں خوب اشاعت کی۔ ہماری طرف سے اظہار الحق کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا گیا جس میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد حسب ضرورت ایک اور ٹریکٹ اظہار الحق نمبر 2 بھی شائع کیا گیا۔

مولوی صاحب کو یہ بات کچھ عجیب لگی اس طرح برابر جواب ملنے کی غالباً وہ توقع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مولوی صاحب نے 'معزز لوگوں' کا ایک وفد تیار کیا اور ضلع کے ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے احتجاج کرنے کیلئے گئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ہمیں بھی یاد کیا۔ خاکسار اور وہاں کے اس وقت کے امیر مولوی عبد الکریم صاحب لون ڈی سی صاحب کو ملنے گئے۔ وہاں ان کے میز پر ''اظہار الحق'' ٹریکٹ پڑے تھے اور اس میں کئی جگہ سرخ قلم سے نشان بھی لگے ہوئے تھے جو مولوی صاحب نے افسر مذکور کو دکھانے کیلئے نمایاں کئے ہوئے تھے۔ خاکسار نے اس ٹریکٹ میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہر وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کا منتظر اور معتقد ہے وہ 'ختم نبوت' کا منکر ہے۔ مولوی صاحب اس پر بہت برہم تھے کہ ہمیں منکر ختم نبوت کہا گیا۔ اس پر تھوڑی دیر بحث ہوئی مگر ڈی سی صاحب اور ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک ضلعی پولیس آفیسر نے کہا کہ ہمیں مذہبی معاملات کا زیادہ علم نہیں ہے۔ ہمیں تو قانون کی پابندی سے غرض ہے اور یہ بھی کہ علاقے میں امن وامان رہنا چاہئے۔ اسلئے آپ کے درس اور وعظ کی آواز مسجد سے باہر نہیں آنی چاہئے... مولوی صاحب نے اسے اپنی توہین سمجھا۔ بہت غصہ اور ناراضگی سے اپنے

ساتھیوں کو کہا کہ اُٹھو اُٹھو ہم واپس جا رہے ہیں۔ ہم شکایت لیکر آئے تھے لیکن ہمیں مجرم سمجھا جا رہا ہے... پولیس آفیسر اچھے سمجھدار لگتے تھے انہوں نے مولوی صاحب سے بڑی احترام سے کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں آرام سے تشریف رکھیں۔ ہم دونوں فریق کو برابر ایک ہی بات سمجھا رہے ہیں۔ جب مولوی صاحب ان کے کہنے پر بیٹھ گئے تو راجہ صاحب (پولیس آفیسر) کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ بہت غیرت منداور بہادر آدمی لگتے ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نہتے اور قانون پسند لوگوں کے سامنے تو بہت بہادری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، مگر آپ کی غیرت اور بہادری اس وقت کہاں تھی جب ہندوؤں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں سے مسلمان عورتوں کو اغوا کر لیا گیا تھا اور مسلمانوں کا ہر لحاظ سے بہت نقصان ہوا تھا... مولوی صاحب اس بات کا کیا جواب دیتے۔ شکایت کرنے گئے مگر شرمندہ ہو کر واپس آئے۔ یاد رہے یہ وہ زمانہ تھا جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے اور تبلیغ سے روکنے اور شعار اسلامی کے استعمال سے منع کرنے کا بدنام زمانہ کالا قانون ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ مخالفت تو ضرور ہوتی تھی مگر انصاف اور قانون کی پابندی نسبتاً بہتر تھی۔ پنجاب اور دوسرے علاقوں میں تمام لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ سینکڑوں دیہات ایسے تھے جہاں ایک ہی مسجد میں احمدی اور دوسرے لوگ باری باری نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔ شادی، بیاہ، رشتہ داریاں باہم برابر سطح پر تھیں اور یہ بات کبھی ناگوار نہیں ہوتی تھی۔ گاؤں کی کسی بچی کی شادی ہوتی تو سب لوگ اسے اپنی بچی سمجھ کر رخصت کرتے۔ ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ جب یہ کہا جاتا تھا کہ ہمیں احمدیوں کے عقائد سے اختلاف ضرور ہے مگر یہ ہم سے بہتر مسلمان ہیں۔ ہر وہ دردمند مسلمان جو غیر مسلموں کو ان کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا چاہتا تھا، وہ احمدی علم کلام سے استفادہ کرتا تھا۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مسیحیوں یا ہندوؤں کے مناظرہ کیلئے قادیان

سے علماء کو بلایا جاتا اور اس طرح اِسلام کے دفاع کا جہاد کیا جاتا اور احمدی مناظروں کی کامیابی اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی سمجھی جاتی تھی۔ (خاکسار بیان تو کچھ اور کر رہا تھا مگر ضمنی طور پر یہ بات درمیان میں آ گئی ہے)

شیعہ احباب سے ملاقات کے بعض واقعات درج کر چکا ہوں۔ یہاں ایک اور بات یاد آ گئی جو مفید اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے یہاں ذکر کر رہا ہوں۔

تنزانیہ (مشرقی افریقہ) میں ٹبورا ایک مشہور پرانا قصبہ ہے۔ حضرت شیخ مبارک احمد صاحب جو پہلے احمدی مبلغ تھے انہوں نے اسی جگہ کو اپنا پہلا مرکز بنایا تھا۔ وہاں محرم کے دنوں میں ایک ذاکر صاحب تشریف لائے۔ خاکسار ان سے ملنے گیا ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہی۔ خاکسار نے ان کی ایک مجلس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق ارشادات بھی پڑھ کر سنائے۔ ایک دن خاکسار ان سے ملنے گیا ان کا ایک اور ملاقاتی وہاں بیٹھا تھا اور مولوی صاحب اپنے بعض کارناموں کا ذکر کر رہے تھے۔ ''ہم کسی کے پیچھے نہیں پڑتے لیکن اگر کوئی جھوٹا ہمارے پیچھے پڑنے کی کوشش کرے تو اسے گھر تک چھوڑ کر آتے ہیں'' اپنی بعض تصانیف کا بھی ذکر کیا۔ ان کے اس موڈ کو دیکھ کر خاکسار نے عرض کیا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ ایک شیعہ عالم سے ملاقات کا موقع ملا ہے۔ میری بعض الجھنیں ہیں امید ہے آپ ان کو سلجھا سکیں گے۔ مولوی صاحب نے بڑی فراخ دلی اور بشاشت سے جواب دینے کا وعدہ کیا۔

خاکسار نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ حضرت امام حسینؓ کوفہ کیوں تشریف لے گئے تھے؟ مولوی صاحب ذاکروں والی روایتی تقریر کرنے لگے۔ خاکسار نے معذرت کرتے ہوئے ان کی قطع کلامی کی اور کہا کہ یہ تقریریں تو میں بہت سن چکا ہوں لیکن میرے

ذہن میں تو حضرت امام حسینؓ کے وہ الفاظ آ رہے ہیں جو کربلا میں روکے جانے پر آپ نے فرمائے تھے۔آپ نے اپنے مخالفوں کو فرمایا تھا کہ:

نمبر ا۔مجھے یزید کے پاس جانے دو۔

نمبر ۲۔مجھے واپس مکہ جانے دو۔

نمبر ۳۔مجھے سرحد پر جانے دو میں وہاں جہاد میں شامل ہو جاؤں گا۔

یہ باتیں شیعہ اور سنی مسلمات میں سے ہیں۔ان سے تو کہیں بھی یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے گئے تھے۔آج کل ہمیں ذاکر صاحبان جو باتیں بتاتے ہیں وہ تاریخی حقائق کے خلاف ہیں۔

دوسری الجھن خاکسار نے یہ پیش کی کہ شیعہ لٹریچر اور ذاکر صاحبان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو ہزاروں کی تعداد میں خطوط ملے تھے،جن میں حضرت امام کو وہاں بلانے کی دعوت دی تھی اور ان کی تائید و تصدیق کا وعدہ کیا تھا۔مولوی صاحب نے اس امر کو تسلیم کیا بلکہ زیادہ مدلل طریق پر بتایا کہ واقعی ہزاروں لوگوں نے انہیں دعوت دی تھی۔خاکسار کے پوچھنے پر انہوں نے کوفہ کے باسیوں کی تعداد بھی ہزاروں میں بتائی۔خاکسار نے عرض کیا کہ اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کے وہ شیعہ جنہوں نے حضرت امام معصوم و مظلوم کو دعوت دی تھی انہوں نے ہی آپ کا مقابلہ کیا۔اور آپ کی اتنی مخالفت کی جو حضرت امام اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر منتج ہوئی چونکہ وہ کوفیوں کی امداد،کوفیوں کی تعداد کے متعلق اسی مجلس میں اقرار کر چکے تھے اس لئے انہیں اس بات کا جواب دینے میں کافی دقت ہو رہی تھی اور بالآخر انہیں خاموشی سے یہ بات تسلیم کرنی پڑی۔

خاکسار نے ان سے یہ بھی دریافت کیا کہ میدان کربلا کے لرزہ خیر واقعات جو آج بھی

اس طرح بیان کئے جاتے ہیں جیسے کوئی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہا ہو، ان واقعات کو بیان کرنے والا پہلا راوی کون ہے۔ مولوی صاحب نے فوراً حضرت زینبؓ کا نام لیا، جس پر خاکسار نے عرض کیا کہ حضرت زینبؓ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور وہ بہرحال اپنے خیمہ میں ہی موجود ہوں گی۔ دوسرا ممکن راوی امام زین العابدین تھے جو اپنی شدید بیماری کی وجہ سے میدان میں نہیں جا سکے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر تھے اور ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ واقعات جو ہمارے سامنے بیان کئے جاتے ہیں وہ بعد میں بیان کئے گئے اور یقیناً مخالفین کے لشکر میں سے ہی کسی نے بیان کئے ہوں گے... جیسا کہ خاکسار بیان کر چکا ہے وہاں ایک صاحب پہلے سے بیٹھے تھے انہوں نے ٹبورا کے مذہبی حلقوں میں یہ بات خوب مشہور کی کہ ’’مرزائی کی کسی بات کا مولوی صاحب جواب نہ دے سکے‘‘ یہاں یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جماعت احمدیہ حضرت امام حسینؓ کو جنت کے نوجوانوں کا سردار سمجھتی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق حضرت امام کے موقف کو ہی صحیح اور درست سمجھتی ہے اور یزید اور اس کے ساتھیوں کو ظالم اور فسادی مانتی ہے۔

○○

خط و کتابت - پرانی یادیں

ہمارے بچپن کی بعض ایسی باتیں جو اب آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہیں ان میں سے ایک خطوں کا باہم تبادلہ بھی تھا۔ رشتہ داروں اور قریبیوں میں ایک دوسرے کو اپنی خیریت کی اطلاع دینا اور ان کی خیریت معلوم کرنے کا عام طریق تھا اور اگر اس معاملہ میں کوئی سستی سے کام لیتا تو اس سے شکوہ بھی کیا جاتا تھا۔ خط و کتابت کے لئے عام ذریعہ پوسٹ کارڈ اور لفافہ ہوتا تھا۔ ہم نے تین پیسے کا کارڈ اور چھ پیسے کا لفافہ دیکھا ہوُا ہے بلکہ اسے استعمال بھی کیا ہوُا ہے۔ لفافے اور کارڈ کے ذکر کے ساتھ قلم دوات کا ذکر بھی لازمی ہے۔ کارڈ یا خط لکھنے کے لئے قلم اور دوات استعمال ہوتی تھی۔ بزرگوں کی تحریریں تو قلم اور دوات سے ہی لکھی ہوتی تھیں بلکہ بعض بزرگ جو تیزی سے اور زیادہ لکھتے تھے ان کے متعلق تو یہ بھی مشہور تھا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ دوات (سیاہی کی شیشی یا برتن) رکھی ہوتی تھی۔ قلم آہستہ آہستہ ہولڈر کی شکل اختیار کر گئی یعنی قلم میں لوہے کا نِب استعمال ہونے لگا مگر پرانے بزرگ یہی کہتے رہے کہ لکھنے کا مزہ اور خوبصورتی قلم کے ساتھ ہی تھی۔ ہولڈر کی لکھائی میں وہ خوبصورتی اور بات کہاں۔ ہولڈر کے بعد فونٹین پین کا زمانہ آ گیا۔ ہولڈر کا قد چھوٹا ہو گیا اور

سیاہی کے لئے الگ دوات کی ضرورت نہ رہی بلکہ ہولڈر میں ہی سیاہی بھر لی جاتی تھی۔اس پین نے بھی ترقی کی کئی منزلیں دیکھیں۔شروع میں اس میں سیاہی کے لئے ایک ٹیوب ہوتی تھی جس میں سیاہی بھرنے کے لئے ایک لیور سا لگا ہوتا تھا۔ بعد میں ٹیوب کے بغیر پین بھی دستیاب ہو گئے۔تاہم ابتدائی طور پر یہی مشہور تھا کہ ہولڈر سے لکھائی بہتر ہوتی ہے اور پین میں وہ بات نہیں بنتی ۔ مجھے یاد ہے ہمارے ایک بزرگ محترم کرنل محمد رمضان صاحب کہا کرتے تھے کہ میں بال پوائنٹ استعمال ہی نہیں کرتا۔اس سے لکھائی صاف نہیں ہوتی۔اس بات سے ایک اور پرانی بات بھی یاد آ گئی۔ہمارے محلہ میں ایک ضعیفہ رہتی تھیں وہ معمر اور نابینا تھیں۔میں ان کے خط لکھا کرتا تھا اور اس مقصد کے لئے کاغذ، ہولڈر وغیرہ ساتھ لیکر ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ یہ زمانہ میری چھٹی،ساتویں کلاس کا ہو گا۔ میں ہمیشہ ہی یہ سوچتا ہوں کہ اس زمانہ میں میری تحریر کیسی ہو گی اور یہ بھی کہ میرے لکھے ہوئے خطوط مکتوب الیہ تک پہنچ بھی جاتے ہونگے تو وہ پڑھے بھی جا سکتے ہوں گے یا نہیں! وہ معمر خاتون میری اس بری بھلی خدمت کے لئے مجھے بہت دعائیں دیا کرتی تھیں۔اس خاندان کے کئی افراد کے نام مجھے یاد ہیں۔اس خاتون کا ایک پوتا جرمنی میں مجھے ملا بھی تھا تاہم میں عمداً ان کے نام نہیں لکھ رہا۔

پرانی یادوں کے سلسلے میں یہ لکھنا بھی بے محل اور غیر مناسب نہ ہو گا کہ بعد میں مجھے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کے خطوط اور مضامین لکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ان مواقع کو یہ خاکسار اپنی خوش قسمتی اور سعادت سمجھتا ہے اور ان بزرگوں سے بہت سی باتیں سیکھنے کو ملتی تھیں۔

ایک بات جس کا خط وکتابت سے تو بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں نے ہمیشہ اس سے

فائدہ اٹھایا اور شاید کسی پڑھنے والے کے لئے مفید ہو یہاں تحریر کر رہا ہوں۔ استاد مکرم مولنا ابوالعطاء صاحب نے یاد فرمایا اور کہنے لگے میرے پاس بہت سے خطوط اور سوالات جمع ہو گئے ہیں اگر آپ فلاں وقت آجائیں تو میں جلدی جلدی ان کے جواب لکھوا سکوں گا۔ خاکسار وقت مقررہ پر حاضر ہو گیا۔ کئی خطوط کے جواب لکھے۔ حضرت مولانا صاحب کوئی کتاب دیکھ رہے تھے، سامنے ان کی شیروانی لٹک رہی تھی۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس میں سے رومال پکڑا دیں۔ میں نے دائیں جیب یا بائیں جیب کا خیال کئے بغیر باہر سے دونوں جیبیں ٹٹول کر دیکھیں۔ حضرت مولانا صاحب نے مجھے ایسے کرتے ہوئے دیکھ لیا، فرمانے لگے:

''رومال بائیں جیب میں ہوتا ہے''

یہ ایک سرسری سی بات تھی لیکن میں نے ہمیشہ اس بات سے فائدہ اٹھایا کہ دائیں طرف کیا ہونا چاہئے اور بائیں طرف کیا!

خط و کتابت کا ذکر ہو رہا تھا۔ خطوط صرف خیریت کی خبر ہی نہیں پہنچاتے تھے بلکہ اس زمانہ میں تمام ضروری باتیں بھی خطوں کے ذریعہ ہی ہوتی تھیں۔

چند تصویر بُتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

سے بھی خطوط کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ کسی عزیز کا خط ملتا تو اسے تکیہ کے نیچے رکھا جاتا۔ بار بار پڑھا جاتا اور لطف لیا جاتا یا اس کے برعکس بھی ہوتا تھا۔ ہمارے ایک بزرگ کا یہ لطیفہ بھی بہت دُہرایا جاتا تھا کہ میں مرکز سے آنے والی ڈاک رات کے وقت نہیں کھولتا۔ رات آرام سے سو کر صبح ڈاک پڑھتا ہوں۔

خاکسار جب ملک سے باہر ہوتا تھا تو یہ اہتمام کرتا تھا کہ 'اماں جی' کو ہفتہ میں ایک خط ضرور لکھ دوں تا وہ میری خیریت سے باخبر رہیں اور میری سستی یا تاخیر کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔

خاکسار کو بخوبی یاد ہے کہ 'پردیس' میں رہنے والے نوجوانوں کو باقاعدہ خط لکھنے کی طرف توجہ دلایا کرتا تھا بلکہ ان سے یہ بھی پوچھا کرتا تھا کہ انہوں نے گھر خط لکھ دیا ہے یا کب لکھا تھا۔

اوپر پین کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد تو بال پوائنٹ کا زمانہ آیا اور سیاہی پرانے زمانے کی بات ہوگئی اور اب تو تحریر میں ٹائپ رائٹر کا زمانہ بھی چلا گیا اور کمپوزنگ کی نت نئی شکلیں اور آسانیاں سامنے آگئی ہیں جن سے سہولت تو بہرحال زیادہ ہوگئی ہے مگر خطوں کا اپنا ہی مزہ تھا۔

'غالب کے خطوط' کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور کئی ادیبوں کے خطوط انکی ادبی خدمات میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اور تو اور ''ایک عزیز کے نام خط'' حضرت چودھری ظفراللہ خان صاحبؓ کی ایک بہت اہم کتاب ہے۔ یعنی خط کتاب کی شکل اختیار کر گیا اور اس میں مذہب کی ضرورت واہمیت کا مضمون بہت عمدہ پیرایہ میں بیان ہوگیا۔

''واذا الصحف نشرت'' کا یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ کون جانے مستقبل میں کیا کیا ظاہر ہونے والا ہے۔

○○

دو بزرگ۔ دو کتابیں

1960ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں کی بات ہے۔ استاد محترم حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کراچی تشریف لائے۔ حضرت مولوی صاحب کی آمد سے ساری جماعت خوش ہوتی تھی۔ کئی جلسوں اور ملاقاتوں کا اہتمام ہوتا تھا اور خوب چہل پہل اور رونق رہتی تھی۔ حضرت مولوی صاحب سے ان کے ایک پرانے ملنے والے نے پرانی باتوں کی یاد دلاتے ہوئے بااصرار درخواست کی کہ وہ ان کے ہاں تشریف لائیں۔ حضرت مولوی صاحب اپنے اس پرانے جاننے والے کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے ان کے ہاں جانے کو تیار ہو گئے۔ جیسا کہ احباب جانتے ہیں کراچی میں تانگے بہت کم چلتے تھے، تاہم اس محلے میں جہاں وہ صاحب رہتے تھے وہاں تانگوں کا رواج تھا۔ حضرت مولوی صاحب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تانگے پر سوار جارہے تھے کہ اتفاق سے وہ تانگہ راستہ میں الٹ گیا۔ حضرت مولوی صاحب کو چوٹیں آئیں۔ ڈاکٹری معائنے اور ایکسرے وغیرہ سے پتہ چلا کہ حضرت مولوی صاحب کی تین چار پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں اور ان کا علاج سیدھے لیٹے رہنا اور آرام کرنا ہے۔ خاکسار ان دنو ں کراچی میں مربی تھا۔ حضرت مولوی صاحب سے ملنے گیا۔ مولوی صاحب اپنے

شاگردوں کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔خاکسار واپس آنے لگا تو حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ اب اور تو کوئی کام نہیں ہے لیٹے لیٹے مطالعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔آپ دوبارہ آئیں تو کوئی کتاب لیتے آئیں۔خاکسار نے اس وقت تو بخوشی یہ ذمہ داری لے لی کیونکہ خاکسار کی رہائش دارالمطالعہ بندر روڈ پر تھی۔اس لئے یہ کام بہت آسان لگا تاہم جب میں کتاب کا انتخاب کرنے لگا تو مجھے اس کام کی مشکل کا احساس ہوا۔اگر تفسیر یا حدیث کی کوئی کتاب لے جاؤں تو وہ حضرت مولوی صاحب نے متعدد مرتبہ پڑھی ہوئی ہوگی۔اگر کوئی اور کتاب لے جاؤں گا تو خود میرے ذوق مطالعہ کا بھی خوب اندازہ ہو سکے گا...... آخر سوچ سوچ کر ''ناقابل فراموش'' جو مشہور صحافی دیوان سنگھ مفتون کی ایک کتاب ہے لے گیا۔حضرت مولوی صاحب نے اسے پسند فرمایا۔بعض واقعات پڑھے،ان پر تبصرہ بھی ہوتا رہا۔ایک دن خاکسار نے عرض کیا کہ یہ کتاب سردار صاحب موصوف کی ان یادوں پر مشتمل ہے جو وہ کبھی کبھار اپنے اخبار ''ریاست'' میں شائع کیا کرتے تھے۔اگر آپ بھی اپنے ماہنامہ'الفرقان' میں اسطرح اپنی زندگی کے واقعات تحریر فرمائیں تو ہم جیسے آپ کے شاگردوں اور جماعت کے دوسرے افراد کیلئے بھی بہت دلچسپ اور مفید ہوں گے۔خاکسار کی بات پر حضرت مولوی صاحب نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ مجھے اور بھی کئی لوگوں نے کہا ہے اب آپ نے بھی توجہ دلائی ہے۔دیکھیں خدا تعالیٰ کو کیا منظور ہے...... میری خوشگوار حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے کچھ عرصہ کے بعد رسالہ الفرقان میں ''حیاتِ ابی العطاء'' کے عنوان سے حضرت مولوی صاحب کی زندگی کے واقعات پڑھے۔یہ واقعات اب ''خالد احمدیت'' کتاب کی زینت ہیں اور ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب لمبا عرصہ کراچی میں مربی رہے۔خاکسار کی

خوش قسمتی ہے کہ میری ابتدائی تقرری کراچی میں ہوئی ۔حضرت مولوی صاحب سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا۔کراچی سے حضرت مولوی صاحب غانا تشریف لے گئے خاکسار بھی کراچی کے بعد ملتان ،حیدرآباد وغیرہ مقامات پر رہا اور جب حضرت مولوی صاحب بطور ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ میں خدمات بجالارہے تھے تو اس وقت بھی ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل گیا۔الحمدللہ۔

ان دنوں خاکسار کی بطور مربی لاہور میں تقرری ہوئی۔حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ اب ہم لاہور میں آپ کے پاس ہی رہا کریں گے۔خاکسار نے اپنے دل میں سوچا کہ حضرت مولوی صاحب کے لاہور میں ہزاروں جاننے والے ہیں،حضرت مولوی صاحب کے رشتہ دار بھی لاہور میں ہی موجود ہیں ،میرے جیسے درویش کو حضرت مولوی صاحب کی میزبانی کا شرف کہاں حاصل ہوگا۔مگر کچھ عرصہ کے بعد آپ کا لاہور آنے کا پروگرام بن گیا اور مجھے بھی اپنی اس خوش قسمتی کی اطلاع مل گئی کہ حضرت مولوی صاحب میرے پاس تشریف لائیں گے۔لاہور کے احباب خوب جانتے ہیں دہلی دروازہ کی پرانی مسجد کے ساتھ مربی کی پرانی طرز کی رہائش گاہ ہوتی تھی۔خاکسار مرکز سے جاتے ہوئے اپنا بستر ساتھ لے گیا تھا اور اس طرح وہاں میری کل کائنات ایک چارپائی اور چند کتابیں ہی تھیں۔بہرحال جماعت نے حضرت مولوی صاحب کی رہائش کا انتظام کردیا۔برسبیل تذکرہ یہ بھی ذکر کردوں کہ جب خاکسار نے حضرت مولوی صاحب سے ناشتہ کیلئے پوچھا تو انہوں نے سادہ نان،مکھن اور چائے کی فرمائش کی ......جس بات کا یہاں ذکر کرنا مطلوب ہے،وہ یہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے دوپہر کے وقت کچھ مطالعہ کرنا چاہا اور میری کتابوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔وہاں جوش ملیح آبادی کی مشہور کتاب ’’یادوں کی بارات‘‘ رکھی تھی جو میرے ایک جاننے والے یہ کہہ

کر مجھے دے گئے تھے کہ آج کل یہ نئی کتاب آئی ہے شاید آپ نے ابھی نہیں دیکھی ہوگی...... یادوں کی بارات میں جوش صاحب نے بہت کھل کر اپنی آزادروی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ میں وہ کتاب دیکھ کر مجھے کچھ گھبراہٹ ہوئی ......ہم عصر کی نماز کیلئے مسجد میں گئے۔ حضرت مولوی صاحب نے نماز پڑھائی اور پھر ہم میں سے کسی کی درخواست پر نہایت عمدہ برجستہ نصائح فرمائیں۔ یہاں یہ بتانے یا لکھنے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ حضرت مولوی صاحب میدان خطابت کے شہسوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن خوبیوں سے نوازا تھا ان میں قوت بیان کی خوبی بہت نمایاں تھی۔ حضرت مولوی صاحب نے ان نصائح کے درمیان فرمایا کہ ابھی میں جوش صاحب کی کتاب ''یادوں کی بارات'' دیکھ رہا تھا (خاکسار تو کچھ اور دبک کر بیٹھ گیا کہ نجانے کیا ذکر ہونے لگا ہے) اس میں جوش صاحب نے ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ لوٹے اور مصلے کے آدمی تھے جبکہ میں جام وساغر کا آدمی ہوں۔ وہ کوئی نماز چھوڑتے نہیں تھے اور میں ادھر کا رُخ بھی نہیں کرتا۔ وغیرہ، مگر اس بزرگ کا بہت اچھے رنگ میں ذکر کیا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جو بھی کسی احمدی کو ملے اور دیکھے وہ اس کی نیکی سے ضرور متاثر ہو۔

حضرت مولوی صاحب نے شہد کی مکھی کی طرح اس کتاب سے بھی اچھی اور اپنے مطلب کی بات حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی نیکیوں کو قائم رکھے۔ بہترین جزا سے نوازے اور ہمیں ان خوبیوں سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○○

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد

احمدیہ چوک قادیان

ایک مجلس میں دوران گفتگو احمدیہ چوک کا ذکر آیا تو ایسے لگا کہ اس موضوع کا حق ادا نہیں ہوا۔اس بات کو آگے چلانے سے پہلے بعض اور ضروری باتوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا اس خاکسار پر خاص فضل واحسان اور جلوہ رحمانیت اس طور پر ہوا کہ ایسے والدین کے ہاں پیدائش ہوئی جو دونوں پیدائشی احمدی اور مسیح موعودؑ کے صحابہ کی اولاد تھے۔والدین مسابقت بالخیر کے جذبہ سے سرشار تھے اور ہمیشہ اس جستجو میں رہتے تھے کہ اور کونسی نیکی بجالانے کی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔اسطرح وہ اپنی اولاد کے لئے قابل رشک نمونہ تھے اور ان کی اولاد کے لئے اس وجہ سے بہتری اور بھلائی کے حصول کے مواقع بافراط مل سکتے تھے۔

بچپن میں متعدد رفقاء حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے مواقع حاصل ہوتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی زیارت کی بکثرت سعادت ملتی تھی۔بچپن میں بہت سادہ، نیک اور مخلص اساتذہ سے استفادہ کی نعمت بھی حاصل رہی۔ان فضلوں میں ایک بہت ہی نمایاں فضل

یہ تھا کہ بچپن کا اکثر حصہ مسجد مبارک کے سائے میں بلکہ الدار کے ایک حصہ میں گزارنے کی سعادت ملی۔

اب 'احمدیہ چوک' کا کچھ ذکر ہو جائے۔قادیان کی پرانی آبادی میں دو بازار تھے۔ ایک بڑا بازار کہلاتا تھا، دوسرا احمدیہ بازار کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ بڑے بازار میں بالعموم غیر مسلموں کی دکانیں تھیں۔حکیم ملاوامل صاحب کی دکان اسی بازار میں تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر اپنی کئی کتب میں فرمایا ہے۔خدائی نصرت کے کئی نشانات کے گواہ تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اپنی شادی کے سلسلے میں دہلی تشریف لے گئے تو یہ صاحب بھی ہمراہ تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ بارات میں شامل تھے۔

ذکر بڑے بازار کا تھا۔ یہ بازار مسجد اقصیٰ تک پہنچ کر چھوٹی چھوٹی گلیوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ایک گلی یا تنگ بازار پرانے اڈے کی طرف جاتا تھا۔ایک گلی مسجد اقصیٰ کے عقب میں پرانی آبادی کی طرف چلی جاتی تھی۔ایک گلی مسجد اقصی کے ساتھ ساتھ سے نکلتی ہوئی احمدیہ بازار کی طرف چلی جاتی تھی۔اسی رستہ پر وہ بڑی عمارت تھی جو مسجد اقصیٰ سے متصل کسی ہندو کی تھی۔وہ ہندو مسجد اقصیٰ میں احمدیوں کی عام آمدورفت اور کبھی ان کی چھت کو استعمال کرنے کی وجہ سے اکثر ناراض رہتے تھے۔مگر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کے مطابق یہ عمارت احمدیوں کے قبضہ میں آگئی اور اپنے بچپن میں ہم نے اس میں احمدیہ دفاتر دیکھے تھے۔(غالباً اب یہ عمارت مسجد اقصیٰ میں شامل ہو چکی ہے)۔

مسجد اقصیٰ کے ساتھ ساتھ نکلنے والی اس گلی میں آگے چل کر 'الدار' شروع ہو جاتا تھا اور مسجد مبارک آجاتی تھی۔مسجد مبارک سے ایک بازار یا سڑک نکلتی تھی جو احمدیہ بازار کہلاتی تھی۔اس جگہ کو جہاں احمدیہ بازار اور مسجد اقصیٰ سے آنے والی گلی ختم ہوتی تھی، احمدیہ چوک

کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مسجد مبارک سے متصل گول کمرہ تھا جو 'الدار' کا ہی حصہ تھا اسکے ساتھ ساتھ آگے 'الدار' یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش گاہ تھی۔

مسجد مبارک کے ساتھ ہی ایک اور عمارت تھی یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان رشتے داروں کی ملکیت تھی جو حضورؑ کی پیشگوئی کے مطابق لا ولد اور منقطع النسل ہو گئے۔ اس عمارت میں بھی سلسلہ کے دفاتر ہوتے تھے۔ مسجد اقصیٰ سے آنے والی گلی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ ایک حصہ اس عمارت کی طرف آنے کا راستہ تھا اور دوسرا مسجد مبارک کے نیچے سے ہوتا ہوٗا احمدیہ چوک میں ختم ہوتا تھا۔

پرانی عمارت یا مسجد مبارک کے مغرب کی طرف تھوڑی سی کشادہ جگہ یا بڑا صحن تھا جس میں ایک کنواں بھی تھا۔ اس جگہ مرزا گل محمد صاحب حضور کے رشتہ داروں کی نسل میں سے بچنے والے واحد انسان تھے جو احمدیت سے تعلق کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انذاری پیشگوئی کا نشانہ بننے سے بچ گئے تھے۔ اس احاطہ سے احمدیہ چوک کی طرف جانے والے راستہ پر ''گلشن احمد'' لکھا ہوٗا تھا جو اس بات کی یاد دہانی کرواتا تھا کہ اس جگہ کے مالک حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے نشان کے طور پر ختم ہو گئے اور خدائی تائید و نصرت کی برکت سے گلشن احمد ہی سدا بہار ہے۔ مسجد اقصیٰ کی طرف سے آنے والی تنگ گلی جو بعض جگہ سے چھتی ہوئی تھی احمدیہ چوک میں ختم ہونے سے چند قدم پہلے مسجد مبارک میں جانے کے لئے تنگ سی سیڑھیوں کے پاس سے گزرتی تھی۔ ہم نے حضرت مصلح موعودؓ کو مسجد اقصیٰ جاتے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے ان سیڑھیوں کو ہی استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ احمدیہ چوک میں پہنچنے کی جلدی میں کئی نشانات اور قابل ذکر عمارتوں اور باتوں کا ذکر رہتا جا رہا ہے تاہم یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'مقدمہ دیوار' کا نشان ان سیڑھیوں کے قریب ظاہر ہوٗا تھا۔ حضرت

اقدس علیہ السلام کے مخالف رشتہ داروں نے احمدیوں کو تنگ کرنے کے لئے یہاں دیوار بنا دی تھی تا کہ 'الدار' اور مسجد کی طرف جانے والے احمدیوں کو لمبا چکر کاٹ کر آنا پڑے۔ حضور کی دعا سے یہ دیوار بنانے والوں کو گرانی پڑی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس نشان کے ظاہر ہونے اور احمدیوں کی مشکل آسان ہونے پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ مسجد مبارک سے چند قدم پر 'احمدیہ چوک' تھا۔

احمدیہ چوک کی ایک مرکزی جگہ پر محترم والد صاحب کی دکان تھی۔ اس دکان سے حاصل ہونے والی بے شمار برکات کا یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس چوک کے ناقابل فراموش نظارے میرے بچپن کی انتہائی خوشگوار یادیں ہیں۔ اس جگہ سے خاکسار نے بے شمار مواقع پر دیکھا کہ مسجد کے ساتھ ایک قطار بن رہی ہے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس قطار میں کبھی دس بیس آدمی ہوتے اور کبھی سو پچاس کیونکہ اس کا پہلے سے کوئی اعلان نہیں ہوتا تھا۔ ہم اس قطار کو دیکھتے ہی بچپن کی شوخی میں شروع میں جا کر کھڑے ہو جاتے اور حضور سے شرف مصافحہ حاصل کرتے بلکہ اکثر یہ بھی ہوتا کہ چند آدمیوں کے بعد پھر نمودار ہو کر مصافحہ کا شرف حاصل کرتے اور پھر اپنے ہم عمروں کو خوشی خوشی بتاتے کہ آج تو اتنی دفعہ مصافحہ کیا ہے۔

احمدیہ چوک ایسی جگہ تھی کہ جہاں مسجد اقصیٰ سے آنے والے، مسجد مبارک سے آنے والے، بہشتی مقبرہ سے آنے والے، مدرسہ احمدیہ سے آنے والے، لنگر خانہ سے آنے والے ضرور ہی گزرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خاکسار نے اس جگہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب،

حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحب، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بزرگوں کو دیکھا۔آسمان احمدیت کے ان درخشندہ ستاروں کی زیارت آج بھی خوشی اور مسرت سے دل کو لبریز کر دیتی ہے۔

جلسہ سالانہ کے دنوں میں تو اس جگہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جلسہ کے بعد جلسہ اس چوک میں آ گیا ہے۔احمدیوں کی باہم ملاقات کی یہ بہترین جگہ تھی۔السلام علیکم کی گونج رہتی تھی اور پھر یہ بھی کہ ''بھائی جان ہم دس سال کے بعد پھر یہاں ہی مل رہے ہیں''۔''اچھا ہو گیا آپ سے ملنے کی خوشی حاصل ہوئی''۔''آپ یہاں کیسے۔آپ تو ہماری مخالفت کرتے تھے اور ہمیں بھی قادیان آنے سے منع کیا کرتے تھے''۔''احمدیت کی صداقت ہم پر ظاہر ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب مخالف نہیں بلکہ احمدی ہیں اور الحمدللہ آپ سے یہاں مل رہے ہیں''

اس چوک میں بعض بزرگ اپنے تبلیغی تجربات سنا کر لوگوں کے محظوظ کر رہے ہوتے۔ ایسے ایک بزرگ محمد یوسف صاحب پشاوری تھے (یہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب نہیں ہیں) جو بخوشی بتایا کرتے تھے کہ کوئی بھی مخالف ہو میں اسے پانچ منٹ میں خاموش کر سکتا ہوں اور وہ ایسی بہت سی مثالیں بیان کیا کرتے تھے۔

ایک اور درویش صفت بزرگ (غالباً ان کا نام علی محمد پردیسی تھا) کندھے سے کپڑے کی ایک جھولی سی لٹکائے پنجابی زبان کے اشعار سنا رہے ہوتے لوگ بخوشی ان سے چھوٹی چھوٹی کتابیں (جو ان کی جھولی میں ہوتی تھیں) ایک آنے دو آنے قیمت پر لے رہے ہوتے تھے۔مجھے یہ بزرگ اس لئے بھی یاد رہ گئے ہیں کہ وہ میرے نانا جان حضرت حکیم اللہ بخش صاحب کے اشعار بھی سنایا کرتے تھے۔تجارتی لحاظ سے تو شاید یہ کوئی منافع بخش سلسلہ نہیں

تھا مگر تبلیغی لحاظ سے بہت ہی مفید سمجھا جاتا تھا۔

جلسے کے دنوں میں یہ چوک بلکہ آگے جا کر ایک طرف سے مدرسہ احمدیہ تک اور دوسری طرف سے دارالانوار جانے والے رستہ تک نمازیوں کی صفیں بن جاتی تھیں۔ خدا کے ان برگزیدہ بندوں کی دعائیں اس کے فضلوں کے حصول کا ذریعہ بن کر دنیا بھر کے عظیم الشان جلسہ ہائے سالانہ کے لئے بطور بیج بن گئیں۔

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

○○

اخلاص و محبت کی پرانی یادیں

تاریخ احمدیت جلد سترہ کی اشاعت ہونے پر یہ مضمون لکھنے کی توفیق ملی۔مرکز کی طرف سے تاریخ احمدیت جلد سترہ موصول ہوئی۔اس گراں قدر اور قیمتی کتاب کو پا کر بہت خوشی ہوئی۔یہ کہنا کسی طرح بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ پوری کتاب مسلسل پڑھ ڈالی اور جب کتاب ختم کی تو صبح قریباً پانچ بجے کا وقت تھا۔اکثر واقعات چشم دید ہونے کی وجہ سے حضرت مصلح موعودؓ کا زمانہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔آپ کے پرشوکت خطاب ''روح آفریں تقاریر'' آپ کی غیر معمولی قائدانہ صلاحیتیں،تبلیغ اسلام کی دھن اور لگن وغیرہ ان سطور کے لکھنے کا محرک حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہر مرحوم مغفور کا ایک فقرہ ہؤا۔آپ اپنی خودنوشت سوانح یا بیعت کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ایک پرانے احمدی دوست سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''1900 میں اکتوبر میں تار پر حکم پہنچنے پر بھون گاؤں تحصیل میں نائب تحصیلدار ہو کر تین ماہ کے لئے گیا۔تحصیلدار مولوی تفضّل حسین صاحب تھے (پرانے احمدی دوست)،ہم دونوں کو جو خوشی حاصل ہوئی وہ ہر احمدی اندازہ کر

سکتا ہے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد سترہ۔صفحہ 375)

یہ سادہ سا فقرہ پڑھ کر میں ان کی خوشی کا اندازہ کرنے لگا اور عالم تصور میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی اس چھوٹی سی ، معمولی سی کچے پکے مکانوں اور ٹیڑھی میڑھی گلیوں والی بستی میں پہنچ گیا جسے دنیا قادیان کے نام سے جانتی ہے۔ یہ بستی جس سے انتہائی اخلاص اور پیار کی یادیں وابستہ ہیں۔اس بستی کے گلی کوچوں کی مرمت کے رضا کارانہ کام میں حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے کندھوں پر مٹی ڈھونے کا نظارہ ابھی تک ذہن میں اس طرح تازہ ہے جیسے اسوقت بھی آنکھوں کے سامنے ہو۔ یہ بستی جس میں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ جیسا صوفی منش درویش رہتا تھا، جہاں حضرت مولانا شیر علیؓ جیسا فرشتہ صفت انسان دست با کار اور دل بایار کی مکمل تصویر بستا تھا۔ جہاں حضرت میر محمد اسحاقؓ جیسا عاشق رسول، محدث و مفسر رہتا تھا ، وہ بستی جس میں علم معقول و منقول کا پہاڑ حضرت مولوی سرور شاہؓ رہتا تھا۔ وہ بستی جس میں دعا اور ذکر حبیب کا متوالا حضرت مفتی محمد صادقؓ دھونی مارے ہوئے تھا، ہاں وہی بستی جس میں کتنے ہی غریب طبع درویش ابو ہریرہؓ صفت رہتے تھے جن کا اوڑھنا بچھونا عبادت، دعا اور تبلیغ تھی ۔ یہ فہرست تو بہت لمبی ہو جائے گی ،مختصر طور پر اس بستی کا تعارف اس طرح بھی کرایا جا سکتا ہے کہ جہاں مسیح پاک علیہ السلام کی برکت سے منتخب روزگار افراد ہندوستان کے ہر کونے بلکہ بیرون ہندوستان سے بھی آ کر جمع ہو گئے تھے مگر وہ سب ایک دوسرے کے ’’بھائی جی‘‘ تھے۔

وہاں کوئی غیر نہیں تھا۔ ہر بزرگ بابا جی یا میاں جی تھا۔ جہاں ہر خاتون مجسم شرم و حیا اور زہد و اتقا، ماسی جی یا خالہ جی تھی ۔ وہاں کوئی اونچ نیچ نہیں تھی ۔ وہاں عزت کا معیار علم اور تقویٰ

تھا۔ جہاں السلام علیکم کی گونج ہوتی تھی ۔ جہاں تلاوت قرآن کی آواز ہر گھر سے آتی تھی ۔ یہ مختصر تعارف بھی مفصل ہوتا جا رہا ہے۔

ایسے حالات میں ایک اجنبی اور نئی جگہ دو احمدی بھائیوں کی باہم اچانک ملاقات کس قدر خوشی کا باعث ہوتی ہوگی ۔اس کے لئے ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ ضلع جہلم میں ایک مشہور قصبہ دوالمیال کے نام سے مشہور ہے ۔اس کی شہرت کی وجہ وہاں کے وطن عزیز کی فوج کے جیالے ہیں ۔ ہر گھر سے نوجوان بھرتی ہوکر بہادری اور جانبازی کی اعلیٰ مثالیں قائم کرنے والے اور بلند ترین فوجی اعزازات حاصل کرنے والے۔اس دور دراز علاقہ میں احمدیت حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے زمانہ میں پہنچ چکی تھی اور کسی صاحب دل احمدی نے پہاڑ کی بلندی پر بہت ہی موزوں جگہ پر اچھی فراخ اور وسیع مسجد تعمیر کروائی ہوئی تھی ۔اس مسجد میں منارۃ المسیح قادیان سے ملتا جلتا کسی قدر چھوٹا ایک مینار بھی ہے اور غالباً اسی وجہ سے علاقہ میں یہ قصبہ قادیان ثانی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔اس مسجد میں بیٹھ کر ہمارے بزرگ حضرت قاضی عبدالرحمان صاحبؓ دراز قد، صحت مند، فربہ جسم، مسکراتا ہوا چہرہ، نورانی داڑھی، مخلص اور فدائی نے خاکسار کو اپنا ایک پرانا واقعہ سنایا۔انہیں کی زبانی سنئے ۔

جنگ عظیم میں جب ہمیں برما بھجوانے کے لئے ایک خستہ حال مال بردار قسم کے جہاز میں سوار کیا گیا اور میں نے جہاز میں جا کر دیکھا کہ مسافر تو بہت زیادہ ہیں مگر نہ تو کوئی انتظام ہے اور نہ ہی ضروری سہولتیں میسر ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ میں غیر ملک میں جا رہا ہوں ۔میرے ساتھ کوئی بھی احمدی نہ ہوگا گویا باجماعت نماز بھی میسر نہ ہوگی ۔ درس قرآن وحدیث سننے کو نہ ملے گا ۔ ذکر حبیب اور ملفوظات سے بھی محروم رہوں گا ۔ان خیالات نے اتنا غلبہ کیا کہ میں نے جہاز کے ایک کونے میں جا کر نماز شروع کر دی ۔نماز میں

خوب رقت طاری ہوئی اور میں نے رو رو کر دعا کی کہ اے خدا مجھے اکیلا نہ رہنے دینا۔ دعا کر کے دل میں سکون سا پیدا ہوا۔ کمرے سے باہر نکلا۔ ہجوم کا اس نظر سے جائزہ لیا کہ ان میں جو معقول صورت شریف آدمی نظر آئے، اس سے دوستی کی جائے اسے تبلیغ کی جائے اور اس طرح جماعت سے محرومی کا ازالہ کیا جائے۔ کچھ دیر جائزہ لینے کے بعد میری نظر نے ایک صاحب کو منتخب کرلیا۔ میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر میں نے گفتگو کو مذہبی اور تبلیغی رنگ دے دیا۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ وہ صاحب میری باتیں پوری توجہ اور دلچسپی سے سن رہے ہیں۔ کوئی گھنٹہ بھر باتیں ہوئی ہوں گی کہ وہ صاحب بڑے والہانہ انداز میں مجھ سے چمٹ گئے اور کہنے لگے کہ میں تو اللہ کے فضل سے احمدی ہوں آپ کی باتوں سے مزہ لے رہا تھا اس لئے فوراً ہی آپ کو نہیں بتایا تھا۔

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ پھر ہماری نمازیں با جماعت شروع ہو گئیں۔ سلسلہ کی کچھ کتب ان کے پاس تھیں کچھ میں بھی ساتھ لایا تھا۔ درس وغیرہ کا روح پرور اور ایمان افروز سلسلہ شروع ہو گیا۔ (خاکسار کو یاد نہیں آ رہا کہ مکرم قاضی صاحب نے اپنے اس نو دریافت احمدی کا نام بتایا تھا یا نہیں۔ بہرحال ان کا نام خاکسار کو معلوم نہیں ہے)

اپنے اسی سفر کے سلسلے میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم اپنی روزمرہ کی خدمات اور ذمہ داریاں بجالا رہے تھے زندگی کافی حد تک ایک معمول پر آ گئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد ہم نے سنا کہ ہمارے یونٹ میں ایک مسلمان ڈاکٹر آ رہے ہیں طبعاً سب مسلمانوں کو خوشی ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں ڈاکٹر عام طور پر انگریز ہی ہوتے تھے یا پھر چند ہندو ڈاکٹر تھے، لہٰذا مسلمان ڈاکٹر کا بہت بے چینی سے انتظار ہونے لگا۔ خدا خدا کر کے ڈاکٹر صاحب آئے۔ ان کی شکل بالکل انگریزوں کی طرح تھی اور رعب و دبدبہ بھی بہت تھا۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب

کے اردلی نے مجھے بتایا کہ قاضی صاحب یہ ڈاکٹر تو کوئی عام آدمی نہیں ہے بلکہ کوئی ولی اللہ لگتا ہے۔ میں نے اسے رات تہجد میں اور دن کو تلاوت میں روتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے تھے کہ اسے سن کر مجھے فوراً ہی یہ خیال آیا کہ ایسا نیک شخص تو احمدی ہونا چاہئے اور اگر یہ احمدی نہیں ہے تو اسے احمدی کرنا چاہئے۔ مگر فوجی ضوابط اور ڈاکٹر صاحب کے رعب کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کس اعتقاد کے حامل ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک صورت پیدا فرمائی۔

فوجیوں کی عام حاضری اور ڈیوٹی کی تقسیم کے وقت ایک فوجی نے بیماری کا عذر پیش کیا۔ ضابطہ کے مطابق ضروری تھا کہ اسے فوری طور پر ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر وہ اس کی بیماری کی تصدیق کریں تو اسے ڈیوٹی سے مستثنیٰ سمجھا جائے ورنہ بہانے بنانے کی سزا دی جائے۔ اس غرض کیلئے میں نے مطبوعہ فارم پر کر کے اپنے دستخطوں کے بعد نمایاں طور پر AHMADI لکھ دیا اور اس سپاہی کو ایک دوسرے سپاہی کے ہمراہ ڈاکٹری معائنہ کے لئے بھجوا دیا۔ ان کو بھیج کر میں پوری وردی پہن کر ڈاکٹر صاحب کے پاس جانے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ میرا خیال تھا کہ اگر ڈاکٹر صاحب احمدی ہیں تو باہم محبت کی وجہ سے اور اگر احمدی نہیں ہیں تو مخالفت کی وجہ سے بہرحال مجھے ضرور طلب کریں گے۔

حضرت قاضی صاحب فرماتے تھے کہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہی سپاہی بھاگتا ہوا بہت گھبراہٹ کے عالم میں آیا اور کہنے لگا کہ قاضی صاحب نہ معلوم آپ نے اس فارم میں کیا لکھ دیا تھا صاحب کو دیکھتے ہی غصہ آ گیا اور اس نے آپ کو فوری طور پر طلب کیا ہے میں نے مسکراتے ہوئے اسے کہا کہ کوئی بات نہیں میں تو پہلے ہی ڈاکٹر صاحب کی ملاقات کے لئے تیار بیٹھا ہوں جب میں ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچا تو وہ اپنے بنگلے میں آرام کر رہے تھے۔

چارپائی پر مچھردانی لگی ہوئی تھی۔ وہاں لیٹے لیٹے بظاہر بڑے غصہ سے پوچھنے لگے کہ یہ فارم کس نے پر کیا تھا؟ اس فارم پر کس کے دستخط ہیں؟ وغیرہ میرے یہ بتانے پر کہ یہ اس خاکسار کا ہی کام ہے۔ ڈاکٹر صاحب مچھردانی کو ایک طرف کرتے ہوئے اٹھے اور مجھ سے معانقہ کر لیا۔ یہ قابل فخر ڈاکٹر حضرت میجر حبیب اللہ شاہؓ (بقول حضرت مسیح پاک علیہ السلام جنتی خاندان کے ایک فرد) تھے۔

روزوں کے دن تھے۔ ہماری نماز تراویح بھی ہونے لگی اور درس بھی باقاعدگی سے ہونے لگا۔ خاکسار حضرت ذوالفقار علی خان گوہر مرحوم کے فقرہ پر ہی ان متفرق یادوں کو ختم کرتا ہے کہ اس غیر متوقع اچانک ملاقات پر حضرت قاضی صاحب اور حضرت شاہ صاحب کو جو خوشی حاصل ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ہر احمدی کر سکتا ہے۔

○○

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تو

2017 کا پہلا دن ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ خاکسار کے لئے سیکھنے کے جو مواقع تھے وہ کم ہی لوگوں کو میسر آتے ہیں۔ بچپن قادیان میں گزرا محلہ میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جن کی بزرگی اور شفقت کی یاد آج بھی خوشی کی لہر پیدا کر دیتی ہے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ جیسا فرشتہ انسان ہمارے گھر سے چند قدم پر رہتا تھا۔ حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ بھی وہاں پر ہی رہتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی خوبیوں پر تو کئی صفحات لکھے جا سکتے ہیں لیکن پھر میں اپنے مضمون یا دعا کی درخواست سے دور نکل جاؤں گا۔ ہمارے محلہ کے صدر صاحب بھی تو ایک صحابی حضرت چوہدری سربلند خان صاحبؓ تھے جو ہمارے ایک بہت کامیاب مربی مکرم محمد اجمل صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ ہمارے محلے 'دارالفتوح' کی صدر صاحبہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی بیٹی محترمہ خدیجہ صاحبہ تھیں۔ ان سے پہلے ایک اور بزرگ خاتون صدر لجنہ تھیں۔ سارا محلہ انہیں پھوپھی جی کہتا تھا وہ مشہور صحابی قاضی محمد عبداللہ صاحبؓ، قاضی عبدالرحمان صاحبؓ کی ہمشیرہ تھیں۔

میری بڑی بہن امۃ اللطیف صاحبہ بہت چھوٹی عمر سے لجنہ کے کام کرنے لگی تھیں اور

مذکورہ دونوں بزرگ خواتین کی سیکرٹری تھیں۔اس لئے اس خاکسار کو بھی ان بزرگوں کے ہاں آنے جانے کے بہت مواقع ملتے تھے۔

خاکسار نے کلام پاک پڑھنا شروع کیا تو حضرت مصلح موعودؓ سے 'بسم اللہ' کروانے کی درخواست کی گئی جو الحمد للہ منظور ہوئی اس طرح اس جاہل کی تعلیم میں حضرت مصلح موعودؓ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل ہوگئی گو بعد میں تو 'کلام محمود' اورآپ کی شاندار علمی تصانیف سے بہت کچھ پڑھا اور سیکھا۔قرآن مجید تو ہم سب بہن بھائیوں کو ہماری والدہ محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ نے پڑھایا اوراس پیار سے پڑھایا کہ ہمیشہ کے لئے پڑھنے کی لگن لگ گئی۔

تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں داخلہ ملا۔ابتدائی اساتذہ ماسٹر شاہ محمد صاحب، ماسٹر نواب دین صاحب، ماسٹر عبدالعزیز صاحب، ماسٹر حسن محمد صاحب، ماسٹر اللہ بخش صاحب تھے۔ابتدائی تین اساتذہ تو سائیکلوں پر قریبی گاؤں تلونڈی سے پڑھانے آتے تھے۔

پانچویں جماعت کے بعد چھٹی جماعت میں جانے کی خوشی میں یہ امر بھی شامل تھا کہ اب ہم تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عظیم الشان عمارت میں جایا کریں گے۔ ہماری یہ خوشی چند روزہ ہی ثابت ہوئی کیونکہ انہیں دنوں تعلیم الاسلام کالج شروع ہوگیا اوراس عالی شان عمارت میں کالج کی تعمیر شرع ہوگئی اور ہم واپس اسی سکول میں آگئے جسے پہلے پرائمری سکول کہا جاتا تھا اور بعد میں کچھ نئی عمارت کی تعمیر کے بعد وہی عمارت ہائی سکول میں تبدیل ہوگئی۔ ہائی سکول میں اس زمانہ میں ایسے مشاہیر اساتذہ تھے کہ جو قادیان یا سکول ہی نہیں بلکہ علمی دنیا میں بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔سب اساتذہ کے نام تو شاید یاد نہ آئیں مگر ماسٹر چراغ محمد صاحب، ماسٹر رحمانی صاحب، چوہدری عبدالرحمان صاحب، چوہدری اللہ بخش صاحب، المعروف زراعتی صاحب اور مرزا احمد شفیع صاحب کے اسماء گرامی فوری طور پر ذہن میں آ

جاتے ہیں۔ان کی شفقتوں کا ذکر بھی تفصیل کا تقاضا کرتا ہے،تاہم دعا کی درخواست کے لئے تو اس سے زیادہ لکھنا شاید مناسب بھی نہ ہو کیونکہ یہ نام اتنے معروف اور ان کی خوبیاں اتنی عام ہیں کہ ان کے شاگردوں کے سامنے ان سب بزرگوں کی تصویریں اور خوبیاں ایک رنگین فلم کی طرح آتی چلی جائیں گی۔

ہائی سکول کے اساتذہ میں حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کا ذکر بھی نمایاں ہے۔ خاکسار ان سے براہ راست کسب فیض اور استفادہ نہیں کرسکا تاہم ان کا نظم وضبط،خوش خلقی اور صفائی و نفاست بے مثال تھی۔ان سے پہلے اس منصب پر حضرت سید سمیع اللہ شاہ صاحب تھے جو اپنی بزرگی اور نیکی کی وجہ سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

خاکسار نے آٹھویں جماعت تک تو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد مدرسہ احمدیہ میں پڑھنے یا زندگی وقف کرنے کی توفیق ملی۔اس مدرسہ کے پہلے ہیڈ ماسٹر حضرت مصلح موعودؓ تھے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ قمر الانبیاء سے بھی اس درسگاہ نے استفادہ کیا۔حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ بھی اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر رہے۔خاکسار نے حضرت مولوی عبدالرحمان جٹ صاحبؓ کو بھی اس مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر دیکھا۔ جٹ صاحب درویشی کے زمانہ میں ناظر اعلیٰ صدر انجمن قادیان اور امیر جماعتہائے ہندوستان کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔

خاکسار کے والد بزرگوار عبدالرحیم صاحب دیانت بھی درویشی کی سعادت سے بہرہ ور تھے اس لئے خاکسار کو بکثرت قادیان جانے اور حضرت مولوی جٹ صاحب کی شفقت سے حصہ لینے کا موقع ملتا رہا۔مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ میں مولوی محمود خلیل صاحب (غالباً بعد میں وہ اپنا نام محمود سکندر لکھنے لگے تھے) مرحوم جوانی کی عمر میں ہی اچانک راہی ملک عدم ہو گئے

تھے۔مکرم مولوی محمد شریف امینی صاحب ۔مکرم مولوی محمد حفیظ بقا پوری صاحب۔مکرم ماسٹر غلام حیدر صاحب کے نام نمایاں تھے۔

خاکسار کے زمانہء تعلیم میں مدرسہء احمدیہ میں چار سال کا نصاب تھا۔ پھر جامعہ احمدیہ میں چار سال کی تعلیم تھی ۔ ربوہ میں کچھ عرصہ جامعۃ المبشرین کے نام سے الگ درسگاہ بھی شروع ہوئی تھی۔آجکل جامعہ احمدیہ جونیئر اور جامعہ احمدیہ سینیئر کے نام سے یہ درسگاہیں مشہور ہیں اوران کی شاخیں دنیا بھر میں پھیل چکی ہیں۔

جامعہ احمدیہ میں ہمارے بزرگ اساتذہ میں حضرت مولوی ظہور حسین صاحبؓ مجاہد بخارہ،حضرت قاضی محمد نذیر صاحب،حضرت قریشی محمد نذیر صاحب ،حضرت مولوی عطاء الرحمان صاحب،حضرت مولٰنا ابوالحسن قدسی صاحب،حضرت ماسٹر غلام حیدر صاحب،حضرت مولوی شہزادہ خان صاحب شامل تھے۔حضرت مولٰنا ابو العطاء صاحب جامعہ کے پرنسپل تھے۔جامعۃ المبشرین کے ادارہ میں پہلے کوئی پرنسپل نہیں تھے۔حضرت مصلح موعودؓ مختلف اساتذہ کو تین ماہ کے لئے 'سیکرٹری جامعہ' کے نام سے مقرر فرماتے تھے جو پرنسپل کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

جامعہ المبشرین کے پہلے باقاعدہ پرنسپل حضرت مولٰنا ابوالعطا صاحب مقرر ہوئے تھے اور اتفاق سے یہ وہی سال تھا جب خاکسار مولوی فاضل کرنے اور جامعہ احمدیہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ المبشرین میں داخل ہؤا۔گویا خاکسار جامعہ احمدیہ میں تھا تو وہاں استاد محترم مولٰنا ابولعطا صاحب پرنسپل تھے اور جب جامعہ المبشرین میں داخل ہؤا تو وہاں بھی استاد مرحوم کی محبت،شفقت اور تربیت سے استفادہ کا موقع ملا۔الحمدللہ۔

خاکسار ان فضلوں کو یاد کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات خاکسار کو حاصل

ہوئے تھے تو اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان صحابہ کا ذکر ہو جن کی بکثرت زیارت ہوتی تھی۔

یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ خاکسار کے والد محترم کی دکان مسجد مبارک کی سیڑھیوں سے چند قدم کے فاصلہ پر اس مرکزی جگہ پر تھی جسے احمدیہ چوک کہا جاتا ہے۔ اس طرح وہاں پر سلسلہ کے اکابرین اور نمازیوں کا قریباً ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ باقاعدہ وہاں سے مسجد مبارک جاتے ہوئے نظر آتے۔ بالکل سامنے حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحبؓ ہوتے تھے۔ ان کے مکان کے پہلو سے جو گلی نکلتی تھی اس میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ہوتے تھے۔ بالکل پڑوس میں ایک طرف حضرت مرزا مہتاب بیگ صاحبؓ کا درزی خانہ تھا۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحبؓ کی رہائش بھی وہاں پاس ہی تھی۔ بالکل نزدیک ہی حضرت مولوی قطب الدین صاحبؓ کا دواخانہ تھا۔ غالباً یہی وہ مطب تھا جہاں حضرت مولٰنا نورالدینؓ پریکٹس کیا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کے مکان بھی اس کے پہلو میں تھے۔ ہماری دکان کے ساتھ ایک بہت بزرگ انسان حضرت مولوی غلام رسول افغان صاحبؓ کی دکان تھی۔ ان کی دودھ دہی کی دکان تھی مگر وہ ہمہ وقت بڑے سائز کا قرآن مجید کھولے ہوئے تلاوت میں مصروف نظر آتے تھے۔ بھائی شیر محمد صاحب، حضرت احمد دین صاحب ڈنگویؓ بھی وہاں پاس پاس ہی تھے۔ مولوی محمد یامین صاحب تاجر کتب کی دکان بھی اسی چوک میں تھی۔ حضرت پیر منظور احمد صاحبؓ موجد قاعدہ یسرنا القرآن بھی اسی جگہ رہتے تھے۔ حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ اور حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی زیارت تو خاکسار کو یاد نہیں مگر ان کی رہائش بھی تو اسی چوک میں تھی۔ خاکسار جس دکان کا ذکر کر رہا ہے، یہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی شہر والی رہائش گاہ کا ایک حصہ

تھی اور ''الدار'' سے ملی ہوئی تھی۔

جلسہ سالانہ کے دنوں میں یہ چوک مسجد مبارک کا حصہ بن جایا کرتی تھی اور نمازیوں کی صفیں اس چوک سے نکل کر دور دور تک چلی جایا کرتی تھیں اور جلسہ کے درمیانی وقفوں کے دوران اور صبح اور شام تو یوں لگتا تھا کہ جلسہ یہاں ہو رہا ہے۔اس جگہ رونق تو قابل ذکر تھی مگر احمدی بھائیوں اور بزرگوں کی باہم ملاقاتیں ایک اور ہی دنیا میں لے جاتی تھیں۔یہ یادیں تو ایسا لگتا ہے کہ لامتناہی اور ختم نہ ہونے والی ہیں۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایّام تو

اے کاش! ان بزرگوں سے اور بہت کچھ سیکھ لیا جاتا۔اے کاش ان مقدس مقامات سے کچھ نیکی اور بزرگی حاصل کر لی ہوتی۔اب تو حضرت عمرؓ کی دعا: اللھم لا لی و لا علی ہی یاد آتی ہے (اے اللہ حساب برابر کر کے بخشش کا سلوک فرما) آمین۔یہ بزرگ اساتذہ اور کرم فرما بھی جنت الفردوس میں حضرت امام مہدیؑ اور آنحضرت ﷺ کی معیت وقرب سے سرفراز ہوں۔آمین۔

○○

میرا قادیان

برادرم پرویز پروازی صاحب کا ایک مضمون ''قادیان میں بزرگوں اور رفقاء مسیح موعودؑ کی کہکشاں'' کے نام سے شائع ہوا ہے (الفضل ربوہ 4.07.15) محترم پروازی صاحب خوب لکھتے ہیں اور جب ان کی تحریر میں قادیان کی پرانی یادوں کا ذکر ہو تو دلچسپی اور افادیت میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ مضمون کے شروع میں مجیب الرحمان صاحب (ایڈووکیٹ) کی حیرت کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہم قادیان کے محلہ دار ہیں اور عمروں میں بھی ایک دو برس کا تفادت ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ تمہیں قادیان کے جن بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور متمتع ہونے کا موقع ملا مجھے وہ نصیب نہیں ہوا۔''

یہ مضمون پڑھتے ہوئے خاکسار کو بھی ایک ایسا ہی پرانا واقعہ یاد آیا۔ بہت سالوں کی بات ہے قادیان کے ایک جلسہ سالانہ پر حسن اتفاق سے بزرگ استاد حضرت مولنا محمد احمد جلیل صاحب (محترم پروازی صاحب کے خسر) کی رفاقت میسر آئی۔ مولنا صاحب

اپنے تبحر علمی اور سلسلہ کی خدمات کے علاوہ عمر میں بھی بہت سینیئر تھے۔ قادیان کی گلیوں میں گھومتے ہوئے میں اپنی معلومات کے مطابق ان کو ساتھ ساتھ بتاتا جارہا تھا کہ یہ فلاں صاحب کا گھر ہوتا تھا، یہ راستہ کدھر جاتا ہے وغیرہ۔ تھوڑی دیر تو محترم مجھے برداشت کرتے رہے پھر ایک جگہ رک کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگے کہ:

''جمعہ جمعہ آٹھ دن تمہاری عمر ہے اور تم مجھے قادیان کی ایسی باتیں بتارہے ہو جو مجھے بھی معلوم نہیں....''

خاکسار نے عرض کیا کہ اس کی وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ آپ باہر محلے میں رہتے تھے اور مجھے شہر کے مرکز میں رہنے کا موقع ملا۔ اسی طرح یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ محترم والد صاحب کو درویشی کی سعادت حاصل ہوئی اور خاکسار پاکستان سے متعدد دفعہ یہاں آنے کی توفیق پارہا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور دلچسپ یاد پیش کرتا ہوں۔ خاکسار قادیان گیا ہوٗا تھا۔ ایک عزیز کے ہمراہ تعلیم الاسلام کالج، مسجد نور وغیرہ سے آگے حضرت نواب محمد علی صاحبؓ کا بنگلہ دیکھ کر واپس آرہا تھا۔ ہائی سکول کے قریب پیچھے سے ایک تانگہ ہمارے پاس آکر رک گیا۔ اس میں محترم مولٰنا جلیل صاحب کے چھوٹے بھائی لطیف صاحب اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ پوچھنے لگے کہ آپ اپنا مکان اور دکانیں دیکھ آئے ہیں؟ ہم اس جگہ کے قریب ہی تھے۔ میں نے انہیں واپس جاکر ان کی مطلوبہ جگہ دکھائی تو وہ کہنے لگے کہ میں اپنے گھر والوں کو اپنا مکان دکھانا چاہتا تھا مگر میں اسے تلاش نہیں کرسکا، تاہم آپ کے ہاں سے مجھے اپنے گھر کا راستہ بخوبی یاد ہے اور اب یہاں سے میں بآسانی اپنے گھر پہنچ سکوں گا۔

ایک اور دلچسپ واقعہ یاد آگیا۔ قادیان کے بہشتی مقبرہ سے دعا کرکے صبح کے وقت مسجد

مبارک کی طرف آ رہے تھے۔ پیچھے سے ایک محترمہ کی آواز آ رہی تھی جو غالباً اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کسی قدر بلند آواز سے اپنے خاوند کو بتا رہی تھیں کہ اور سب ملاقاتیں اور زیارتیں تو ہوگئی ہیں، محترم فرزند علی خان صاحب کا مکان نہیں ملا، وہاں بھی جانا تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ محترمہ حضرت خان صاحب کی نواسی ہیں۔ خاکسار نے ان کو بھی وہ گھر دکھایا۔

خوبصورت کہکشاں کے جن ستاروں کا محترم پروازی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ اس خاکسار کو بھی ان کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ اور حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے مکان پہلو بہ پہلو تھے۔ حضرت میر صاحب کے زیر علاج رہنے کی وجہ سے ان کے پیار سے خوب حصہ لیا۔ حضرت مولوی صاحب کی ایک بیٹی ہمارے محلہ کی لجنہ کی صدر تھیں اس لئے ان کے ہاں اکثر جانے کا موقع ملتا تھا۔ حضرت مولوی صاحب کے پاس بیٹھ کر ان کے ہاں کی لسی پینے کا بھی موقع ملتا رہا۔

ابا جان کی دکان مسجد مبارک کے نیچے احمدیہ چوک کے ایک نکڑ پر تھی۔ اسطرح مسجد کے نمازیوں، مدرسہ احمدیہ کے طلباء، دارالشیوخ کے لڑکوں، مرکزی دفاتر کے ناظر صاحبان اور کارکنوں کو روزانہ ہی دیکھنے اور ملنے کی سعادت حاصل ہوتی۔ جن دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے وہ تو ابا جان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور جاتے آتے ایک آدھ مزے کا فقرہ کہتے ہوئے گزر جاتے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ بہت کم گو تھے وہ آہستہ آواز میں کچھ لفظ بولتے اور کچھ اشارہ کرتے ہوئے گزر جاتے۔ ابا جان بتاتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب کھاری بوتل برف میں لگانے کے لئے کہہ کر گئے ہیں۔ کھاری بوتل سوڈا واٹر کی وہ بوتل ہوتی تھی جس میں میٹھا اور ایسنس نہیں ہوتا تھا اور جو ہاضمہ کے لئے اچھی سمجھی جاتی تھی۔ حضرت مولوی صاحب اس میں برف ڈال کر پینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کے لئے بوتل

برف کے ساتھ رکھ دی جاتی تھی جو وہ نماز کے بعد واپسی پر پیتے تھے۔

ابا جان کی دکان حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے شہر والے مکان کا ایک حصہ تھی۔ اس دکان کے پیچھے جو مکان تھا اس میں صدر انجمن احمدیہ کے سٹور تھے اور بالا خانے میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کی رہائش تھی۔ یہ ایک طرح سے ''الدار'' کا حصہ ہی تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب حضرت مصلح موعودؓ کے ذاتی معالج تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت لمبا عرصہ حضور اور خاندان کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

ہماری دکان کے پہلو میں حضرت حکیم قطب الدین صاحب کا مطب تھا۔ حکیم صاحب چٹائی پر بیٹھتے تھے۔ ان کی شہرت بہت اچھی تھی۔ دور دور سے لوگ علاج کے لئے آتے تھے مگر ہم بچوں پر کاسٹک پچ کی جو مصیبت ٹوٹتی تھی، وہ آج تک بھلائی نہیں جا سکی۔ ایک دوسری دکان غلام رسول افغان صاحب کی تھی۔ یہ بزرگ قادیان کے ایک نواحی گاؤں سے دو بڑی بڑی بالٹیوں میں خالص دودھ لیکر آتے تھے۔ دن بھر گاہک آتے اور دودھ لے جاتے تھے مگر خان صاحب کا طریق یہ تھا کہ میز پر ایک بڑے سائز کا قرآن مجید رکھا تھا۔ گاہک کو سودا دینے کے بعد ادھر ادھر کی کوئی زائد بات نہیں کرتے تھے۔ تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے اور 'دست بہ کار و دل بہ یار' کی تصویر بنے رہتے تھے۔

چند سو گز کے فاصلہ پر وہ چوک آجاتا تھا جس سے ایک گلی قادیان کی پرانی آبادی اور مسجد اقصیٰ کی طرف چلی جاتی تھی اور دوسری طرف قادیان کے نئے آباد ہونے والے محلہ دارالانوار کی طرف نکل جاتی تھی۔ اسی گلی میں حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کا مکان تھا۔ حضرت مولوی صاحب پانچوں نمازیں مسجد مبارک میں ادا کرتے تھے اور اس طرح ہم انہیں روزانہ وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ میں ایک

لمبا عصا ہوتا تھا۔ان کے ساتھ بالعموم ہمارے کمال یوسف صاحب اور رشید یوسف صاحب (حضرت مولوی صاحب کے نواسے) بھی نماز کے لئے جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔خاکسار کے دادا جان حضرت میاں فضل محمد صاحبؓ اور نانا جان حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ اسی طرح میرے تایا جان حضرت مولوی عبدالغفور صاحبؓ صحابہ کرام میں شامل تھے۔ ہماری دکان کے سامنے شمال کی طرف حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحبؓ کا مکان تھا۔ان کے پہلو میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی رہائش تھی۔ یہ کوئی چند سوگز کی گلی تھی مگر ہم روزانہ وہاں پر ان دو بزرگ صحابہ کے علاوہ حضرت بھائی شیر محمد صاحبؓ کو دیکھتے تھے جن کی وہاں دکان تھی ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کو مدرسہ احمدیہ یا دارالشیوخ سے مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے تھے۔اسی گلی میں ایک عمارت درزی خانہ کہلاتی تھی۔ حضرت مرزا مہتاب بیگ صاحبؓ صحابی وہاں رونق افروز ہوتے تھے۔درزی خانہ کے ساتھ ایک تنگ گلی بہشتی مقبرہ کی طرف جاتی تھی اس گلی میں حضرت قاضی ظہورالدین اکمل صاحبؓ کا مکان تھا۔ حضرت قاضی صاحبؓ اپنے گھر سے کم ہی باہر آتے تھے۔تاہم ان سے استفادہ کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔اسی گلی سے آگے جا کر حضرت مولوی فرزند علی خان صاحب کا مکان تھا۔ یہ بزرگ جماعت کے پرانے خادم تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ ان کے کام کی اکثر تعریف فرماتے۔ جماعت کے مالی نظام کا ابتدائی ڈھانچہ انہوں نے تیار کیا تھا اور لمبا عرصہ بطور ناظر بیت المال خدمت بجالاتے رہے۔آپ کو لندن میں بطور امام مسجد لندن خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر کمیٹی کے زمانہ میں قیام پاکستان اور آزادیٔ کشمیر کے لئے کام کرنے کی بھی توفیق ملی۔

اور کئی نام ذہن میں آ رہے ہیں۔ کئی نام بھول چکے ہونگے تاہم یہ چھوٹی سی سڑک دن

بھر حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ اور دوسرے بزرگوں کی گزرگاہ بنی رہتی ۔ مدرسہ احمدیہ اور حضرت مسیح موعودؑ کا لنگر بھی اسی جگہ پر تھا۔ مسجد مبارک کے نیچے اور مسجد اقصیٰ کی طرف جانے والی گلی میں جماعت کے دفاتر تھے اور خدا کی حفاظت کے وعدوں کا چمکتا ہوا نشان ''الدار'' بھی تو اسی جگہ پر ہے۔ مخالفت کی آندھیوں اور تقسیم ملک کے اندوہناک حادثہ کے باوجود آج بھی وہاں سے اعلاء کلمہ اسلام کا عظیم جہاد برابر جاری اور روز افزوں ہے۔ یہ یادیں ہمیشہ تازہ رہتی ہیں جن کا کماحقہٗ احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

○○

بہائیت اور اسلام

تیرھویں صدی ہجری میں ایران میں ایک عجیب وغریب تحریک پیدا ہوئی جس کی بنیاد محض اوہام باطلہ پر تھی نہ کسی الہامی کتاب پر۔اس جدید خیال کے متبعین کو بابی یا بہائی کے نام سے پکارا جاتا ہے چونکہ اس جدید خیال کو پیش کرنے والے مسلمانوں کے فرقہ شیعہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے عوام الناس اس تحریک کو مسلمانوں کا ایک نیا فرقہ سمجھتے رہے۔ حالانکہ بہائیت کو اسلام سے دور کی بھی نسبت نہیں۔

اسلام میں ایک وراء الوریٰ لطیف ہستی کو خدا اور معبود سمجھا جاتا ہے جو اس کارخانۂ عالم کا خالق ہے۔اور جس کی قدرتیں اور طاقتیں غیر محدود ہیں۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ غرض کہ مسلمانوں کا خدا وہ عظیم الشان ہستی ہے جو جمیع صفات کاملہ سے متصف ہے۔لیکن بہائیوں کے نزدیک ایک ضعیف اور کمزور انسان میرزا حسین علی الملقب بہ بہاء اللہ جس کو تمام بشری کمزوریاں لاحق تھیں خدا تھا۔ چنانچہ رسالہ ’’طرازات‘‘ میں مرزا حسین علی نے خود اپنی نسبت لکھا ہے۔ انی انا اللہ لا الہ الاانا المہیمین القیوم اس ایک امر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ بہائیت کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں۔اس کے علاوہ اور بھی

کئی امور سے بہائیت کا اسلام سے قطعی جدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بہائیوں کے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو لیجئے۔

بہائیوں کی نماز

قرآن مجید میں حکم ہے فول وجهك شطرالمسجد الحرام کہ بوقت نماز مسجد حرام کی طرف منہ کیا جائے لیکن اس کے بالکل برعکس بہائیوں کی شرعی کتاب اقدس میں حکم ہے:

از اردتم الصلوة فولو اوجوهكم منظری الاقدس مقام القدس۔

یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرو تو میری جانب رُخ کرو۔ (یعنی مرزا حسین علی کی طرف) اور اپنے مرنے کے بعد اپنی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے

”قبلہ ما اہل بہا روضہ مبارک است در مدینہ نکا کہ در وقت نماز خواندنی بائدرو بروضہ مبارک ہا سیقم۔“

(دروس الدیانت درس صفحہ 19)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبلہ اہل بہا مرزا حسین علی کی قبر ہے۔ اور اس میں صریح غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے کہ مذکورہ قبر شہر نکا میں ہے۔ (حالانکہ یہ قیر عکہ نامی ایک قصبہ میں ہے) نماز کے متعلق بہائیوں کو حکم ہے کہ قدکتب علیکم الصلوة تسع رکعات“ کہ تم پر صرف 9 رکعت نماز فرض ہے۔ جو اسلام حکم کے سراسر خلاف ہے۔ بہا اللہ نے شریعت اسلامی کے خلاف شرعی احکام ایجاد کیئے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی نماز میں اسلامی نماز کے ارکان والفاظ کی بجائے بہاء اللہ کے بیان کردہ طریق اور دُعائیں ہیں۔

بہائیوں کے روزے

روزوں کے متعلق بھی بہاء اللہ نے سراسر خلافِ اسلام احکام جاری کئے ہیں۔ چنانچہ بجائے ماہ رمضان کے 29 یا 30 دن روزہ رکھنے کے بہائی شریعت کی رو سے صرف ماہ علاء (تقویم بہائی) کے 19 روزے ہیں۔ جیسا کہ دربارہ احکام میں لکھا ہے کہ:

"قد کتبنا علیکم الصوم تسعة عشریوما"

مندرجہ بالا تبدیلی کے علاوہ ایک اور زبردست اختلاف دربارہ احکام روزہ یہ ہے کہ بجائے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کے طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک روزہ رکھا جائے چنانچہ "اقدس" میں ہے کہ:

"کفرا انفسکم عن الی الفروب من الطلوع الی الاقول"

روزوں کے احکام میں بھی نماز کی طرح مریض مسافر حائضہ کو روزے بالکل معاف ہو جاتے ہیں (حالانکہ اسلامی حکم عذر دور ہونے پر فوت شدہ روزے پورے کرنے کا ہے) کتاب "اقدس" میں احکامات روزہ کے ضمن میں ہے کہ "لیس علی المسافر والمریض" روزوں کے متعلق مندرجہ بالا بہائی احکامات سے بدرجہ اتم معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت بہائیہ شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے۔

بہائیوں کا حج کعبہ

بہائیوں کو حج کعبہ کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اس کے برعکس علی محمد باب اور میرزا حسین علی کے مکانات کا طواف ہی حج ہے۔ اس امر کے ثبوت کیلئے بہائیوں کے کتب میں متعدد حوالہ

جات ملتے ہیں جن میں ایک یہ ہے:

''محل طواف و حج اہل بہا یکے بیت نقطہ اولیٰ (علی محمد باب ناقل) درشیراز است و ثانی این بیت جمال الٰہی (میرزا حسین علی ناقل) در بغداد است۔''

(الکواکب ماثر البہائیہ صفحہ 358)

حج کے احکامات میں بھی عورتوں سے بلاوجہ غیر معمولی نرمی برتی گئی ہے۔ اور ان کو مندرجہ بالا مقامات کا حج وطواف معاف ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

'' قد حکم اللہ لمن استطاع منکم حج البیت دون النساء عفاء اللہ عنھن ۔''

(اقدس)

بہائیوں کی زکوٰۃ

زکوٰۃ کے متعلق بہائیوں کے مبہم اور غیر واضح احکام ملتے ہیں۔ بہاء اللہ نے زکوٰۃ کو فرض تو قرار دیا ہے اور اس کی ادائیگی کا بھی حکم دیا ہے لیکن اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں کیا۔ ہاں ''اقدس'' میں بہاء اللہ کا دعویٰ ہے کہ وہ زکوٰۃ کا نصاب کسی جگہ بیان کرے گا۔ نا معلوم بہاء اللہ کس وقت اور کس موقع کی انتظار میں تھا اور اس کو نصاب زکوٰۃ بیان کرنے میں کیا چیز مانع ہوئی بہرحال بہاء اللہ نے نصاب مقرر کرنے کا وعدہ کسی جگہ ایفا نہیں کیا۔ زکوٰۃ کے متعلق بہاء اللہ کا حکم مندرجہ ذیل ہے:

کتب علیکم تزکیة الاقوات وما دونھابالزکوۃ ھذا ماحکم بہ منزل

الا یات فی ھذا الرق المنیع سوف ننصل لکم نصابھا۔‘‘

(اقدس)

ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میرزا حسین علی کی زندگی میں زکوٰۃ کی وصولی کا حق ان کو حاصل تھا اور اس کے بعد اس کی اولاد کو۔لیکن اگر ان کی اولاد نہ ہو تو زکوٰۃ ’’بیت العدل‘‘ کو ادا کی جائے۔

’’بیت العدل‘‘ کے وصولی زکوۃ کے علاوہ اور بھی بہت سے کام بیان کئے گئے ہیں لیکن آج تک ’’بیت العدل‘‘ قائم نہیں ہوسکا۔

مسلمانوں کے لئے ان کے فریب سے بچنے میں سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی رسوم کے نام اسلامی عبادات کے اسماء سے لئے ہیں۔حالانکہ ان ناموں کو اسلامی عبادات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔جیسا کہ مندرجہ بالا چند مثالوں سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔

ایک اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ بہائیوں نے اپنی شرعی کتب کو کسی جگہ بھی مشتہر اور عام نہیں کیا۔اس لئے بہائی بہاءاللہ کے حکم علیکم بالتقیۃ’’کہ بہائیوں پر تقیہ‘‘ واجب ہے، سے پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں اور بہائیوں کے مبلغ وداعی جس قسم کے لوگوں میں جاتے ہیں اپنے آپ کو ویسا ہی ظاہر کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں یہ لوگ مسلمان بن کر رہتے ہیں لیکن عیسائیوں میں عیسائی اور یہودیوں میں یہودی بن جانا ان کے لئے معمولی امر ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کسی ایسے بہائی کی کتاب کا مطالعہ کریں جو اپنی بدقسمتی سے مسلمانوں میں سے بہائی ہوا ہو تو یوں معلوم ہوگا کہ بہائیت اسلام کا چربہ ہے۔لیکن اگر کسی ایسے بہائی کی کتاب پڑھی جائے جو عیسائیوں میں

سے بہائی ہوا ہوتو بہائیت دینِ عیسوی کا چربہ اور نقل معلوم ہوتی ہے۔ مسیحیوں کے تثلیث و کفارہ قسم کے مسائل آپ کو ان کتابوں سے مل سکیں گے۔ اور جو شان مسیحی عیسیٰ علیہ السلام کی قرار دیتے ہیں وہی شان مرزا حسین علی کی بیان کی گئی ہوگی۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کسی وجہ سے ان کے قریب آجائیں حقیقت حال سے آگاہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو تقیہ کی آڑ میں رکھتے ہوئے دامِ بہائیت میں پھنسالیا جاتا ہے ورنہ تہذیب و تمدن کے اس دور میں کون ایسے عقائد مان سکتا ہے جس میں ایک شخص (جس کو تمام بشری کمزوریاں لاحق تھیں) کو سجدہ کرنا بھی شامل ہو۔

(روزنامہ الفضل۔14 فروری 1955)

○○

حقیقت صلیب

''یسوع مسیح'' کی تین مزعومہ خصوصیات اورانجیل

رسالہ مسیحی خادم ستمبر 1963ء میں ''حقیقت صلیب'' کےعنوان سے ایک مشہور مسیحی عالم کا مضمون شائع ہوا ہے جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

انجیل مقدس میں ہمارے خداوند یسوع مسیح کی تین امتیازی خصوصیات کا الہامی بیان پایا جاتا ہے یعنی:

''1۔آپ کی اعجازی پیدائش 2۔صلیبی موت

3۔اورآپ کا موت پر فتح پا کر تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھنا کلمۃ اللہ کے تجسم حقیقی کا مقصد صلیبی موت تھا اورآپ کا مردوں میں سے جی اٹھنا اس مقصد کی تکمیل تھا۔''

پہلی امتیازی الہامی خصوصیت بائبل کے بیان کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا ہی امتیاز نہیں ہے بلکہ اس خصوصیت میں حضرت آدم علیہ السلام مسیح علیہ السلام کے برابر کے شریک بلکہ بے ماں اور بے باپ ہونے کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور امتیازی شان رکھتے ہیں۔ مقالہ نگار کو آدم علیہ السلام کے متعلق بائبل کی اس تعلیم اور خصوصیت کا بہرحال علم

ہوگا۔ کیونکہ ایسے مشہور امر کا ان کی نگاہ سے اوجھل رہنا ناممکن ہے۔ مزید برآں انجیل تو ہمیں ایک اور ایسے شخص کا پتہ دیتی ہے جو مسیح علیہ السلام کی طرح صرف بے باپ ہی نہیں تھا بلکہ بے ماں بے باپ اور بے نسب نامہ تھا چنانچہ لکھا ہے کہ:

”یہ ملک صدق سالم کا بادشاہ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے جب ابراہام بادشاہوں کو قتل کر کے واپس آتا تھا تو اس نے اس کا استقبال کیا اور اس کے لئے برکت چاہی... یہ بے باپ اور بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کا مشابہ ٹھہرا۔“

(عبرانیوں:7/3-1)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کو اگر بے باپ پیدا ہونے کی وجہ سے ہی کوئی نمایاں امتیازی مقام مل سکتا ہے تو ملک صدق اس سے زیادہ مقام کا مالک اور افضل ہوگا کیونکہ وہ نہ صرف بے باپ بلکہ بے ماں بے نسب نامہ ہے، اور خود انجیل کے مطابق خدا کے بیٹے کے مشابہ بھی۔ پس پادری صاحب کی بیان کردہ اس الہامی امتیازی خصوصیت میں مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور افراد بھی شامل ہیں۔ اس لئے بہرصورت یہ مسیحؑ کا کوئی امتیاز نہ رہا۔

اس جگہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا محض بے باپ پیدا ہونا کوئی فضیلت اور فخر کی بات ہے۔ کیا بائبل میں کوئی ایسی واضح اور غیر مبہم تعلیم موجود ہے کہ بے باپ کے بیٹے کو ”ابن اللہ“ اور اقنوم ثانی تسلیم کیا جائے۔ بائبل میں محترمہ کنواری کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کا ذکر تو ضرور ہے لیکن اس کی کوئی غیر معمولی صفات بیان نہیں کی گئیں۔ پھر اس مخصوص کنواری کے بیٹے کی علامت تو یہ تھی کہ اس کا نام ”عمانوایل“ رکھے گی اور ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا نام آپ کی والدہ محترمہ نے ”عمانوایل“ نہیں رکھا تھا پھر اس جگہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس پیشگوئی

میں جس عبرانی لفظ کا ترجمہ 'کنواری' کیا گیا ہے اسی لفظ کا ترجمہ دوسرے مقامات پر 'نوجوان عورت' کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے بھی یہ پیشگوئی مبہم اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔اور یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ دنیا میں کسی ایسی کنواری کے بیٹے کا کوئی وجود نہیں جس کا نام اس نے 'عمانوایل'' رکھا ہو۔

دوسری الہامی خصوصیت اور امتیاز حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت بیان کی گئی ہے۔لیکن مذکورہ مضمون میں اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش تک نہیں کی گئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام واقعی صلیب پر فوت ہوئے تھے۔ جہاں تک محض اس مخصوص نوعیت کی مدت کا تعلق ہے یہ امتیاز تو ان دو چوروں کو بھی حاصل ہے۔ جو مسیحؑ کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے تھے جن کی صلیبی موت بہر حال مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت سے زیادہ یقینی اور واضح طور پر انجیل میں بیان ہوئی ہے۔ پھر یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام میں موجود بھی ہو تو خود بائبل کی تعلیم کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے تمام دعاوی باطل (نعوذ باللہ) ٹھہرتے ہیں کیونکہ اس قسم کی موت کو جھوٹوں اور ملعونوں کی خصوصیت بتائی گئی ہے نا کہ خدا تعالیٰ کے راست باز بندوں کی۔جیسا کہ استثناء 3 / 23 میں لکھا ہے:

''جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔بائبل کے مندرجہ بالا بیان کے مطابق یہ کوئی ایسی خصوصیت نہیں جسے فخر سے پیش کیا جائے ۔اسے بیان کرنے اور ظاہر کرنے سے تو اس کا چھپانا زیادہ بہتر ہے۔''

مقالہ نگار نے بائبل سے ناواقفی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''صلیب دینے والے اور بھی حاکم تھے نہ کہ یہود''

''صلیبی موت سے متعلقہ بیانات تو پادری صاحبان کو دکھائی دیتے ہیں تعجب ہے کہ

انہیں یہ کیوں نہ یاد رہا کہ انجیل تو یہ بتاتی ہے کہ رومی حاکم پیلاطوس ہر موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بچانے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن یہودی فریسی اور کاہن اس کی کوئی پیش نہ جانے دیتے تھے جس پر بالآخر تنگ آ کر ”اس نے اس کو ان کے حوالہ کیا تا کہ مصلوب کیا جائے۔“ (یوحنا19/16)

پھر لکھا ہے:

”مگر وہ یہودی چلا چلا کر سر ہوتے رہے کہ اسے صلیب دی جائے اور ان کا چلانا کارگر ہوا۔“

(لوقا:23/24)

اس مقام پر بھی یہودیوں کو ہی واقعہ صلیب کا محرک اور سبب قرار دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ متی 24-27/25 میں لکھا ہے کہ:

”جب پیلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا ہے اور اُلٹا بلوہ ہوتا جاتا ہے تو پانی لیکر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔تم جانو۔سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر“

اس جگہ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب دیئے جانے کی ساری ذمہ داری اور گناہ اپنے سر لے رہے ہیں لیکن پادری صاحب محض قرآن مجید کی مخالفت اور حق پوشی کی غرض سے یہودیوں کے وکیل بن کر ان کے سر سے گناہ کی ذمہ داری کو دور کرنے کے درپے ہیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ اگر واقعی طور پر یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب دینے سے بری الذمہ تھے تو صدیوں سے یہود دشمنی کی وجہ کیا ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت کا تعلق ہے اوراسے الہامی امتیاز بتایا گیا ہے اس سلسلہ میں یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ یہ بھی کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے بلکہ خود انجیل سے یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اُتار لئے گئے تھے ورنہ کیا وجہ ہے کہ:

1۔حضرت مسیح علیہ السلام کی ہڈیاں نہ توڑی گئیں جبکہ دونوں چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔

2۔خود حاکم نے اتنی جلدی مرنے کی خبر پر تعجب اور حیرانی کا اظہار کیا۔

3۔حضرت مسیح علیہ السلام کے جسد مبارک سے واقعہ صلیب کے بعد خون بہہ نکلا۔

4۔حضرت مسیح علیہ السلام نے مختلف لوگوں سے ملاقات کی اور یہ شک ہونے پر کہ آپ جسمانی طور پر زندہ نہیں ہیں اپنے زخموں کے نشان دکھائے اور کھانا کھایا۔اور ان امور کو پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی۔ یہ اوراس قسم کے متعدد دوسرے انجیلی اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ صلیب سے اُترنے کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام زندہ تھے۔اور بعد میں لوگوں سے ملاقات کرتے اور اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف رہے۔

جب یہ دوسرا مزعومہ الہامی امتیاز ہی آپ میں ثابت اور متحقق نہیں ہے تو تیسرے امتیاز کو ثابت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت کی اصلیت اور حقیقت بیان کر کے مسیحی ایمان کی بنیاد پر کاری ضرب لگائی ہے اس لئے پادری صاحبان نے جو اپنے بعض شکوک اور عبارتوں کے بظاہر اختلاف درج کئے ہیں۔ان کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد بہت کافی ہے کہ:

''خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور مخالفوں کو ذلیل کرنے کیلئے اور اس راقم کی سچائی ظاہر کرنے کیلئے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ جو سری نگر محلہ خانیار میں یوز آسف کے نام سے قبر موجود ہے وہ درحقیقت بلا شک و شبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔'' (رازِ حقیقت روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۱۷۵)

اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ واقعہ صلیب کے متعلق انجیل نویس انتہائی تذبذب اور شک وشبہ کے عالم میں پڑے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی دو انجیل نویس بھی مسیح علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے صلیب پر رہنے اور پھر زیر زمین رہنے کے تفصیلی بیان میں آپس میں متفق نہیں ہیں۔ اور اس اضطراب اور شک کی وجہ سے انجیل نویسوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے اکلوتے موعود نشان یعنی یونس نبی کی طرح زندہ زمین میں تین دن اور تین رات رہنے اور پھر زندہ ہی باہر آنے کو مشکوک کر دیا ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ۔

ایک نا قابل تردید صداقت اور اصل حقیقت ہے جس کی خود انجیل موید و مصدق ہے۔ اس حقیقت سے اگر مسیحی ایمان پر کاری ضرب بقول پادری صاحب لگتی ہے تو اسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ حقائق خواہ کتنے ہی تلخ ہوں ان کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے اور سعادتمندی و برکت ان کے ماننے میں ہی ہوتی ہے۔

(روزنامہ الفضل۔28 ستمبر 1963)

○○

''ہوں بندہ مگر میں خدا چاہتا ہوں''

انسانی پیدائش کا مقصد خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کا حصول ہے۔سلسلہ احمدیہ کے قیام کی بھی یہی غرض ہے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کیلئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کو پھیلا دے۔''

(روحانی خزائن جلد 3۔ازالہ اوہام صفحہ 562)

سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہونے کے شرائط میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ:

''ہر حال رنج و راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلاء میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضاء ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کیلئے اس کی راہ میں تیار رہے گا۔''

(اشتہار تکمیل تبلیغ 12 جنوری 1889ء)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ ایک دوست کو جو اپنی فطری سعادت کی وجہ سے جماعت میں شمولیت کی سعادت حاصل کر رہے تھے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تقویٰ اللہ کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سب دکھوں اور تکلیفوں اور جسمانی و روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔"

اس بنیادی مقصد کے حصول کی تلقین کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جماعت قائم کی۔ خدا کے بندوں کو اس کی طرف بلایا اور جمع کیا تا وہ اللہ تعالیٰ کے خدمت گزار بندے بن جائیں۔ ہم لوگ بھی اس کی جماعت میں اسی لئے داخل ہوئے ہیں کہ ہم خدا کے خدمت گزار بندوں میں شامل ہوں۔ لیکن اس خدمت گزاری کیلئے کچھ شرائط ہیں۔ اگر وہ شرائط پوری نہ کی جائیں اور ان پر نہ چلا جائے تو پھر صرف خدمت گزار کہلانے سے تو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوگا۔ جب تک ان شرائط کو پورا نہ کیا جائے تب تک ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھو سکول میں داخل ہونے سے ایک شخص طالب علم تو کہلا سکے گا لیکن اگر وہ داخل ہونے کی غرض کو مدنظر نہ رکھے گا اور علم کے حصول کی کوشش نہ کرے گا تو اسے صرف طالب علم کہلانے سے اور سکول میں داخل ہو جانے سے علم نہیں حاصل ہو جائے گا اور نہ وہ عالم کہلائے گا۔ بہت سے لڑکے ہوتے ہیں جو کہلاتے تو طالب علم ہیں لیکن سارا وقت بجائے علم کے حصول کے جہالت کے حصول میں خرچ کر دیتے ہیں۔ کیا وہ صرف طالب علم کہلانے یا سکول میں داخل ہونے سے عالم کہلانے کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی ایک مدرسہ میں داخل

ہوئے ہیں جس میں داخل ہونے کی غرض محض یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خدمت گزار غلام بن جائیں اور اس کا قرب حاصل ہو۔ مگر صرف اس مدرسہ میں ہمارا داخل ہونا ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ جب تک ہماری کوششیں اس غرض کے حصول کیلئے انتہائی نقطہ پر نہ پہنچ جائیں اور جب تک ہم پورے طور پر جدوجہد نہ کریں تب تک ہم سچے طور پر خدا کے غلام کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔''

(الفضل 22 فروری 1927ء)

خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے فوائد و ثمرات بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کے لوگوں کو اپنے اندر روحانی دروازے اور کھڑکیاں کھولنی چاہئیں تا ان کے ظاہر کے ساتھ باطن مل جائے اور جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو ایسا انسان ہر چیز پر غالب آجاتا ہے اور کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو جاتا ہے اور یہی وہ اصل روحانی مقام ہے جس کیلئے ہر مومن کو کوشش کرنی چاہئے اور جب تک یہ حالت پیدا نہ ہو ایمان کامل نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنے آپ کو احمدیت کا عمدہ پھل بنانا چاہئے۔''

(الفضل 17 جون 1946ء)

جماعت کی روحانی ترقی کیلئے محبت الٰہی کے حصول کی طرف نہایت دردمندی سے توجہ دلاتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مجھے تمہاری حالتوں کو دیکھ کر جنون کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ ایک چھوٹا بچہ جنگل میں اپنی ماں سے جدا نہیں ہوتا۔ میں بھی تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس خدا سے جو ماں سے بھی زیادہ محبت کرنے والا ہے تم جدا نہ ہو۔ میں نے آدھی دنیا کا

سفر کیا ہے اور پھر دیکھا ہے کہ ہر جگہ تمہاری مخالفت ہو رہی ہے۔ نہ کسی ملک میں تمہاری جانیں محفوظ ہیں نہ تمہارے مال محفوظ ہیں۔ کوئی چیز تمہاری حفاظت اور پناہ کا موجب نہیں ہو سکتی۔ صرف ایک ہی دروازہ ہے جہاں تم کو پناہ مل سکتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی گود ہے جو ماں باپ سے بھی زیادہ حفاظت کی جگہ ہے۔ میں اپنے جسم کو طاقتوں سے خالی پاتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر تم میری اس نصیحت کو مانو گے تو ہر ایک زمانہ میں اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا۔ لڑائیوں، جھگڑوں کو چھوڑ دو۔ اپنے معاملات کو درست کرو۔ دنیا کی کسی چیز کو اپنا خدا نہ بناؤ۔ آج دنیا میں کسی جگہ بھی حقیقی پرستش خدا تعالیٰ کی نہیں ہو رہی۔ پس تم بھی اپنی سستیوں اور غفلتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کے عذابوں کا مستحق نہ بناؤ۔ جس خدمت کو تم نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے اس کو پوری توجہ سے سرانجام دو۔"

(الفضل 20 دسمبر 1922ء)

راضی رہو خدا کی قضا پر ہمیش تم
لب پہ نہ آئے حرف شکایت خدا کرے

تم ہو خدا کے ساتھ، خدا ہو تمہارے ساتھ
ہوں تم سے ایسے وقت میں رخصت خدا کرے

(الفضل انٹرنیشنل 28 مئی 2004ء)

○○

’’تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب‘‘

پاکستان میں ظلم وستم کی تاریخ میں ایک بھیانک باب کا اضافہ کرتے ہوئے مسلم کی معروف ومستند تعریف کو نظر انداز کرتے ہوئے، خودساختہ تعریف ومعیار بناتے ہوئے اور احمدیوں کی طرف غلط عقائد منسوب کرتے ہوئے، ایک خالصۃً مذہبی مسئلہ کو مذہبی طریق پر حل کرنے کی بجائے ایک سیاسی طریق اختیار کرتے ہوئے ایسے لوگوں کے سامنے پیش کرکے جو کسی طرح بھی فتویٰ دینے کے اہل نہیں تھے، احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔

اس ظالمانہ کارروائی میں احمدیوں کو نقصان تو ضرور پہنچا ان کی جانیں تلف کی گئیں، ان کے اموال تباہ کئے گئے، ان کی تجارتوں اور ملازمتوں کو نقصان پہنچا، ان کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرکے ان سے دوسرے بلکہ تیسرے درجہ کے شہریوں کا سا سلوک کیا گیا اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ہم احمدی یہ معاملہ خداتعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اوران مظالم کو سہتے ہوئے دنیا بھر میں تبلیغ واشاعت اسلام کے فریضہ کی ادائیگی میں لگے رہے۔مگر پاکستان عمل اورردّعمل کے قدرتی چکر میں ظلم وستم کے شیطانی عمل میں پھنس گیا۔امن وامان اورانصاف و

سکون نام کی ہر چیز روبہ انحطاط ہوتی چلی گئی۔ مسجدیں اور امام بارگاہیں نمازیوں کے خون سے رنگین ہونے لگیں۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستان ''دہشت گردی'' کے لئے مشہور و بدنام ہو گیا اور ہر بدنام زمانہ مفرور ''دہشت گرد'' پاکستان سے ملنے لگا۔

روزنامہ جنگ کی مندرجہ ذیل خبر اس لحاظ سے بہت اہم ہے اس میں غیر ذمہ دار مفتیوں اور غلط فتووں کے نقصان کا ذکر ہے اور اسی طرح مسلمان کی وہ سادہ مگر مکمل تعریف بھی موجود ہے جو خود بانی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ ظلم و ستم کی نحوست سے نجات پانے کے لئے صحیح سمت کی طرف یہ پہلا قدم ہے۔ خدا کرے غیر ذمہ دار مفتیوں کے سراسر غلط فتاویٰ اور ان کے نتیجہ میں پاکستان کو پہنچنے والے ناقابل تلافی نقصان کو کم کرنے کی کوشش میں کامیابی ہو اور پاکستان کامیابی و ترقی کے راستہ پر گامزن ہو:

''اتحاد العلماء کے زیر اہتمام گزشتہ روز برمنگھم کی مرکزی مسجد میں جہاد، بنیاد پرستی اور فتاویٰ کے حوالے سے ایک اہم اجلاس ہوا۔ اجلاس میں جمعیت اہلحدیث برطانیہ، یوکے اسلامک مشن، جمعیت علماء برطانیہ، کنفیڈریشن آف سنّی مساجد، دعوۃ الاسلام، نارتھ انگلینڈ مساجد کونسل، مسلم کونسل آف برٹن، ریجنٹ پارک لندن، مجلس ختم نبوت، معارف امام شیعہ کمیونٹی، مسلم یونائیٹڈ، برسٹل کے نمائندہ اور نامور علماء نے بھرپور شرکت کی۔ اجلاس کی صدارت معروف عالم دین مولانا عبدالہادی العمری نے کی۔ اجلاس میں مسلمانوں کے اندر بڑھتی ہوئی انتہاء پسندی اور مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزامات سمیت بعض عناصر کی جانب سے کافر اور مرتد کے فتووں پر تفصیلی غور کیا گیا۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اس وقت دنیا بھر میں اور خصوصاً مغربی ممالک میں مسلمان انتہائی نازک دور میں

سے گزر رہے ہیں۔جس کی مختلف وجوہات ہیں۔اجلاس میں اس بات پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا کہ بعض اصطلاحات کا ملکی اور بین الاقوامی میڈیا میں غلط استعمال کیا جارہا ہے جیسے جہاد،شہادت اور اسلامی دہشت پسندی وغیرہ حالانکہ جہاد ایک مقدس اصطلاح ہے۔نیز جہاد کا بنیادی مقصد ظلم وستم کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا نظام نافذ کرنا ہے جبکہ دہشت گردی ظلم وستم کو پروان چڑھاتی ہے۔ اجلاس میں حکومتی ذمہ داران کی وضاحت کی تعریف کی گئی جس میں انہوں نے ان اصطلاحات کی تدارک کا وعدہ کیا ہے آئندہ ''مسلم دہشت پسند'' یا ''مسلم بنیاد پرستی'' وغیرہ کلمات سے احتیاط برتی جائے گی۔اجلاس میں مسلم کمیونٹی کے بعض افراد میں انتہاء پسندی اور شدت پسندی کے رجحانات پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا اور اس کی وجوہات علم دین کی کمی سمیت معاشرہ میں ظلم کے نظام اور احساس محرومی کو ٹھہرایا گیا۔فتویٰ کے حوالے سے اجلاس میں کہا گیا فتویٰ دینا ایک اہم ذمہ داری ہے جس کا ہر شخص مجاز نہیں ہوسکتا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے صرف چند ہی صحابہ کو مختص کیا گیا تھا کہ یہی حضرات فتویٰ دینے کے مجاز ہوں گے۔مفتی کے لئے سخت شرائط ہیں۔اجلاس میں کہا گیا کہ غیر مجاز افراد کے فتویٰ کی کوئی قانونی یا اخلاقی حیثیت نہیں۔ اس کے لئے اہل مسلم کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔کسی بھی شخص کو جو خود کو مسلمان کہتا ہو اور شعائر اسلامی کا حتی الامکان پابند ہو کافر کہنا غلط ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

’’اپنے کسی بھائی کو کافر کہنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے اور مومن پر لعنت بھیجنا بھی اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔‘‘ (صحیح بخاری) اور فرمایا: ’’کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر قرار دے اور وہ واقعی کافر ہو تو ٹھیک ورنہ وہ خود ہی کافر ہوگا۔‘‘ (ابوداؤد)

امام غزالی نے فرمایا:

کسی کو کافر بنانے سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ توحید کا اقرار کرنے والے مسلمان کا خون سخت گناہ ہے۔ اور ایک ہزار کافروں کو چھوڑ دینا آسان ہے بہ نسبت ایک مسلمان کا خون ناحق بہانے سے۔ (فتح الباری)

اگر کوئی شخص ایمان کا احترام کرے اور پھر شعائر کی پابندی کرے تو وہ شخص مسلمان ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

’’جو ہماری طرح نماز ادا کرے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے اور اس کا ذمہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ہے۔‘‘

(بخاری)

آخر میں اجلاس میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ردّ عمل کی کیفیت اور ایسے بیانات اور تبصروں سے اجتناب کریں جس کو بنیاد بنا کر مختلف ادارے اپنے مخفی ایجنڈا کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ اگر کسی مسئلے میں کوئی نصیحت یا اصلاح کی ضرورت محسوس کی جائے تو اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصیحت اور اصلاح کا کام سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ جس سے اصلاح کا مقصد بھی حاصل

ہوجائے اور منفی اثرات سے بھی بچا جا سکے۔ مسلمان مقامی مسائل میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملکی ترقی میں بڑھ کر حصہ لیں۔"

(روزنامہ جنگ لندن۔18/مئی 2004ء)

احمدیوں کو اپنے ایمان واسلام کی تائید وتصدیق کے لئے نہ تو کسی فتویٰ کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی پرواہ۔ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت اور تائید ونصرت ہی ہمارے لئے کافی ہے۔

ہم تو رکھتے مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلینؐ

(الفضل انٹرنیشنل 25 جون 2004)

○○

’’گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے‘‘

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے کامیاب دورہ مغربی افریقہ میں ارض بلال کے خوش قسمت احمدیوں کو نصیحت فرمائی کہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ کروڑوں لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش خبریوں کو سمجھ کر ان پیشگوئیوں کے مصداق امام مہدی علیہ السلام کو شناخت کرنے اور اس پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی جو یقیناً ان کی طبعی سعادت وشرافت اور معاملہ فہمی کا ثبوت ہے۔ جبکہ لاکھوں مسلمان اس انتظار وخواہش میں ہی اس دنیا سے گزر گئے کہ وہ امام مہدیؑ کی زیارت و شناخت کر سکیں اور لاکھوں افراد امام مہدی کی شناخت سے محروم رہ جانے کی وجہ سے حق وصداقت پر ایمان لانے کی بجائے تمسخر واستہزاء کی اندھی وادیوں میں جا گرے۔

اسی طرح حضور انور ایدہ اللہ نے انہیں یہ یاد دہانی بھی کروائی کہ حق وصداقت کو جاننے اور ماننے یا اس عظیم انعام سے حصہ پانے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ہر احمدی میں ایک تبدیلی نظر آئے۔ ہر احمدی نیکی، تقویٰ، خداترسی اور راستبازی کی وجہ سے اپنے اعمال وکردار میں عام لوگوں سے مختلف نظر آئے۔ اسے دیکھنے والے، اس سے ملنے والے اس سے معاملہ کرنے

والے یہ محسوس کریں کہ ہم کسی عام آدمی سے معاملہ نہیں کر رہے بلکہ یہ تو کسی اور دنیا کا انسان ہے یہ تو کوئی اللہ والا انسان ہے جس کا دن خوف خدا سے بسر ہوتا ہے، جس کی راتیں تقویٰ سے گزرتی ہیں۔ جس کے تمام اعضاء وجوارح بلکہ حواس پر بھی خدا تعالیٰ کے منشاء ومشیت کی مہر ہوتی ہے اور وہ وہی کچھ دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ دیکھے اور وہ وہی کچھ سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے سنانا چاہتا ہے۔ غرضیکہ اس کا وجود خدا نما وجود بن جاتا ہے اور وہ عملی تفسیر بن جاتا ہے قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

(الانعام: ۱٦۲)

یعنی کہہ دو میری نمازیں، میری عبادتیں، میری زندگی اور میری موت سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی یہ نہایت قیمتی، مفید اور موثر نصیحت صرف خوش قسمت افریقن احمدیوں سے ہی تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس کا تعلق ہر احمدی سے ہے وہ دنیا کے کسی بھی علاقہ سے تعلق رکھتا ہو وہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتا ہو وہ کیسے بھی حالات میں سے گزر رہا ہو اس کی پہلی ترجیح لازماً یہی ہونی چاہیے کہ وہ احمدیت کے نور سے، احمدیت کی برکت سے، احمدیت کے انعام سے احمدیت کی صداقت سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق پانے والا ایک پرکشش کردار کا مالک ہونے کی وجہ سے ایسا داعی الی اللہ بن جائے گا جس کی دعوت وتبلیغ ازخود لوگوں کو صداقت وحسن کردار کی طرف مائل کرے گی۔ اسے اپنی بات منوانے اور سمجھانے کے لئے کسی بحث وگفتگو کی کم ہی ضرورت پیش آئے گی۔ کیونکہ اس کا مثالی کردار اسلام کی سچائی پر، احمدیت کی حقانیت پر قرآن مجید کی برتری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت پر منہ بولتا نشان اور ثبوت ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کے قیام کی غرض بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جاوے۔ تقویٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اور بیجا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصہ کا نقص اب تک موجود ہے۔ تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقّت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چُپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہئے کہ ابتداء میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے تو اس کے لئے دردِ دل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے اور دل میں کینہ کو ہرگز نہ بڑھاوے۔ جیسے دنیا کے قانون ہیں ویسے خدا کا بھی قانون ہے جب دنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب تک تبدیلی نہ ہوگی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم اور صبر اور عفو جو عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم اِن صفات حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے۔''

(ملفوظات جلد 8۔ صفحہ 127، 128۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

دل جو ہو خالی گدازِ عشق سے وہ دل ہے کیا
دل وہ ہے جس کو نہیں بے دلبرِ یکتا قرار

فقر کی منزل کا ہے اوّل قدم نفیٔ وجود
پس کرو اس نفس کو زیر و زبر از بہرِ یار

(الفضل انٹرنیشنل30 اپریل 2004ء)

○○

رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز!

حضرت عبداللہ خفیف رحمہ اللہ علیہ بزرگ اولیاء اللہ میں سے تھے۔آپ کے متعلق ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ آپ کے مریدوں میں دوافراد کا نام احمد تھالہٰذا دونوں میں امتیاز کی غرض سے ایک کواحمد کہ (چھوٹا احمد)اور دوسرے کواحمد مہ (بڑا احمد) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔لیکن آپ کواحمد کہ سے زیادہ رغبت تھی۔ جب کہ احمد مہ عبادت وریاضت میں احمد کہ سے کہیں زیادہ تھے۔اور یہ بات تمام مریدین کو ناگوار خاطر بھی تھی کہ آپ زیادہ عابدوزاہد سے محبت کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ نے مریدین کے احساسات کومحسوس کرتے ہوئے ایک اجتماع عام میں احمد کہ سے فرمایا کہ جا کر اونٹ کوچھت سے باندھ دو۔ لیکن اس نے عرض کیا کہ چھت پر اونٹ کیسے چڑھ سکتا ہے۔پھر جب آپ نے احمد مہ کو حکم دیا تو وہ آمادہ ہو گیا اور اونٹ کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اونٹ میں حرکت تک نہ ہوسکی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا ظاہر وباطن میں یہی فرق ہوتا ہے۔احمد کہ قلب سے میری اطاعت کرتا ہے اور احمد مہ صرف ظاہری عبادت پر نازاں ہے۔

امرواقع یہ ہے کہ جب تک انسان کا ظاہر وباطن ایک نہ ہواور وہ پوری بصیرت کے

ساتھ اور سچی معرفت کے ساتھ شعائرِ اسلام کو بجا نہیں لاتا اس وقت تک اس کا عمل محض ایک نقالی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا

(الفرقان 74)

جب انہیں ان کے رب کے احکامات یاد دلائے جائیں تو ان پر وہ بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

یعنی احکامات الٰہیہ کی اندھی تقلید عباد الرحمٰن کا شیوہ نہیں۔ وہ کسی حکم الٰہی کو محض رسم اور عادت کے طور پر انجام نہیں دیتے۔ چنانچہ دوسری جگہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کروایا گیا کہ میں اور میرے سچے و حقیقی متبعین بصیرت پر قائم ہیں۔

نماز، روزہ اور حج وغیرہ عبادات کو ہی لیجئے۔ لاکھوں کروڑوں مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں، ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور حج بیت اللہ کی توفیق پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود مسلم معاشرہ میں ان عبادات کی برکات و تاثیرات دکھائی نہیں دیتیں۔ سچائی و راستی، امانت و دیانت، پاکیزگی و اخلاق حسنہ وغیرہ امور میں ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ کیا نعوذ باللہ خدا اندھا اور بہرہ ہے وہ کروڑ ہا مسلمانوں کی عبادتوں سے غافل ہے اور ان کی پکار کو نہیں سنتا۔ یا نعوذ باللہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ عبادات ہی ایسی بیکار و بے اثر چیزیں ہیں جو انسان کو مشکلات و مصائب اور ذلت و نامرادی سے نکال کر دینی و دنیوی حسنات و ترقیات تک پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں۔ یا پھر عبادت کا دعویٰ کرنے والوں کی عبادتیں ہی حقیقت سے خالی ہیں، محض کھوکھلی اور چند ظاہری و جسمانی حرکات کی حد

تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔

ماموریٰ زمانہ حکم وعدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون پر نہایت بلیغ اور پر معرفت انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے روشنی ڈالی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''کروڑوں مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور مسجدیں بھی بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر کوئی برکت اور ظہور اُن مسجدوں کے بھرے ہوئے ہونے سے نظر نہیں آتا۔ اس لئے یہ سب کچھ جو کیا جاتا ہے محض رسوم اور عادات کے طور پر کیا جاتا ہے۔ وہ سچا اخلاص اور وفا جو ایمان کے حقیقی لوازم ہیں اُن کے ساتھ پائے نہیں جاتے۔ سب عمل ریاکاری اور نفاق کے پردوں کے اندر مخفی ہو گئے ہیں۔ جوں جوں انسان اُن کے حالات سے واقف ہوتا جاتا ہے اندر سے گند اور خبث نکلتا آتا ہے۔ مسجد سے نکل کر گھر کی تفتیش کرو تو یہ ننگ اسلام نظر آئیں گے۔ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک کوٹھا ہزار من گندم سے بھرا ہوا خالی ہو گیا۔ اگر چوہے اُس کو نہیں کھا گئے تو وہ کہاں گیا۔ پس اسی طرح پر پچاس برس کی نمازوں کی جب برکت نہیں ہوئی، اگر ریا اور نفاق نے ان کو باطل اور حبط نہیں کیا تو وہ کہاں گئیں۔ خدا کے نیک بندوں کے آثار اُن میں پائے نہیں جاتے۔ ایک طبیب جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے اگر وہ نسخہ اس کے لئے مفید اور کارگر نہ ہو تو چند روز کے تجربہ کے بعد اُس کو بدل دیتا ہے اور پھر تشخیص کرتا ہے۔ لیکن ان مریضوں پر تو وہ نسخہ استعمال کیا گیا ہے جو ہمیشہ مفید اور زُود اثر ثابت ہوا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نسخہ کے استعمال میں غلطی اور بد پرہیزی کی ہے۔ یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ارکان اسلام میں غلطی تھی۔ اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

مؤثر علاج نہ تھا۔ کیونکہ اس نسخہ نے ان مریضوں کو اچھا کیا جن کی نسبت لاعلاج ہونے کا فتویٰ دیا گیا تھا۔‘‘

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 87–88۔ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

حضورؑ نے عام طور پر مسلمانوں کی نمازوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا:

’’یہ عام بدعت پھیلی ہوئی ہے کہ تعدیل ارکان پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھتے اور ٹھونگے دار نماز پڑھتے ہیں۔ گویا وہ نماز ایک ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ایک بوجھ ہے۔اس لئے اس طریق سے ادا کیا جاتا ہے جس میں کراہت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ نماز ایسی شئ ہے جس سے ایک ذوق ،اُنس اور سرور بڑھتا ہے۔ مگر جس طرز پر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے حضور قلب نہیں ہوتا اور بے لطفی پیدا ہوتی ہے...عام طور پر یہ حالت ہو رہی ہے کہ نماز کو ایسے طور سے پڑھتے ہیں جس میں حضور قلب کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ جلدی جلدی اس کو ختم کیا جاتا ہے اور خارج نماز میں بہت کچھ دعا کے لئے کرتے ہیں اور دیر تک دُعا مانگتے رہتے ہیں...کیا وجہ ہے بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں پھر کورے کے کورے ہی رہتے۔ کوئی اثر روحانیت اور خشوع وخضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی نمازوں کے لئے وَیْل آیا ہے۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 443۔ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

فرمایا:’’نماز ایسی شئ ہے کہ سیّئات کو دور کر دیتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ(ھود 115) نماز کل بدیوں کو دور کر دیتی ہے۔

حسنات سے مراد نماز ہے۔مگر آج کل یہ حالت ہو رہی ہے عام طور پر نمازی کو مکار سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں یہ اسی قسم کی ہے جس پر خدا نے واویلا کیا ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی نیک اثر اور نیک نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ نرے الفاظ کی بحث میں پسند نہیں کرتا۔ آخر مر کر خدا تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ دیکھو ایک مریض طبیب کے پاس جاتا ہے اور اس کا نسخہ استعمال کرتا ہے اگر دس بیس دن تک اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ تشخیص یا علاج میں کوئی غلطی ہے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ سالہا سال سے نمازیں پڑھتے ہیں اور اس کا کوئی اثر محسوس اور مشہود نہیں ہوتا۔

میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہو جاتی ہے مگر یہاں تو پچاس پچاس برس تک نماز پڑھنے والے دیکھے گئے ہیں کہ بدستور رُوبدنیا اور سفلی زندگی میں نگونسار اور انہیں نہیں معلوم کہ وہ نمازوں میں کیا پڑھتے ہیں اور استغفار کیا چیز ہے۔ اس کے معنوں پر بھی انہیں اطلاع نہیں ہے ...زیادہ تر اس زمانہ میں لوگوں کا یہی حال ہو رہا ہے کہ عادت اور رسم کے پابند ہیں اور حقیقت سے واقف اور آشنا نہیں ......اب دیکھو مثلاً ایک افغان نماز تو پڑھتا ہے لیکن وہ اثر نماز سے بالکل بے خبر ہے۔ یاد رکھو رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز۔ صلوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قرب کا کوئی قریب ذریعہ نہیں۔ یہ قرب کی کنجی ہے۔ اسی سے کشوف ہوتے ہیں۔ اسی سے الہامات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کو اچھی طرح سمجھ کر ادا نہیں کرتا تو وہ رسم اور عادت کا پابند

ہے اور اس سے پیار کرتا ہے جیسے ہندو گنگا سے پیار کرتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 445-446-ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

اسی طرح فرمایا:

''ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ان کی روح مردہ ہے۔''

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 164-ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

نماز کے ظاہری ارکان کو سنوار کر ادا کرنا اور ادعیہ ماثورہ کو سوچ سمجھ کر صحیح طور پر پڑھنا بھی نہایت ضروری ہے۔لیکن نماز کی ظاہری صورت پر اکتفا کرنا نادانی ہے۔ان تمام جسمانی حرکات کے ساتھ ضروری ہے کہ انسان کے دل میں وہ حقیقی کیفیت بھی پیدا ہو جو ان ارکان نماز کا اصل مقصود ہے۔کیونکہ:

''کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہوسکتی...اللہ تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی عزّت اور عظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 395 ایڈیشن 2003 مطبوعہ لندن)

اور

''لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے لئے جوش نہیں رکھتے ان کی نمازیں جھوٹی ہیں اور ان کے سجدے بیکار ہیں''۔''یادرکھو کہ کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کے لئے ذاتی جوش نہ ہو جس

کے ساتھ کوئی ملونی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو۔‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 395۔396 ایڈیشن 2003 مطبوعہ لندن)

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ جب اصل نماز، روزہ روح کا ہے تو پھر ظاہر کی کیا ضرورت ہے۔ تو یہ خیال بھی درست نہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’یہ بالکل پکّی بات ہے کہ جو لوگ جسم سے خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں اُن کو روح نہیں مانتی اور اس میں وہ نیازمندی اور عبودیت پیدا نہیں ہوسکتی جو اصل مقصد ہے۔ اور جو صرف جسم سے کام لیتے ہیں، روح کو اس میں شریک نہیں کرتے وہ بھی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور یہ جوگی اسی قسم کے ہیں۔

روح اور جسم کا باہم خدا تعالیٰ نے ایک تعلق رکھا ہوا ہے اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے۔۔۔ نماز کی جس قدر حالتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں مثلاً کھڑا ہونا یا رکوع کرنا اس کے ساتھ ہی روح پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اور جس قدر جسم میں نیازمندی کی حالت دکھاتا ہے اُسی قدر روح میں پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ خدا نرے سجدہ کو قبول نہیں کرتا مگر سجدہ کو روح کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اس لئے نماز میں آخری مقام سجدہ کا ہے۔ جب انسان نیازمندی کے انتہائی مقام پر پہنچتا ہے تو اس وقت وہ سجدہ ہی کرنا چاہتا ہے۔۔۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جسم کو روح کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ ایسا ہی روح کی حالتوں کا اثر جسم پر نمودار ہو جاتا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 421۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

پھر فرمایا:

’’ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست ہیں۔ انسان کو خدا تعالیٰ

کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے۔رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے۔اور سجدہ کمال آداب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔یہ آداب اور طریق خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔اب اگر ظاہری طریق میں (اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے) صرف قال کی طرح نقلیں اُتاری جاویں اور اُسے ایک بارگراں سمجھ کر اتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے تو تم ہی بتاؤ کہ اُس میں کیا لذت اور حظ آ سکتا ہے۔اور جب تک لذت اور سرور نہ آئے اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی۔اور یہ اُس وقت ہوگا جبکہ روح بھی ہمہ نیستی اور تذلل تام ہو کر آستانہ اُلوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے۔اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 164-165-ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

چنانچہ آپ نے اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی:

’’نماز کو جنتر منتر کی طرح نہ پڑھو۔بلکہ اس کے معانی اور حقیقت سے معرفت حاصل کرو۔‘‘

(ملفوظات 9 جلد صفحہ 40-41-ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

لیکن ایسی نماز کا پڑھنا جس سے دین اور دنیا دونوں سنور جاتے ہیں اور مومن کی معراج ہے۔جس کے پڑھنے والے ہر قسم کی بدیوں اور بے حیائیوں سے بچائے جاتے ہیں۔اور

جنہیں خدا دونوں جہان کی حسنات وترقیات سے نوازتا ہے اور جن کے لئے اس کی قدرت اور رحمت کے زبردست نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اس طرح کی نماز پڑھنی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ یہ طریق خدا کی مدد اور استعانت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور جب تک انسان دعاؤں میں نہ لگا رہے اس طرح کا خشوع خضوع پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے چاہئے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات غرض کوئی گھڑی دعاؤں سے خالی نہ ہو۔''

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 67۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ لندن)

دعائیں کرو، بس دعائیں کرو
درِ یار پر ہی صدائیں کرو

اے خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کرلیں۔

(الفضل انٹرنیشنل 28 جنوری 2004ء)

○○

مجھ پہ بے حد ہے کرم اے مرے جاناں تیرا

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دورۂ کینیڈا (2005ء) میں ایک خطبہ جمعہ میں خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کے بے شمار احسانات و برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ہر نعمت کے بعد شکر، ہر شکر کے بعد نعمت''

یہ سادہ اور مختصر فقرہ جماعت احمدیہ کی سو سال سے زائد کی تاریخ کا عنوان بن سکتا ہے۔ اسی فضل اور احسان کے موضوع پر حضور نے جلسہ سالانہ برطانیہ کے بعد بھی ایک روح پرور خطبہ ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اپنے فضلوں کی منفرد اور نرالی شان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراھیم:8)

اگر تم شکر کرتے رہو گے تو مَیں ضرور اور بھی اضافہ کرتا چلا جاؤں گا۔ حضور کا یہ مذکورہ فقرہ بھی اس قرآنی حقیقت کی ہی نشاندہی اور ترجمانی کرتا ہے۔ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق آپ کی بعثت ثانیہ یا امام مہدیؑ کی آمد ایسی عظیم الشان خبر تھی کہ اولیاء

امت اس کے پورا ہونے کی دعائیں کرتے اور اس کے مظہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے، اس کی تصدیق کرنے، اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سلام پہنچانے کی شدید تمنا اور خواہش رکھتے تھے۔

یہ پیشگوئیاں سنت اللہ کے مطابق پوری ہوئیں اور کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ ایک نرم و نازک سبز کونپل کی طرح پھوٹیں۔ حقیقت بین اور چشم بصیرت رکھنے والوں نے ان معمولی سی چھوٹی سی کمزور سی کونپلوں کو پھوٹتے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے شکر کے جذبات سے پُر ہو گئے۔ دن رات اس خوش خبری کو دنیا میں پھیلانے لگے۔ اس شکر پر کتنی برکتیں نازل ہوئیں، کیسی ترقیاں ملیں۔

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

ابتداء میں مہمان خانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا رہائشی گھر تھا۔ لنگر خانہ آپ کا ہی باورچی خانہ تھا، لنگر کا منتظم و مہتمم کوئی اور نہیں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ گھر میں جو کچھ پکتا مہمان آنے پر ان کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ ان خوش قسمت مہمانوں پر رشک آتا ہے کہ انہوں نے حق و صداقت کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے قادیان پہنچ کر اپنی پیشوائی اور استقبال کے لئے مامور زمانہ کو سامنے موجود پایا۔ وہ غلامِ احمد ان مہمانوں کی شکل میں قرآنی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیانات کی تکمیل کی جھلک دیکھ کر شکر کے جذبات سے اپنے دست مبارک سے مہمانوں کی خدمت کرتے۔ ہر وہ صحابی جسے اس زمانہ میں قادیان جانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ دوسری باتوں کے علاوہ یہ ضرور بیان کرتے اور اس پر خوش ہوتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکرام ضیف کی بہترین مثال تھے۔ مہمانوں سے ان کی ضروریات اور عادات کا علم حاصل کرنا۔ ایسی چیزیں جو قادیان میں نہ مل سکتی ہوں وہ

امرتسر یا گورداسپور سے منگوا کر مہمان کے سامنے پیش کرنا۔ مہمانوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنے کی تاکید کرنا...... اس شکر پر نعمتوں کے جو باب وا ہوئے آج ان کی فہرست مرتب کرنا بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات وکرم
جن کا مشکل ہے کہ تاروز قیامت ہو شمار

ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے احباب کو اپنے دست مبارک سے خط لکھتے تھے۔ جب تعداد زیادہ ہوگئی تو بعض مہمان بھی اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے لگے۔ تاہم کام بڑھتا چلا گیا اور ضروری معلوم ہوا کہ اعلانات و اشتہارات طبع کروا کے عام تقسیم کئے جائیں۔ حضور اپنی کتب و اشتہارات کے مسودات اپنے دست مبارک سے لکھتے۔ اس مقصد کے لئے حوالے بھی خود ہی تلاش کرتے۔ اس زمانے میں قادیان میں کوئی کاتب کوئی مطبع نہ تھا۔ کتابت امرتسر میں ہوتی، پروف واپس قادیان آتے۔ حضور خود ہی پروف لے کر آتے۔ انہیں دیکھتے، تصحیح کرتے۔ اس کام کا تجربہ رکھنے والے ہی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہوتا ہے کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ کاتب مسودات پر لگے ہوئے نشانات کے مطابق پوری طرح تصحیح کرتے ہوئے کوئی اور غلطی نہ کرے۔ لہذا تصحیح کے بعد بھی اس کی چیکنگ لازمی ہوتی ہے۔ پھر اس زمانہ کے پریس میں کاتب کے لکھے ہوئے بعض الفاظ یا تو بالکل نہیں چھپتے تھے یا اتنے مدھم چھپتے تھے کہ ان کو 'مشین مین' کی مدد سے دوبارہ درست کروانا پڑتا تھا۔ 'مشین مین' کا کام اپنی جگہ بڑی مہارت و مشق کا تقاضا کرتا تھا کیونکہ اسے الٹا لکھنا پڑتا تھا تاکہ نقش صحیح اور سیدھا آئے۔ غرضیکہ یہ ایسی مصروفیت تھی کہ اس پر بہت زیادہ وقت خرچ ہو جاتا تھا خاص طور پر جبکہ یہ کام قادیان میں نہیں ہوتے تھے اور پھر اس زمانہ میں آمدورفت کے

ذرائع بہت محدود اور سست رفتار ہونے کی وجہ سے بھی وقت بہت زیادہ لگتا ہوگا۔ حضورؓ نے یہ سارے کام کس شکرگزاری کے جذبے کے تحت کئے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کی بارش شروع ہوگئی اور طباعت کی آسانیاں پیدا ہونی شروع ہوگئیں اور آج کل تو پلک جھپکتے میں پیغام ساری دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کسی مسئلہ کی وضاحت یا کسی حوالہ کی ضرورت کا اپنے خطبہ یا درس میں ذکر فرماتے ہیں اور اس خطبہ اور درس کے ختم ہونے سے قبل پاکستان بلکہ دنیا بھر سے پیغامات وصول ہو چکے ہوتے ہیں۔ کسی نئی مالی تحریک پر اس خطبہ کے ختم ہونے سے پہلے مخلصین لبیک کہتے ہوئے اپنے وعدے بھیج چکے ہوتے ہیں بلکہ اگر کسی تحریک کو عالمی سطح پر پھیلا کر نہ کیا جائے تو قربانی کے ہر میدان میں مسابقت کی روح سے سرشار عشاق یہ درخواست بھی کر چکے ہوتے ہیں کہ ہمیں ثواب کے اس موقع سے محروم نہ کیا جائے اور ہمیں بھی نیکی کے اس کام میں شرکت کی اجازت دی جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تو یہ حال تھا کہ مہمانوں کی سہولت کے لئے ایک کنواں تیار کروانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مقصد کے لئے قریباً تین صد روپے کی ضرورت تھی۔ حضورؑ کو اس معمولی رقم کے لئے الگ تحریک کرنی پڑی اور اس طرح کنواں تیار ہوا۔ یہ تو بالکل ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے رسالہ 'تشحیذ الاذہان' کے لئے بڑی پرزور تحریک فرمائی اور چندہ بمشکل چند روپے جمع ہو سکا۔ خلافت ثانیہ میں ہی جب لاؤڈ سپیکر شروع ہوا اور حضرت مصلح موعودؓ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے جماعت کو اس کی افادیت وضرورت پر آگاہ کرنے کے بعد الگ سے اس مقصد کے لئے چندے کی تحریک کی جبکہ یہ بھی کوئی بہت بڑا خرچ نہیں تھا۔ پھر لاؤڈ سپیکر لگ جانے کے بعد حضور نے خدا تعالیٰ

کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ وقت بھی آ سکتا ہے جب ایک آدمی کسی ایک جگہ بیٹھے ہوئے ساری دنیا کو قرآن مجید پڑھا سکے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آج MTA کے ذریعہ یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے اور شکر کے نتیجہ میں کامیابیوں اور فتوحات کے نئے نئے اُفق ظاہر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

(الفضل انٹرنیشنل 26 اگست 2005ء)

○○

مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب ایک لمبا عرصہ ایڈیٹر الفضل کی خدمات بجا لاتے رہے۔ان کی خواہش کے مطابق بعض نایاب پرانی کتب کے تعارف گاہے گاہے الفضل میں پیش کیئے۔انکا بجا طور پر یہ خیال تھا کہ ہمارے بزرگوں کے علمی خزانے لائبریریوں میں محفوظ ہیں جن کا تعارف جماعت تک پہنچنا چاہیئے تا کہ مزید پڑھنے کی تحریص ہو۔خاکسار مکرم نسیم سیفی صاحب کے درجات کی بلندی کیلئے دُعا گو ہے۔اللہ تعالیٰ اس قلم کے مجاہد کو اپنے قرب کی جنت سے نوازے۔آمین۔

حیاتِ فیض

حضرت مولوی محمد فیض الدین صاحب سیالکوٹیؓ کے سوانح پر مشتمل کتابچہ ''حیاتِ فیض'' کے نام سے شائع ہوا۔اس کی تدوین ہمارے بزرگ مربی حضرت مولوی عبد المالک خان صاحب نے کی۔'عرض حال' کے عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں:

''اخویم محترم ڈاکٹر عبدالرحمن آف کامٹی نے مجھے حضرت مولوی فیض الدین صاحب سیالکوٹی کے کچھ حالات جو صحابہ کرامؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مختلف روایات کے ماتحت مکرم ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی نے جمع فرمائے تھے دیئے اور کچھ حالات انہوں نے اور ان کی اہلیہ محترمہ نے بیان فرمائے،انہی بیانات کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کی ہدایات کے ماتحت یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔میں اس کو فضل الٰہی سمجھتا ہوں کہ ان کلمات کے طفیل میں بھی حضرت خلیفۃ

المسیح اور احباب جماعت کی ان دعاؤں میں شامل ہو جاؤں گا جو اس بزرگ وجود کے لئے کی جائیں گی....''

''نذر عقیدت'' کے عنوان کے تحت حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحب (جو بے شمار جماعتی خدمات میں سے ایک خدمت امیر جماعت کراچی کی وجہ سے خاص شہرت ومقام کے حامل ہیں) نے بھی حضرت مولوی صاحب کے متعلق اظہار خیال کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

''حضرت مولوی صاحب کو (جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے) میں نے پہلی دفعہ احمدیہ مسجد جو کبوتراں والی کے نام سے مشہور تھی میں دیکھا جبکہ مجھے ان کی خدمت میں قرآن کریم پڑھنے کیلئے لے جایا گیا۔ہم چاروں بھائیوں اور ہمارے خالہ زاد بھائی چوہدری سلطان علی صاحب نے قران کریم حضرت مولوی صاحب سے پڑھا آپ کا چہرہ بہت وجیہہ، بارعب اور خوبصورت تھا۔آواز بہت صاف واضح اور بلند تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ (آپ) غصیلی طبیعت کے تھے۔مگر میرا تجربہ شاہد ہے کہ آپ کی طبیعت میں غصہ نہیں تھا ہاں غیرت بہت تھی...ایام شاگردی سے شروع کر کے آپ کی وفات تک مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا کثرت سے شرف حاصل ہوا اور ہمیشہ نہایت محبت سے ملے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک شفیق ومہربان باپ اپنی اولاد سے ملتا ہے۔ دینی غیرت اتنی تھی کہ کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔حق وصداقت کی حمایت میں ایک ننگی تلوار تھے۔تبلیغ کا بہت شوق تھا اور ہمیشہ کوشاں رہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے اس کی شناخت دوسرے بھی کریں اور قبول کر کے پھر اوروں تک بھی اس نعمت کو

پہنچائیں۔ بحیثیت استاد ہر شاگرد کے ساتھ حقیقی ہمدردی و محبت رکھتے تھے۔ کسی غلطی کو رفع کرنے کیلئے خواہ کئی کئی دن شاگرد سے محنت کرنی پڑے۔ گھبراتے نہیں تھے.... زیر زبر کی غلطی کے علاوہ اگر تلفظ اور لہجہ میں بھی فرق نظر آتا تو آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک درست نہ کروالیں اور پھر ہمیشہ دوبارہ اسی دن اور دوسرے تیسرے دن بھی سنتے تھے کہ کہیں وہی غلطی تو نہیں ہورہی... مجھے خطباتِ جمعہ سننے کا بہت موقع ملا اور باوجود بچپن کا زمانہ ہونے کے آپ کے ارشادات کی طرف توجہ پیدا ہوتی تھی اور کبھی طبیعت اکتاتی نہیں تھی میں کئی دفعہ دعا کیلئے بھی (آپ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ہمیشہ شفقت سے پیش آئے اور دعا فرمانے کا وعدہ کرتے۔ میرا بہت بچپن سے دعا پر ایمان ہے اور میرا قیاس ہے کہ اس میں بہت حد تک دخل (آپ) کی نصائح کا تھا کہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لازمی ہے اور وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور پایہ قبولیت بخشتا ہے۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت مخلص اور فرمانبردار خادم تھے اور جماعت سیالکوٹ کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو حضرت مولوی فیض الدین جیسا واعظ اور امام ملا تھا۔ جنہوں نے تمام عمر جماعت کی تربیت اور دعوت کیلئے صرف کردی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔

آپ کی دو صاحبزادیاں میرے دو محسنوں جناب ماسٹر علی محمد صاحب المعروف بی ٹی صاحب) اور ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب احمدی (المعروف کامٹی صاحب) سے بیاہی گئیں اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ بہت مخلص اور احمدیت کا درد رکھنے والے دوست ہیں۔ موخرالذکر ڈاکٹر عبدالرحمن

صاحب سے مجھے دیرینہ دوستی کا فخر ہے۔آپ آج کل (یہ تحریر 1955ء کی ہے۔ ناقل) جماعت کراچی کے نہایت مخلص رکن ہیں اور ان کی سلسلہ سے وابستگی اور محبت دیکھ کر مجھے رشک پیدا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اخلاص و محبت میں ترقی عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو اپنے نیک والد اور نہایت بزرگ و عاشق احمدیت نانا جان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور دینی و دنیوی نعماء سے سرفراز و مالا مال فرمادے۔''

اس کتاب کے تعارف کے طور پر مذکورہ بالا تحریروں کے بعد کچھ اور لکھنے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ حضرت مولوی عبدالمالک خان صاحب اور حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحب دونوں فن خطابت کے شہسوار تھے۔مگر ان کی تحریریں بہت کم ہیں۔اس لحاظ سے اس کتاب میں ان کی یہ تحریریں کئی لحاظ سے بہت قابل قدر ہیں۔

حضرت مولوی فیض الدین صاحبؓ سیالکوٹ کی مشہور''مسجد کبوتراں والی'' میں امام و خطیب تھے۔آپ کی نیکی تقویٰ اور قرب الٰہی کی دور و نزدیک شہرت تھی۔آپ بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحب اور ایک روایت کے مطابق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی بچپن میں آپ سے قرآن مجید پڑھا تھا۔قبول احمدیت کی سعادت کے حصول پر آپ کو بہت مخالفت و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔آپ کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا گیا کہ آپ نے مسجد کی دریاں اور سائبان بیچ کر کھا لئے ہیں۔سارے شہر میں اس مقدمہ کا چرچا تھا۔مجسٹریٹ کے روبرو بے شمار گواہ ایک جھوٹ کی تائید میں اس شخص کے خلاف پیش کئے جارہے تھے، جو کل تک ان کے

نزدیک اللہ والا تھا۔ پیر تھا، نیک بزرگ تھا۔ آج وہ سائبان بیچ کر کھا جانے والا کہلا رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے گواہ جاتے اور حاکم ان سے حلف اٹھوا کر گواہی لیتا، جرح کرتا۔ ادھر مولوی صاحب کا یہ حال تھا کہ نہایت الحاح وزاری سے عدالت کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے دعا میں مصروف اس انتظار میں کھڑے تھے کہ حاکم کب بلاتا ہے لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ کو بلانے کی نوبت ہی نہ آئی اور حاکم نے مقدمہ خارج کر دیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ خدا کی نصرت اس رنگ میں نازل ہوئی کہ ان گواہوں میں ایک شخص حیات تمبا کو والا تھا۔ حسب معمول حاکم نے اس سے بھی حلف اٹھوا کر دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مولوی فیض الدین نے مسجد کا سائبان بیچا ہے۔ گواہ نے حلف اٹھا کر جواب میں میز پر دو روپے رکھ دیئے اور کہا کہ مجھے تو سامان بیچنے کا علم نہیں البتہ مجھے ان دو روپوں کے عوض یہاں لایا گیا ہے۔ اس واقعہ سے عدالت میں سناٹا چھا گیا اور مجسٹریٹ نے ان تمام جھوٹی شہادتوں کے طومار کو پھینک دیا اور مقدمہ خارج کر دیا۔

حضرت مولوی صاحب کی متعدد نمایاں خوبیوں کے ذکر میں جذبہ ٔخدمت کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

> ”... حضرت مولوی صاحب موصوف ساری زندگی ... شب و روز جماعت کے مردوں اور عورتوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے۔ اسی طرح اور بھی جو خدمت سلسلہ کا موقع ملتا تو آپ اسے پوری تندہی سے سرانجام دیتے اور آپ نے اس کے بدلہ کی کبھی تمنا نہ کی بلکہ کبھی آپ کے سامنے اس قسم کا اظہار بھی کسی نے کیا تو آپ نے ناپسند فرمایا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جماعت سیالکوٹ کے بعض سرکردہ احباب نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا

کہ مولوی صاحب ہمارے امام اور خطیب ہیں اور ہمیشہ دینی کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے سوا ان کا کوئی اور کاروبار نہیں ہے۔ اس لئے جماعت کی طرف سے مبلغ ساٹھ روپے ماہوار مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کئے جایا کریں۔ منشی محمد عبداللہ صاحب ریڈر سیشن جج سیالکوٹ جو مولوی صاحب کے بے تکلف دوست تھے اس کام پر مامور کئے گئے کہ وہ مولوی صاحب کی خدمت میں یہ پیشکش کریں چنانچہ انہوں نے مولوی صاحب موصوف کو جماعت کے اس فیصلہ سے آگاہ کیا۔ یہ سن کر مولوی صاحب نے اپنے ایک خطبہ میں اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے افسوس کا اظہار فرمایا کہ چند سکوں کی صورت میں جماعت نے ان کی دینی خدمات کا صلہ دینا چاہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت نے ان کی امامت کی قدرو قیمت کو نہیں پہچانا۔ آپ مجھے ...صلہ میں یہ چند سکے دینا چاہتے ہیں حالانکہ امامت کا صلہ تو خدا کا وصال ہے ... مجھے خدا تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے اور وہی میرا رازق ہے۔ تم لوگ میرے رازق بننے کی کوشش نہ کرو۔ غرض آپ کو اس بات سے ناراضگی پیدا ہوئی اور جب تک آپ سیالکوٹ میں رہے خالصۃً بوجہ للہ سلسلہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔‘‘

کتاب کے آخر میں حضرت ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی اور حضرت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کاٹی (جو حضرت مولوی فیض الدین صاحب کے داماد تھے) کا مختصر تعارف اور حضرت مولوی صاحب کا شجرہ نسب اور ان کی اولاد کا بھی ذکر ہے۔

(روزنامہ الفضل 2 جولائی 1996ء)

○○

حضرت شیخ نور احمد صاحب میرٹھیؓ

حضرت شیخ نور احمد صاحب میرٹھیؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ابتدائی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ میں شمولیت کی سعادت عطا فرمائی اور براہین احمدیہ کی اشاعت اور پادری مارٹن کلارک اور پادری آتھم والے مشہور مناظرہ میں بعض نمایاں خدمات سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ آپ نے ایک مختصر رسالہ میں یہ انتہائی مفید کارہائے نمایاں بہت ہی دلچسپ انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ اس رسالہ کا نام ''نور احمد'' ہے۔

حضرت شیخ صاحبؓ اپنا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا تعالیٰ کے فضل سے جب سے میں نے ہوش سنبھالا میں ہمیشہ مذہبی آدمی رہا اور علماء کی صحبت اور فقرا کی مجالس میں بیٹھتا تھا اور واعظوں کے وعظ سننے کا مجھے بہت شوق تھا۔ منجملہ اور پند و نصائح کے علماء سے سنا کرتا تھا کہ حضرت امام مہدی آخری زمانے میں پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر امام مہدی کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد کریں گے... ایام بلوغت کا زمانہ میرا شہر میرٹھ میں گزرا۔ ایک صاحب سید جمیل الدین اخبار نویس

نے مجھے ''پریس مینی'' کا کام سکھایا کہ پریس مین بہت پریشان کرتے ہیں...
سید صاحب کے ایک دوست مراد آباد سے اخبار نکالتے تھے...انہوں نے سید صاحب کو لکھا کہ ہمارا اخبار اچھا نہیں چھپتا۔ پریس مین کام خراب کرتے ہیں اور پریشان کرتے ہیں۔ آپ ایک پریس مین میرے پاس بھیج دیں۔ پس سید صاحب نے مجھے بھیج دیا اور کہا اگر اور کسی پریس مین کو ہم بھیجیں تو وہ کرایہ کے روپے بھی کھا جائے گا اور جس بات کی انہوں نے شکایت کی ہے وہ بھی رفع نہ ہوگی اس لئے میں آپ کو بھیجتا ہوں چند روز کام کر کے چلے آنا...کاپی لکھنے کی سیاہی بنائی۔وہاں کوئی نہ جانتا تھا، میں بنانے لگا اور اشتہار شائع کروائے۔لدھیانہ، لاہور، امرتسر، دہلی وغیرہ سے لوگ میری سیاہی منگوانے لگے۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس سیاہی کے ذریعہ سے امرتسر میں ایک اخبار 'وکیل ہندوستان' پادریوں کا چھپتا تھا اس کے مینیجر پادری رجب علی تھے، انہوں نے مجھے مراد آباد سے امرتسر بلوایا... چونکہ مجھے امرتسر دیکھنے کا شوق تھا میں امرتسر آ گیا...اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے ایسا ہوا کہ 1878ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے پادری رجب علی کے مطبع سفیر ہند میں ''براہین احمدیہ'' کے چھپوانے کا انتظام کیا۔ان کے پریس مین میرے سپرد تھے اور میرے ہی اہتمام سے سب کام ہوتے تھے اور خاص کر کتاب براہین احمدیہ پادری صاحب نے چھاپنے کے لئے میرے سپرد کی اور میں نے اس کا اول حصہ اسی مطبع میں چھاپا پھر میں نے اپنا پریس علیحدہ لگا لیا چونکہ چھپائی کا کام میرے ہاتھ سے صفائی سے ہوتا تھا اس لئے رجب علی صاحب نے دوسرا حصہ میرے ہی پریس میں چھپوایا

اور تیسرا حصہ بھی۔ تیسرا حصہ میرے پریس میں چھپ رہا تھا تو پادری صاحب مذکور نے حضرت صاحب کو بڑے تقاضے کے خط لکھے۔ میں نے اپنا پریس ہال بازار میں ہی کھڑا کیا تھا۔ ان کا مطبع ہال بازار سے ایک طرف کو تھا اور میرا مطبع بازار میں لب سڑک تھا۔ حضرت صاحب روپیہ لیکر قادیان سے امرتسر جب رجب علی کو دینے کیلئے تشریف لائے اور آپ نے ہال بازار میں چھاپہ خانہ دریافت کیا تو بتانے والے نے میرے مطبع کا پتہ بتا دیا تو حضرت صاحب میرے مطبع میں تشریف لے آئے۔ یہاں تیسرا حصہ براہین احمدیہ کا چھپ رہا تھا۔ حضرت صاحب نے سمجھا رجب علی کا یہی پریس ہوگا۔ میں گھر پر تھا میرے ملازموں سے آپ نے فرمایا پادری رجب علی صاحب کہاں ہیں ۔ انہیں بلاؤ۔ جب مجھے اطلاع ہوئی۔ گھر قریب ہی تھا میں جلد آیا اور مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب رجب علی کو تو جانتے تھے اور مجھ سے واقف نہ تھے۔ مجھے دیکھ کر متعجب سے ہوئے اور فرمایا یہ پریس رجب علی صاحب کا ہے؟ میں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ ہی کا ہے۔ پھر فرمایا کہ رجب علی صاحب کا پریس کہاں ہے اور یہ ہماری کتاب جو چھپ رہی ہے اس مطبع میں کیسے آئی؟ میں نے عرض کیا کہ یہ ساری کتاب میں نے اپنے مطبع ’ریاض ہند‘ میں چھاپی ہے... حضرت صاحب نے فرمایا کہ رجب علی صاحب ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ پیشگی روپیہ لے لیتے ہیں اور وقت پر کام نہیں دیتے..‘‘

یہاں یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ حضرت شیخ نور احمد صاحبؓ نے باقی کتاب اپنے مطبع میں چھاپنے کو اپنی سعادت وخوش بختی سمجھا اور یہ بھی کہ حضرت شیخ صاحبؓ

کو قادیان میں پہلا پریس لگانے کا شرف حاصل ہوا۔ ''نور احمد'' صرف اڑتالیس صفحات کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر اپنی افادیت اور دلچسپی کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے بعض پہلو اور واقعات بیان کرنے میں منفرد اور اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کتاب کو دوبارہ شائع کرانے کی سعادت جناب حکیم عبد اللطیف شاہد گجراتی کو حاصل ہوئی۔ حکیم صاحب بہت ہی سادہ طبع علم دوست بزرگ تھے۔ ان کے اہتمام میں بہت سی نادر علمی کتب شائع ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

○○

عظیم زندگی

انگریزی فوج کا ایک افسر جو اپنی مختلف اہم ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ہندوستان آیا۔ وہ جو کسی بھی فوجی جوان کی طرح سگریٹ اور شراب بلاتکلف استعمال کرتا تھا، اپنی فطری سعادت کی وجہ سے قادیان پہنچ گیا اور صرف یہی نہیں کہ احمدیت قبول کرنے کی توفیق پائی بلکہ ایک پاک اور قابل رشک نیک تبدیلی کی وجہ سے علم و معرفت میں جلد جلد ترقی کرتے ہوئے پہلے احمدی انگریز واقف زندگی مربی کا اعزاز حاصل کیا اور آج بھی وہ سرزمین انگلستان میں گراں قدر خدمات بجا لا رہے ہیں۔ آپ کی زیر نظر کتاب Supreme Life کا اردو ترجمہ ''عظیم زندگی'' ہمارے اس فدائی احمدی جناب بشیر احمد صاحب آرچرڈ کی علوم روحانی پر گہری نظر اور وسعت معلومات کی ایک عمدہ موثر مثال ہے۔ اردو ترجمہ محمد ذکریا ورک صاحب کی کاوش ہے (یہ کتاب لندن اور اونٹاریو کینیڈا سے مل سکتی ہے) مکرم آرچرڈ صاحب اپنی فوجی خدمات کے سلسلہ میں جنگ عظیم دوم میں فرانس اور بیلجئم وغیرہ میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ہندوستان میں ڈوگرہ فوج کے ساتھ کام کرتے رہے۔ آپ کو آسام اور برما میں بھی کام کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ اسی ملازمت کے دوران آپ کی یونٹ کے احمدی حوالدار

کلرک عبدالرحمن صاحب دہلوی سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی کا مطالعہ کیا۔ قادیان گئے اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے ملاقات ہوئی۔ واپس برما چلے گئے اور کافی مطالعہ، سوچ بچار، غور و فکر اور دعاؤں کے بعد احمدیت قبول کرنے کی سعادت پائی۔

اپنے اس اقدام کے متعلق آپ لکھتے ہیں:

''بے شک یہ ایک بہت بڑا قدم تھا جو میں نے اٹھایا لیکن اب مجھے احمدیت قبول کئے چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے۔ میں نے اس عرصہ میں اپنے رب کے بے شمار فضلوں اور احسانوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

شراب نوشی کے علاوہ مجھے قمار بازی کی لت بھی تھی۔ میں گھوڑ دوڑ پر۔ کتوں کی دوڑ پر یا تاش کی بازی پر جوا کھیلا کرتا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ ایک دفعہ جب میں امپھال میں تھا میں نے اپنی مہینے بھر کی پوری تنخواہ دوسرے افسروں کے ساتھ جوا کھیلنے میں لٹا دی تھی۔ خدا کا شکر کہ.... اس بد عادت سے نجات بھی ملی اور اس کے برعکس کتنی ہی اچھی عادتیں ودیعت ہوئیں مثلاً احمدیت قبول کرنے سے پیشتر میں نے کبھی ایک پیسہ بھی خیرات وسخاوت میں نہیں دیا تھا۔ اسلام نے مجھے اللہ کی راہ میں مال کی قربانی کا فلسفہ سمجھایا اور میں بخوشی اس کی راہ میں مال دینے لگا۔ شروع شروع میں اپنی آمد کا 1/16 ادا کرتا رہا اور بعد میں اس کو بڑھا کر 1/10 کر دیا۔

1967ء میں میں نے اپنی آمد کے 1/3 حصہ کا نذرانہ خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دیا اور بفضلہ تعالیٰ تادم تحریر اپنے اس عہد پر قائم ہوں۔ اگرچہ میری

آمدنی بہت قلیل ہے تاہم اس لازمی چندہ کے علاوہ دیگر تحریکات کے چندے بھی باقاعدہ ادا کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔''

آپ نے احمدیت کی اور متعدد برکات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بعض مبشر خوابیں بھی بیان کی ہیں۔اس کتاب کے بعض ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں۔ان سے کتاب کی افادیت اور دلچسپی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے:

داستان میری۔ اخلاقی اقدار کا نمونہ۔ جنت ارضی۔ روح۔ چند خیالات۔ سکھی روح۔ضبط نفس۔ عداوت۔حصول تقویٰ اور روحانی ترقی کے چھ دشمن۔ ناکامی کے ذریعہ کامیابی۔شہد کے دریا ہماری موہوم دنیا۔حیات ابدی۔کائنات میں خدائی صداقتوں کا ظہور۔ ہماری اندرونی کائنات۔ عبادت کی عادت۔ احمدی کا رول۔

اخلاق فاضلہ کے متعلق آپ بیان کرتے ہیں:

اخلاق اپنے اندر متعدد خواص پیدا کرنے کا نام ہے۔ ان میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

عزت نفس۔ دوسروں کا احترام۔خلوص رحم دلی۔ ذہانت ۔عفوو درگزر۔ سادگی۔صفائی نرم مزاجی۔ جرأت۔ بھلائی۔نیکی۔صبر استقامت۔رحم انصاف۔ ضبط نفس۔قناعت ۔خوش مزاجی۔مہمان نوازی۔ صدقہ وخیرات بے غرضی۔ محبت اور احسان مندی وغیرہ۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جو اس فہرست میں شامل ہوسکتی ہیں۔

مذکورہ بالا اخلاق فاضلہ میں سے سادگی کے متعلق مکرم آرچرڈ صاحب بیان کرتے ہیں:

''سادگی نیک زندگی کا ایک خاص جوہر ہے۔ ہمیں تعیش کی زندگی گزارنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ تعیش کی زندگی سے خبردار رہو کیونکہ خدا کے بندے ایسی زندگی نہیں گزارا کرتے۔ خدا کے رستہ میں سادہ زندگی گزارنے سے روح میں چمک آتی ہے۔ انسان ایک حد تک دنیوی آلائشوں سے پاک ہوجاتا ہے اور کبھی اس چیز کی خواہش نہیں کرتا۔ تعیش کی زندگی گزارنے والے کبھی اطمینان قلب حاصل نہیں کر پاتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہی دنیا میں سب سے زیادہ مالدار ہے جسے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور قرآن مجید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تقویٰ اس دنیا کی بہترین چیزوں سے بھی بہتر ہے۔ نیک انسان تھوڑے سے بھی مطمئن ہوجاتا ہے اور پر تعیش زندگی سے دلچسپی نہیں رکھتا... خدا کے انبیاء کا طریق سادہ زندگی ہی رہا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر چاہتے تو آسائش کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن آپؐ نے ہمیشہ انتہائی سادہ زندگی کو ترجیح دی۔ آپؐ کی عادات سادہ۔ آپؐ کی غذا سادہ۔ کپڑے نہایت سادہ اور آپؐ کا گھر اور اس کا سامان بالکل سادہ تھا۔ آپؐ کھردرے بستر پر سویا کرتے تھے اور کھجور کی چٹائی پر آرام فرمایا کرتے تھے جس کے نشان آپؐ کی کمر مبارک پر پڑ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ سے کسی نے سوال کیا کہ آپؐ کھردری چٹائی پر کیوں سوتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے لئے یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ انہوں نے اس دنیا کو چُنا ہے اور میں نے بھی آنے والی زندگی کو چُنا ہے۔

اسی باب میں مکرم آرچرڈ صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اخلاق حسنہ کا پیدا کرنا ایک عملی فلاسفی ہے کوئی خشک وعظ نہیں اس پر عمل ضروری ہے یہ ایسا موضوع ہے جس پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ میں نے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور مقصد صرف اس موضوع سے دلچسپی پیدا کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میں نے جو بیج بوئے ہیں وہ زرخیز زمین پر گریں، پھلیں پھولیں اور بارآور ہوں۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 17اپریل1996ء)

○○

ذکرِ حبیب

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اپنی نہایت پیاری کتاب ''ذکرحبیب'' کے آغاز میں دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...اے میرے پاک پروردگار تو مجھے ایسے کلام اور ایسی تحریر کی قوت عطا فرما جس میں ریب نہ ہو۔ جو حق ہو اور اس میں کچھ باطل نہ ہو اور جو مخلوق کے واسطے موجب ہدایت ہو اور سب زبانوں اور قوموں میں اس کی صحیح اشاعت اور اس پر پاک عمل درآمد ہو۔ جو میرے لئے اور پڑھنے والوں کیلئے اور سننے والوں کیلئے اور چھاپنے اور چھپوانے والوں کیلئے اور شائع کرنے اور خریدنے والوں کیلئے۔ تیری پاک رضامندیوں کے حصول اور دین و دنیا میں حسنات پانے کا ذریعہ ہو جو تیری مخلوقات کے واسطے راہنمائی کا باعث اور تیرے ساتھ اتحاد کا موجب ہو۔ ہاں اے میرے بخشنہار...تو میرے گناہوں کو بخش اور میری پردہ پوشی فرما۔ یا ربی۔ یا ربی۔ تو میرے خیال میں میری زبان میں اور میرے قلم میں رحمت۔ برکت قوت راحت عطا فرما اور وہ سب جن کے ساتھ میری محبت کا

تعلق ہوان کی بخشش کرا اور انہیں ایمان۔صحت تقویٰ اور اقبال مرحمت فرما۔اے میرے ربّ، اے میرے ہادی، اے میرے مالک، اے میرے آقا تو میرے کلام کو مستحکم فرما اور ایسے الفاظ مجھے عطا فرما جو تیری مخلوق کی ترقی، بہبودی، بھلائی، حقیقی، راحت اور خوشحالی کا ذریعہ ہوں...''

(محمد صادق)

حضرت مفتی صاحبؓ کی اس کتاب میں احمدیہ تاریخ وسوانح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا مستند اور اہم ریکارڈ ہے جسے کئی لحاظ سے ماخذ اول ہونے کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت مفتی صاحبؓ کا انداز بیان نہایت سادہ شیریں اور موثر ہوتا تھا۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے عشق ومحبت کا مخلصانہ تعلق اس انداز بیان کے تاثر میں اضافہ کا باعث ہوتا یہی وجہ ہے کہ جماعت میں ایک لمبے عرصہ تک ''ذکر حبیب'' اور حضرت مفتی صاحبؓ لازم وملزوم سمجھے جاتے تھے۔

زیر نظر کتاب میں اپنی بیعت وزیارت کے ابتدائی حالات، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عام حالات، عادات اور مجالس اذکار، حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو ضرب الامثال بکثرت استعمال فرماتے۔حضرت مفتی صاحبؓ کی پرانی نوٹ بکوں کے حوالے۔ ڈائریاں، روایات، حضرت مفتی صاحبؓ پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی شفقت کے نمونے، خطوط امام بنام غلام، فوٹو کب لئے گئے اور کہاں لئے گئے، بعض مسائل وفتاوی، بعض نادر تحریریں، یورپین معزز افراد کو دعوت الی الحق اور بیعت کے بعد کی نصائح وغیرہ ایسا مواد موجود ہے جو ہر اس شخص کیلئے جو تزکیہ نفس اور قرب الٰہی کا طالب ومتلاشی ہو مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؓ ''میں قادیان میں کہاں ٹھہرتا تھا'' کے زیرعنوان تحریر فرماتے ہیں:

''جب میں پہلی دفعہ قادیان آیا جو کہ غالباً دسمبر 1890ء کے آخر میں تھا۔ اس وقت میں اس کمرہ میں ٹھہرایا گیا جسے گول کمرہ کہتے ہیں۔اس کے آگے وہ تین دیواری نہ تھی جواب ہے۔ اس وقت یہی مہمان خانہ تھا اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ یہیں بیٹھ کر مہمانوں سے ملتے تھے یا اس کے دروازے پر میدان میں چار پائیوں پر بیٹھا کرتے تھے اس کے بعد بھی دو تین سال تک وہی مہمان خانہ رہا۔اس کے بعد شہر کی فصیل جب فروخت ہوئی تو اس کو صاف کر کے اس پر مکانات بننے کا سلسلہ جاری ہوا اور وہ جگہ بنائی گئی جہاں حضرت مولانا نورالدین کا مطب اور موٹر خانہ ہے اور اس کے بعد وہ مکان بنایا گیا جہاں اب مہمان خانہ ہے... پھر جب مولوی محمد علی صاحب کے واسطے مسجد مبارک کے متصل اپنے مکان کی تیسری منزل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کمرہ بنوایا تو جب تک مولوی محمد علی صاحب کی شادی نہیں ہوئی مجھے بھی اسی کمرے میں حضرت صاحب ٹھہرایا کرتے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے اس کمرہ میں ٹھہرایا۔ جو مسجد مبارک اور حضرت صاحبؑ کے قیام گاہ کے درمیان شمالی جانب ہے اور جس میں سے مسجد مبارک کی طرف ایک کھڑکی کھلتی ہے۔ یہی بیت الذکر ہے۔میں بی اے کے امتحان کی تیاری کے واسطے چندروز کی رخصت لیکر قادیان آیا ہوا تھا۔''

حضرت مفتی صاحبؓ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات لکھ لیا کرتے تھے۔اس میں آپؓ کے شوق کے علاوہ ایک اور محرک بھی تھا جس کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں:

’’پہلی دفعہ جب 1890ء کے اخیر میں قادیان آیا اور بیعت کرکے واپس اپنی ملازمت پر جموں پہنچا تو حضرت استاذی المکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے مجھ سے قادیان کے تمام حالات دریافت کئے۔ حضرت صاحبؑ کیا کرتے تھے، کتنی دفعہ سیر کو گئے؟ راستہ میں کیا فرمایا وغیرہ؟ حضرت مولانا صاحب کی اس دلچسپی کے باعث مجھے شوق ہوا کہ جب کبھی میں قادیان آتا، تمام حالات لکھ کر حضرت مولوی صاحب اور دوسروں کو بھیجتا رہتا۔ اس طرح مجھے ایسے حالات لکھتے رہنے کی عادت ہوگئی اور بہت سی پرانی نوٹ بکیں اب تک میرے پاس موجود ہیں...‘‘

اسی طرح آپؓ لکھتے ہیں:

’’...محمد افضل خان صاحب ایڈیٹر اخبار البدر کی وفات پر جب اُس اخبار کی ایڈیٹری کا کام عاجز راقم کے سپرد ہوا۔اور ہائی سکول کی مدرسی سے فراغت حاصل کرکے عاجز صرف اس کام پر لگ گیا تو مجھے وقت کا زیادہ حصہ حضرت صاحب ...کی صحبت میں بیٹھنے اور آپ کے کلام کو لکھنے کیلئے ملنے لگا اور ان حالات کو میں اپنے اخبار میں ڈائری اور القول الطیب کے عنوان کے ماتحت درج کرتا رہا...‘‘

حضرت مفتی صاحب کی اس یادگار خدمت پر حضرت مولانا نورالدین نے فرمایا:

’’آپ نے ایسا خط لکھا ہے کہ گویا مجھے حضرت صاحب کی مجلس میں بٹھادیا ہے۔‘‘

حضرت مفتی صاحبؓ لاہور میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے کئی دفعہ زندگی وقف کر کے قادیان آنے کا ارادہ کیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ابتداً منع فرمایا مگر بعد میں اجازت ملنے پر حضرت مفتی صاحبؓ قادیان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور حضرت مفتی صاحبؓ کے عاشقانہ رنگ کا اظہار کرتے ہوئے حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحبؓ فرماتے ہیں:

"معزز ناظرین! یہ وہ وقت ہے جب ہمارا صادق عثمانی دوست (حضرت مفتی صاحب) اپنے محبوب کے عشق میں سرگرداں تھا۔ وہ اس پروانہ کی مانند تھا، جو شمع کے گرد بڑی بے تابی سے اِدھر اُدھر پھرتا اور آخر اس میں گر کر اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے اور وہ اس بچہ کی مانند تھا جو بدر کامل کو دیکھ کر ہمک ہمک کر اُوپر اٹھتا اور اس تک پہنچنے میں مقدور بھر کوشش کرتا ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ بھی کیا ہی لذت کا زمانہ تھا جب ہمارا کوئی دوست موقع پاتا تو دیوانہ وار اٹھ دوڑتا۔ نہ رات دیکھتا نہ دن۔ آخر عشق صادق نے اپنا رنگ دکھایا اور وہ قطرہ سمندر میں آ کر مل گیا یا یوں کہئے کہ جس لڑی کا موتی تھا، اس میں پرو دیا گیا۔"

"ذکر حبیب" پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے حضرت مفتی صاحبؓ کسی کو یہ کہہ رہے ہوں کہ ؎

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

(روزنامہ الفضل ربوہ 28 جولائی 1996ء)

○○

ایک مفید کتاب ۔ جماعت احمدیہ کا تعارف

ہمارے نوجوان مربی مکرم مبشر احمد صاحب خالد نے ’’جماعت کا تعارف‘‘ کے نام سے احمدی احباب کی تعلیم وتربیت کیلئے قریباً 350 صفحات پر مشتمل ایک دلچسپ کتاب مرتب کی ہے اور لجنہ کراچی کے شعبہ اشاعت کی مطبوعات کی فہرست میں یہ ایک بہت مفید اضافہ ہے۔اس کتاب کے افتتاحیہ میں مکرم ناظر صاحب اصلاح وارشاد تحریر فرماتے ہیں:

’’اس کتاب میں موصوف نے جماعت احمدیہ کے قیام کے پس منظر سے لے کر جماعت کے مستقبل تک بڑے عمدہ انداز میں اور ضروری تفصیل کے ساتھ جماعت کا تعارف پیش کیا ہے اور جماعت سے متعلق تمام ضروری تعارفی معلومات جمع کر دی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب جہاں نئے احمدی بھائیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بہت زیادہ مفید ہوگی وہاں پر پرانے احمدیوں کے علم میں بھی گراں قدر اضافہ کرنے کا موجب ہوگی۔خصوصیت سے عزیز نوجوانوں اور طلباء کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی...

اس موقعہ پر لجنہ اماء اللہ کراچی کا ذکر بھی ضروری ہے۔لجنہ اماء اللہ کراچی نے

اس دور میں علم کی اشاعت کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور جماعتی لٹریچر میں مفید لٹریچر کا اضافہ کیا ہے۔زیرنظر کتاب بھی لجنہ اماءاللہ کراچی کی تحریک پرہی مکرم مبشر احمد صاحب خالد نے مرتب کی ہے۔‘‘

محترمہ سلیمہ میر صاحبہ صدر لجنہ کراچی نے اس کتاب کے پیش لفظ میں کتاب کے مختلف موضوعات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

’’...قدرت ثانیہ کے دور میں جماعت احمدیہ عالمگیر کے بابرکت نظام کا مکمل ڈھانچہ سامنے رکھ دیا ہے۔اس عظیم الشان دور کی عظیم الشان عمارت میں داخل کرکے گلشن احمد کی ہر کیاری ۔ ہر روش تروتازہ پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گلشن باغ و بہار کے نظام نو کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رکھے اور ہمیشہ ہمیش اپنی رحمتوں اور فضلوں کے ٹھنڈے سایوں میں رکھے...

ہماری درخواست پر مکرم ناظر صاحب اصلاح و ارشاد نے بھی اس پر خوبصورت افتتاحیہ لکھا ہے اور اس کتاب کو تعریفی کلمات سے نوازا ہے۔میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہر دو مربیان اور باقی مہربان احباب کو جو اس کی تیاری میں معاون ہوئے ہیں جزاہائے خیر سے نوازے ....لجنہ کراچی کے شعبہ اشاعت کی ٹیم امۃ الباری ناصر،مسز برکت ناصر،شہناز نعیم اور دیگر ممبرات دعا کی مستحق ہیں...

میرے خیال میں یہ کتاب ہر فرد جماعت احمدیہ کی ضرورت ہے۔ خدا کرے ہم ہر ایک ممبر تک پہنچاسکیں۔ یہ ہماری شناخت ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو استفادہ کرنے کی باعمل توفیق فرمائے۔‘‘

جماعت احمدیہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نصائح کے عنوان کے تحت آپ نے متعدد حوالہ جات پیش کئے ہیں ان میں سے پہلا اقتباس درج ذیل ہے:

’’اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔ خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو، تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو، یا گالی کے مقابل پر گالی دو کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔‘‘

(روحانی خزائن جلد 3 ازالہ اوہام صفحہ 547)

اس مفید کتاب کے آخر میں ’’جماعت احمدیہ کا مستقبل‘‘ کے عنوان کے تحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت ایمان افروز اور امید افزا اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:

''یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کردے گا۔تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے۔...مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے...وہ آخر فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔''(روحانی خزائن جلد 9 رسالہ الوصیت ص309)

(روزنامہ الفضل ربوہ 12 مئی 1997ء)

○○

گمنام و بے ہنر

(مصنف: محمد سعید احمد --ناشر: خالد احمد سعید)

''گمنام و بے ہنر'' سلسلہ کے ایک پرانے خادم کے حالات یا ان انعامات کا ذکر ہے جو مصنف کو والدہ کی دعاؤں اور احمدیت کو ایک انعام سمجھتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنے کی برکت سے حاصل ہوئے۔

ایک مخلص، محنتی خادم سلسلہ کی زندگی کے حالات کا نام ''گمنام و بے ہنر'' نہایت پُر حکمت اور مصنف کی طبع رسا، نکتہ دانی اور حسن انتخاب کا ثبوت ہے۔ پاکستان میں احمدیوں پر بے جا ظالمانہ قوانین کی وجہ سے بہت سی پابندیاں عائد ہیں۔ طالبعلموں کو تعلیمی اداروں میں ،ملازمین کو ملازمت میں اور کاروباری حضرات کو اپنے کاروبار میں دوسرے شہریوں کی طرح ترقی کے مواقع برابر نہیں ملتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے مصنف کو زندگی کے مختلف ادوار میں یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ احمدیت کا ہر مجلس میں برملا ذکر ہی نہیں حسب موقع تبلیغ بھی کرتے رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مخالفین کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی ترقی کے دروازے بند نہ کئے جا سکے۔

مصنف کو قادیان ،ربوہ اور لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔

زمانہ طالبعلمی سے ہی آپ کو اہم جماعتی خدمات کی توفیق ملتی رہی۔اس کے بعد کم وبیش نصف صدی تک لاہور، سرگودھا، کراچی، پشاور، چک لالہ، راولپنڈی وغیرہ میں ملازمت کے ساتھ نہایت مفید ونتیجہ خیر خدمات کی توفیق ملتی رہی۔

سوانح عمریوں میں ’تحدیث نعمت‘ کا رنگ غالب ہوتا ہے اس لئے بالعموم سوانح نگار اپنی غلطیوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں یا ایسے رنگ میں ذکر کرتے ہیں جس میں تعریف وتوصیف کا رنگ پیدا ہو جائے مگر مصنف نے اپنی خداداد قوت مشاہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی غلطیوں کا برملا اعتراف وتذکرہ کرتے ہوئے ان سے سبق اور نصیحت حاصل کرنے کا ذکر بہت سادہ اور مؤثر انداز میں کیا ہے۔صرف دو واقعات ملاحظہ ہوں۔آپ لکھتے ہیں:

’’1952-54ء میں خاکسار پہلے احمدیہ انٹر کالجیئیٹ ایسوسی ایشن لاہور کا سیکرٹری مال، پھر جنرل سیکرٹری اور پھر صدر تھا۔خاکسار واحد شخص ہے جس کو بیک وقت پریذیڈنٹ احمدیہ کالجیٹ ایسوسی ایشن لاہور اور قائد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور شہر وضلع کے عہدے بذریعہ انتخاب ملے۔تعلیم الاسلام کالج لاہور میں ہونے کی وجہ سے لاہور کے مختلف کالجوں میں زیر تعلیم احمدی طلباء کی تعداد قریباً چار صد تھی۔ایک دن خاکسار کو بطور صدر احمدیہ کالجیئیٹ ایسوسی ایشن محترم شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ نے ارشاد فرمایا کہ بیرون ملک سے آئے ہوئے چند مبلغین کے اعزاز میں احمدیہ انٹر کالجیئیٹ ایسوسی ایشن چائے کی پارٹی دے اور شرکاء کی تعداد قریباً دوصد ہو۔مالی تنگی کا زمانہ تھا۔پھر طلباء کے پاس فالتو رقم بھی نہیں ہوتی تھی جس کی وجہ سے 50 روپے کم پڑ گئے۔مَیں نے سوچا کہ یہ تقریب دراصل تو جماعت کی ہے یہ کمی جماعت کے فنڈ سے پوری کر لیتے

ہیں۔ خاکسار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو مرکز سے آئے ہوئے اور چند ایک مقامی بزرگان سلسلہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی اہم مشورہ ہو رہا تھا۔ خاکسار اجازت لے کر ایک طرف بیٹھ گیا تو امیر صاحب نے آمد کا مقصد پوچھا۔ خاکسار کو دوسرے بزرگوں کے سامنے سوال کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی تو امیر صاحب نے فرمایا کہ یہ سب مخلص احمدی ہیں تمہارا راز افشاء نہیں کریں گے۔ مَیں نے مدعا بیان کیا تو کہنے لگے بس اتنی سی بات تھی۔ کہنے لگے لکھ دو۔ مَیں نے رسید لکھ کر دی تو انہوں نے واپس کر دی اور کہا کہ مجھے رسید نہیں چاہئے۔ تمہاری تحریر چاہئے کہ امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ایک دینی خدمت میرے سپرد کی تھی جو مَیں اپنی نالائقی کی وجہ سے نہیں کر سکا اور میری اتنی مدد کی جائے۔ مَیں نے کہا کہ یہ تو مَیں نہیں لکھوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ اتنے غیرتمند ہو تو پھر میرے پاس کیوں آئے ہو، جاؤ جا کر کام مکمل کرو۔ اس واقعہ کا مجھے یہ فائدہ ہوا کہ پھر سلسلہ کا کام کرتے ہوئے مجھے کوئی ایسی دشواری نہیں ہوئی۔ جو خدمت میرے سپرد ہوئی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کام مکمل کر دیا۔

محترم شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ نوجوانوں سے کام لینا خوب جانتے تھے۔ ان کی نفسیات کو سمجھتے تھے۔ نوجوانوں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ ناراض ہوتے تھے تو بس اتنا کہتے:

"There are very few people wise in this world, mostly they are otherwise"

یہ فقرہ غلطی کرنے والے نوجوانوں کے لئے کافی تازیانہ ہوتا تھا۔‘‘

(صفحہ 49-48)

ایک اور سبق آموز واقعہ کا ذکر آپ یوں کرتے ہیں:

''مَیں انجینئرنگ کالج میں تھا۔ ہمارے پرنسپل کی ایک یہ عادت تھی کہ کسی کلاس میں پیریڈ شروع ہونے کے دس پندرہ منٹ بعد خاموشی سے داخل ہوتے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتے۔ استاد اور طلباء کا بغور جائزہ لیتے۔ باری باری وہ روزانہ مختلف کلاسوں میں جاتے۔ ہمارے ایک جرمن پروفیسر تھے۔ کئی کتب کے مصنف تھے اور اپنے مضمون میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ وہ لیکچر کے دوران کوئی مداخلت پسند نہ کرتے تھے اس لئے کلاس میں داخل ہونے کے بعد تمام دروازے بند کروا دیتے اور اندر سے چٹخنی چڑھا دیتے۔ ایک دن پرنسپل صاحب ان کی کلاس میں آئے۔ دیکھا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے کھٹکھٹایا تو پروفیسر کریمر نے پوچھا کہ کون ہے تو پرنسپل نے اپنا نام بتایا۔ پروفیسر صاحب نے پوچھا کہ کیا کام ہے تو پرنسپل نے کہا مَیں تمہاری کلاس میں کچھ دیر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر نے کہا کہ کل کلاس شروع ہونے سے پانچ منٹ قبل آجائیں مگر دروازہ نہ کھولا۔ پرنسپل نے دوسرے روز ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کا دونوں کے تعلقات پر کوئی منفی اثر نہ پڑا۔ ہم پاکستانی طلباء کے لئے ان یوروپین اساتذہ کا یہ انداز حیران کن تھا۔''

آپ کی خدمات کی فہرست کافی طویل ہے تاہم ابتدا میں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی قیادت اور خدمت خلق کے یادگار کارنامے اور پھر آخر میں سیکرٹری وقف نو جماعت احمدیہ لاہور کی حیثیت میں آپ کو تاریخی خدمات کی سعادت حاصل ہوئی۔

(الفضل انٹرنیشنل 25 اگست 2006ء صفحہ 13)

کتاب الآداب

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اپنی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

''الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل ورحم سے مجھے اس عمر میں، جبکہ میری عمر 80 سال ہو رہی ہے، توفیق دی کہ جو قلم میں نے مسلسل 1897ء سے خدمت سلسلہ کے مقصد نیک سے ہاتھ میں لیا تھا اس وقت تک کسی نہ کسی رنگ میں چل رہا ہے۔ میں اس کے فضل ورحم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ آخری وقت تک توفیق دے گا۔''

حضرت عرفانی صاحبؓ کا اس سے بہتر تعارف اور کیا ہوگا۔ سلسلہ کی خدمت کے نیک مقصد میں آپ کا قلم مسلسل حرکت میں رہا اور بہت سی مفید و موثر علمی تربیتی اور تاریخی کتب کی تخلیق کا باعث بنا۔ آپ اپنی نہایت مفید تصنیف ''کتاب الآداب'' کے تعارف کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

''چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا میں نے تہذیب کے نام سے ایک مختصر سا رسالہ سلسلہ آداب واخلاق میں شائع کیا تھا۔ جس میں بشری اور طبعی ضرورتوں کے آداب کو احادیث کی روشنی میں پیش کیا تھا۔ ارادہ تھا کہ چھوٹے

رسائل کی صورت میں اس کی تکمیل کروں مگر علم الٰہی میں اس کے لئے وہ وقت نہ تھا۔اس لئے ایک رسالہ کے بعد میں کچھ نہ لکھ سکا۔بعض دوستوں نے مضحکہ بھی اُڑایا کہ وہ کسی مضمون پر لکھنے کا اعلان کرتا ہے اور پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ مجھے ایسے معترضین پر ہمیشہ رحم آیا کہ وہ خود کچھ نہیں کر سکتے اور اس کوچہ سے ناواقف ہیں۔ بہرحال اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عمر میں جبکہ محنت کی طاقت ختم ہو رہی ہے توفیق بخشی کہ اس خواہش کے پورا کرنے کیلئے قلم اٹھاؤں اور میں اس رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اس موضوع پر آغاز تحریر کرتا ہوں اور اس ابتدائی بیان میں اس امر کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں کہ آداب و اخلاق دو جداگانہ اعمال ہیں...اس بحث کے بعد میں عملی زندگی کے آداب پر بحث کرنے کی اپنے علم و فہم کے مطابق کوشش کروں گا۔اسے مفید و بابرکت بنانا اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم پر موقوف ہے۔‘‘

اس کتاب کے بعض ذیلی عنوان درج ذیل ہیں: آداب یا ایٹی کیٹ ۔فطری و طبعی ضرورتوں کے آداب۔ کھانے پینے کے آداب۔ دوسری فطری ضروریات کے آداب (طہارت وغیرہ)۔تیسری طبعی ضرورت کے آداب (نیند) ۔تمدنی ضروریات کے آداب۔ آداب مجلس ۔آداب ملاقات ۔آداب الکلام ۔شہریت کے آداب ۔متفرق آداب۔

مذکورہ بالا عنوانوں سے ظاہر ہے کہ روز مرہ سے تعلق رکھنے والے ارشادات کا یہ ایک حسین مرقع و مجموعہ ہے۔ یہ پیاری کتاب جو قریباً اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ہے ہر صفحہ پر ایسی ہدایات اور رہنمائی پیش کرتی ہے جو انسان کی بہتر زندگی گزارنے کی ضمانت اور خدا تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے حصول کا باعث ہے۔مغربی اقوام اور کلام الٰہی کا معیار۔لباس کے عنوان

کے تحت حضرت عرفانی صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

''مغربی اقوام نے جنہیں اپنی تہذیب وتمدن پر ناز ہے۔لباس کو محض فیشن یا زینت کا ذریعہ بنایا۔کلام اللہ اس کی زینت کے پہلو نظرانداز نہیں کرتا مگر وہ اس زینت کی اجازت نہیں دیتا جو ستر پوشی اور تقویٰ کی باریک سے باریک رعایتوں سے عاری ہو۔اسے خوب یاد رکھو کہ کلام الٰہی محض ستر پوشی یا زینت مقصد قرار نہیں دیتا بلکہ وہ کہتا ہے (تقویٰ کا لباس بہتر ہے) زینت اور ستر پوشی اس کے جسمانی پہلو ہیں اس کی اصل غرض تقویٰ اللہ ہے اس لئے جس لباس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو خواہ وہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو اور کیسا ہی خوبصورت ہو وہ نگاہ تقویٰ میں عریانی ہے۔ یہاں کلام الٰہی نے فلسفہ لباس کے متعلق ایک اصل تعلیم فرمایا۔ ایک دوسرے مقام پر اس کی نہایت لطیف صراحت فرماتا ہے چنانچہ عورت کے متعلق فرماتا ہے ....عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔غور کرو کس لطیف پیرایہ میں عفت اور احسان کی تعلیم دی ہے اور لباس کے مقصد تقویٰ کی طرف متوجہ کیا ہے۔

میں اس کتاب کو لکھ رہا ہوں اور ہر مرحلہ پر میں اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں۔کلام الٰہی کے حقائق ومعارف کا ایک بے پایاں سمندر میرے سامنے ہوتا ہے اور میں اس میں سے ایک چلو کے برابر بھی نہیں لے سکتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک قطرہ سے بھی کم۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 18 جولائی 1995ء)

○○

آوازِ دوست

سرکاری ملازمت میں نیک نامی اور ادبی حلقوں میں اچھی شہرت، کم خوش نصیبوں کے حصہ میں آتی ہے۔ تاہم آواز دوست کے مصنف مختار مسعود نے ان سے حصہ وافر پایا۔ کوئی بیس سال قبل جب ان کی زیر نظر کتاب شائع ہوئی تو اسے بہت شہرت حاصل ہوئی اور ایسی مقبولیت حاصل ہوئی جو بہت کم کتابوں کو ملتی ہے۔

آواز دوست میں سے تین اقتباس بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں۔ اس سے کتاب کے انداز اور مصنف کے رجحان کا بخوبی پتہ چل سکتا ہے اور یہ بھی کہ احمدیت کے معاندین کا انجام کیسا ہوا۔

''ظفر علی خان کا زمیندار اخبار میں نے بہت کم پڑھا ہے۔ جب اس کا شہرہ تھا میں اس وقت اتنی مسافت پر رہتا تھا کہ یہ اخبار وہاں دوسرے یا تیسرے روز پہنچتا تھا۔ روزے آپ قضا کر سکتے ہیں مگر روز نامے کی قضا کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ہو بھی تو کیونکر ہو جب روز نامہ پہلے دن اخبار کہلاتا ہے اور دوسرے دن سے ردی شمار ہوتا ہے۔ ہمارا واسطہ البتہ برسوں ایسے اخبارات سے بھی رہا جو روز اشاعت سے ہی دوسرے دن کا اخبار معلوم ہوتے ہیں کچھ یہی

حال اس وقت زمیندار کا ہو چکا تھا جب میں اسے روز کے روز پڑھنے لگا۔ یہ بات قیام پاکستان کے ابتدائی ایام کی ہے جو زمیندار کے آخری ایام تھے۔ کتابت ناقص اور اخبار بدزیب تھا مصلحت کا یہ عالم تھا کہ اخبار کا مسلک ہر روز تبدیل ہو جاتا اور جس کسی سے دام ملنے کی امید نظر آتی اخبار اس کا بندہ بے دام بن جاتا۔ خبروں کی صحت کا یہ کمال تھا کہ ایک دن کسی کا جنازہ نکال دیتے اور اگلے روز اسی کے حق میں مسیحائی فرما دیتے...ایک رات میں زمیندار کے دفتر میں داخل ہوا۔ مجھے ایک خبر کی تفصیل درکار تھی جس کا ریڈیو پر اعلان ہو چکا تھا۔ دفتر کی حالت دیکھ کر دُکھ ہوا۔ ان دنوں دفاتر کے بارہ میں میرا علم اور تجربہ بڑا محدود تھا میں نے دہلی میں وائسرائے کا دفتر اور کلکتہ میں اخبار سٹیٹسمین کا دفتر باہر سے دیکھ رکھا تھا۔ اب جو اردو کے مشہور روزنامے کے دفتر میں داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ ایک کمرے میں مدہم سا بلب جل رہا تھا۔ اور ایک کاتب اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک لکڑی کا تخت اور دو چار کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ در و دیوار پر حسرت برستی تھی۔ اگلے کمرے کی حالت بھی ایسی تھی۔ میز اور ڈیسک کچھ ایسے بے ترتیب اور خاک سے اٹے ہوئے تھے جیسے مدت سے ان کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔ کمرے کے وسط میں دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے میں نے کام بتایا جواب ملا کہ اس وقت دفتر میں کوئی نہیں۔ ویسے وہ فہرست جو آپ کو درکار ہے وہ ہمارے دفتر میں ابھی تک نہیں پہنچی۔ جب میں واپس مڑا تو وہ دونوں بھی کمرے کی بتی بند کر کے باہر نکل آئے۔ اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ زمیندار کا چراغ گل ہو گیا۔ زمیندار اخبار کا بڑا سا بورڈ اتار کر دفتر کی پیشانی پر زمیندار ہوٹل کا بورڈ لگا دیا گیا۔ میں نے پہلی بار نیا بورڈ دیکھا تو مجھے زمیندار اخبار کے ادارتی عملے کے بہت سے نام یاد آنے لگے۔ علامہ نیاز فتحپوری، مولوی وحید سلیم پانی پتی، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، عبداللہ العمادی اور چراغ حسن حسرت۔ ان لوگوں کی جگہ اب

ہوٹل کے بیروں اور خانساموں نے لے لی تھی۔شاید یہ کوئی ایسا غیر متوقع سانحہ بھی نہ تھا کیونکہ مولانا ظفر علی خاں کی جگہ بھی تو آخر مولانا اختر علی خاں کے حصہ میں آئی تھی۔وقت کا سیلاب کسی نسل کیلئے تھم جاتا ہے اور کسی کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کو میں نے آخری بار مری میں دیکھا تھا۔کمشنر ہاؤس کے نزدیک ایک پھاٹک پر ان کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی بوڑھے اور علیل ظفر علی خاں کا بس نام ہی رہ گیا تھا۔کام ان کا پورا ہو چکا تھا اور اس کے تمام ہونے میں زیادہ دیر نہ تھی۔میں جب بھی ان کے گھر کے سامنے سے گزرا تو پھاٹک سے ڈھلوان پر نیچے اترتی ہوئی پہاڑی پگڈنڈی کو ہمیشہ گھورتا تاکہ شاید ظفر علی خاں نظر آجائیں۔ایک دن وہ نظر آگئے۔رکشا پر بیٹھے ہوئے تھے جسے دو قلی آگے ہانک رہے تھے۔اور دو پیچھے سے تھامے ہوئے تھے۔مولانا نحیف ونزار تھے۔نظر کمزور۔سماعت ثقیل، زبان خاموش، سر ہلتا تھا اور آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔جوانی میں میانہ قامت ہوا کرتے تھے اب بڑھاپے میں پستہ قامت نظر آئے۔رکشا کے قلی بے خبر تھے کہ ان کی سواری کو مولانا حالی نے نازش قوم اور فخر اقران کہا تھا اور ایک قصیدے میں اسے شیر دل اے ظفر علی خاں کہہ کر مخاطب کیا تھا۔رکشا تیزی سے ڈھلوان پر اتر گیا اور میں آہستہ آہستہ چڑھائی کی طرف روانہ ہوا۔"

سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے اپنی عقیدت ومحبت اور ان کی خطابت کو اپنے مخصوص رنگ میں خراج تحسین پیش کرنے کے بعد شاہ جی سے ایک ملاقات کی تفصیل تحریر کی ہے۔اس کا آخری حصہ درج ذیل ہے:

"میں نے شاہ جی سے جو سوال کئے وہ سب سودو زیاں کے بارہ میں تھے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ گزشتہ چالیس برس میں جو آپ کی عوامی زندگی پر محیط ہیں آپ

نے برعظیم کے مسلمانوں کو اسلام کے قریب آتے ہوئے دیکھا ہے یا دور جاتے ہوئے پایا ہے۔ جواب ملا کہ مسلمانوں میں دو طبقے پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں ایک مذہب سے قریب دوسرا اس سے کچھ دور۔ ان دونوں طبقوں کا درمیانی فاصلہ اس چالیس سال میں بہت بڑھ گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ مذہب سے بے گانہ ہیں ان کی تعداد اور قوت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

میں نے دوسرا سوال پوچھا۔ برصغیر کی گزشتہ چالیس سال کی تاریخ میں زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں ایسے نامور مسلمان ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر ان سب کی موجودگی میں اسلام سے بے گانہ ہو جانے والوں کی تعداد اور قوت میں اضافہ ہوا ہے تو اس کے مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جس کے مسائل آپ کے عہد سے زیادہ الجھے ہوئے اور رہنما آپ کے معیار سے کم مایہ ہوں گے۔ کیا یہ بات قابل افسوس نہیں کہ جو ملی سرمایہ آپ کو اسلاف سے ملا تھا۔ اس سے آپ کا ترکہ کم تر ہوگا۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ہمیں اپنے مقصد میں اس لئے کامیابی نہ ہوسکی کہ دوسو برس کے عرصہ میں فرنگی کی تعلیم اور تہذیب نے اپنا پورا تسلط جما لیا تھا۔ آسودہ حال لوگ علی گڑھ کی طرف چلے گئے اور ناکارہ آدمی دینی مدارس کے حصے میں آئے۔ جنگ آزادی کی ہماہمی میں سیاست دین پر اور منافقت دنیا پر غالب آئی۔ ساری توجہ اور توانائی نئی تعلیم اور نئی سیاست کی نذر ہوگئی جو لوگ باقی رہے ان میں سے کچھ ہندو تمدن کے زیر اثر رہ کر گمراہ ہو گئے۔ صرف بچے کھچے اور لٹے پٹے لوگ ہی دین کے قافلہ میں شامل ہوئے۔ ہمارا سرمایہ خوب تھا مگر نسل ناخوب تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ آبائی ورثہ بھی

کھویا۔اپنی کمائی بھی گنوائی اور مستقبل کو بھی مخدوش بنا دیا۔

میں نے آخری سوال کی اجازت چاہی اور اسے دو طرح سے پوچھا۔ایک شکل یہ تھی کہ اگر قیامت کے دن آپ سے پوچھا گیا کہ اے وہ شخص جسے بیان و کلام میں چالیس کروڑ افراد پر فوقیت دی گئی تھی،اس خطابت کا حساب پیش کروتو آپ ناکام تحریکوں کے علاوہ اور کیا پیش کریں گے۔اس سوال کی دوسری شکل یہ تھی کہ آپ نے اپنی جدوجہد کا انجام دیکھ لیا۔اب اگر زمانہ چالیس برس پیچھے لوٹ جائے تو آپ اپنی خطابت اور طلاقت کا دوبارہ وہی استعمال کریں گے یا آپ کی زندگی بالکل نئی ہوگی۔شاہ جی یکا یک خاموش ہو گئے۔ان کی خاموشی میں آزردگی بھی شامل تھی۔میں نے موضوع بدل دیا اور اپنی آٹو گراف البم ان کے سامنے کر دی۔شاہ جی نے اسے پہلو پر رکھا اور لکھا۔

وہ اٹھتا ہوا اک دھواں اول اول
وہ بجھتی سی چنگاریاں آخر آخر
قیامت کا طوفان صحرا میں اول
غبار رہ کارواں آخر آخر
چمن میں عنادل کا مسجود اول
گیاہِ رہِ گلرخاں آخر آخر"

(روزنامہ الفضل ربوہ یکم جنوری1997ء)

○○

میری یادیں

مکرم ملک محمد عبداللہ صاحب ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنہیں بڑے اخلاص اور لگن کے ساتھ ایک لمبا عرصہ جو نصف صدی سے بھی زیادہ بنتا ہے سلسلہ کی اہم خدمات بجا لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔اس لمبے عرصہ میں آپ کی خوش بختی نے آپ کے لئے یہ مواقع بہم پہنچائے کہ آپ کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ،حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ ، حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہؓ جیسی عظیم ہستیوں کے ساتھ کام کرنے اور ان سے فیض اٹھانے کے زریں مواقع حاصل ہوئے۔

مکرم ملک صاحب نے اپنے احباب واعزہ کے اصرار پر اپنی خوشگوار یادیں ''میری یادیں'' کے عنوان سے مرتب کی ہیں۔اس کتابچہ میں مذکورہ بالا نابغہ روزگار ہستیوں کے حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔کتاب میں مندرج تمام واقعات ایک سے ایک بڑھ کر دلچسپ بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔جن میں سے کسی ایک یا دو کا انتخاب بہت مشکل ہے۔

''مسجد فضل'' فیصل آباد کے افتتاح کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے محترم ملک صاحب تحریر کرتے ہیں:

''1934ء میں فیصل آباد ''مسجد فضل'' کی افتتاحی تقریب تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس بابرکت تقریب کے موقع پر تشریف لا رہے تھے۔ قادیان سے معلمین کلاس کے طلبہ اس موقع پر ایک ہفتہ قبل فیصل آباد بھجوا دیئے گئے تھے تاکہ اردگرد کی احمدی جماعتوں کو اس تقریب میں زیادہ سے زیادہ شمولیت کی تحریک کی جائے۔ خاکسار بھی ان طلبہ میں شامل تھا۔ دن بھر اردگرد کی جماعتوں میں دورہ کر کے ہم سب مغرب کے وقت ''مسجد'' میں جمع ہو جاتے اور رات گئے تک دینی اور روحانی مجلس قائم ہوتی۔ جماعت کے دیگر احباب بھی اس میں شامل ہوتے چونکہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تشریف آوری کا پروگرام تھا اس لئے احباب جماعت میں بڑا جوش وخروش تھا اور تمام احباب انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

تاریخ مقررہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قادیان سے تشریف لا کر بڑی رقت آمیز اور پُرسوز دعاؤں کے ساتھ افتتاح فرمایا۔ جس دن حضورؓ کا علی الصبح واپسی کا پروگرام تھا رات عشاء کے وقت محترم ڈاکٹر محمد شفیع صاحب.... میرے پاس تشریف لائے آپ ان دنوں جڑانوالہ میں شفاخانہ حیوانات کے انچارج ڈاکٹر تھے اور چند دنوں سے ہسپتال کے بعد روزانہ مسجد کی افتتاحی تقریب کی وجہ سے فیصل آباد آجاتے تھے۔ جڑانوالہ سے فیصل آباد قریباً بیس میل کا فاصلہ ہے۔ آپ نے کہا کہ حضرت صاحبؓ کل فجر کی نماز کے بعد قادیان واپس تشریف

لے جارہے ہیں(آپ) کی خدمت میں یہ درخواست کرنی ہے کہ راستہ میں پندرہ منٹ جڑانوالہ قیام فرما کر چائے کی دعوت قبول فرمائیں۔ یہ درخواست کرنے کے لئے آپ بھی میرے ہمراہ چلیں...حضرت صاحبؒ نے فرمایا دیر ہو جائے گی اور میرا تجربہ ہے کہ یہ پندرہ منٹ کئی گنا زیادہ ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یقین دلایا کہ وقت کی پابندی کریں گے۔ بہرحال حضرت صاحبؒ نے اس کی منظوری عطا فرمائی جس پر ڈاکٹر صاحب کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب نے میرے متعلق بھی عرض کی کہ...میرے ساتھ ملک عبداللہ صاحب کو بھی جڑانوالہ جانے کی اجازت عطا فرمادیں حضرت صاحب نے اسے بھی منظور فرمادیا۔محترم ڈاکٹر صاحب نے اسی وقت ایک گاڑی کا انتظام کیا اور ہم جڑانوالہ پہنچ گئے....

تیزی سے انتظامات شروع کردیئے دو تین گھنٹوں میں قریباً یکصد آدمیوں کو چائے پلانے کا انتظام مکمل ہوگیا۔شفاخانہ کے وسیع صحن میں خوبصورت شامیانہ اور قناتیں لگ گئیں۔اس انتظام کے ساتھ محترم ڈاکٹر صاحب نے شہر کے متعدد معززین کو بھی مدعو کرلیا۔اگرچہ علی الصبح کا وقت تھا لیکن کئی غیر از جماعت احباب حضرت امام جماعت احمدیہؒ کی ملاقات کے شوق میں دعوت میں تشریف لے آئے۔ جماعت کے احمدی دوست اپنے آقا کی آمد کی خوشی میں ساری رات وہاں موجود رہے اور انتظامات میں مدد کرتے رہے۔فجر کی نماز کے تھوڑی دیر بعد حضرت صاحبؒ اپنے مصاحبین کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ حضرت صاحبؒ نے اتنا بڑا انتظام دیکھ کر تعجب اور خوشی کا اظہار فرمایا۔محترم ڈاکٹر

صاحب نے تو اپنا پندرہ منٹ کا وعدہ پورا کر دکھایا ،مگر دعوت میں موجود غیر از جماعت معززین کے شوق کو دیکھ کر حضرت صاحبؒ نے یہ ملاقات اور گفتگو نصف گھنٹہ تک جاری رکھی۔ ازاں بعد دعا کی گئی اور حضرت صاحبؒ احباب کی دلی دعاؤں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس واقعہ کو یہاں پیش کرنے کا ایک یہ مقصد بھی ہے کہ اس کے پس منظر میں ایک اور بہت ہی ایمان افروز مثال ملتی ہے جو درج ذیل ہے:

جڑانوالہ کے احباب کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت صاحبؒ لائلپور (فیصل آباد) تشریف لا رہے ہیں تو ہر احمدی اس سفر کی تیاری کرنے لگا۔ جڑانوالہ کی ایک ضعیف و بیمار معمر خاتون نے اپنے بیٹے کو بالحاح واصرار کہا کہ مجھے بھی اس مبارک سفر پر ساتھ لے جاؤ میں بھی حضرت صاحبؒ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو روشن کرنا چاہتی ہوں۔ مگر کسی مجبوری اور مشکل کی وجہ سے اس بزرگ خاتون کا بیٹا اپنی مادر محترم کی اس خواہش کو پورا نہ کرسکا اور باوجود والدہ کے اصرار بلکہ منت سماجت کے وہ انکار پر ہی قائم رہا۔ جب اپنی والدہ کو پیچھے چھوڑ کر سفر پر جانے لگا تو اس خاتون نے بڑے مان اور اعتماد سے کہا کہ بیٹا تم تو مجھے پیچھے چھوڑے جا رہے ہو مگر میں نے سجدہ میں سر رکھ دینا ہے اور اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھانا جب تک میرا خدا میرے آقا کو یہاں جڑانوالہ لانے اور مجھے زیارت کرانے کا وعدہ نہیں کر لیتا۔''

اس متوکل اور پر اعتماد خاتون کی خواہش کس طرح پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کی دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے غیر معمولی حالات میں حضرت صاحبؒ کو جڑانوالہ جانے

پر آمادہ فرمایا اور اس خاتون کے جذبہ اور خواہش کا علم ہونے پر اس کے گھر جا کر اس کی خواہش کو پورا کرنے کا انعام فرمایا۔ اس کی تفصیل اور پس منظر محترم ملک صاحب کی یادوں میں مذکور ہے۔

محترم ملک صاحب نے مربی سلسلہ، اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل، ایڈیٹر مصباح، ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز، اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات بجالانے کی سعادت پائی۔ آپ متعدد مفید کتب کے مصنف بھی ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب میں جو بہت اچھے کاغذ پر طبع ہوئی ہے اگر کوئی کمی نظر آتی ہے تو وہ یہ ہے کہ واقعات بہت مختصر اور کتاب بہت چھوٹی ہے۔ محترم ملک صاحب کے پاس یقیناً ایسی یادوں کا ایک بڑا خزانہ موجود ہے۔

(روزنامہ الفضل 2 اپریل 1995ء)

○○

انعاماتِ خداوندِ کریم

حضرت پیر افتخار الحق صاحبؓ جو مشہور سجادہ نشین حضرت پیر صوفی احمد جان لدھیانویؓ کے فرزند اور حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ موجد قاعدہ یسرنا القرآن کے بھائی تھے اپنی کتاب ''انعامات خداوند کریم'' یا ''افتخار الحق'' میں ''کچھ اپنا حال'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بغیر میرے کسی حق کے محض اپنے فضل اور رحم سے وجودِ خلقت عطا فرمایا اور بہت بہت مہربانیاں فرمائیں۔ میرا نام افتخار احمد ہے۔ پیر کا لفظ اس لئے ہے کہ میرے والد صاحب پیری مریدی کرتے تھے۔ منظور محمد صاحب میرے حقیقی بھائی ہیں۔ میرا کچھ حال یہ ہے بمقام لدھیانہ 14 شعبان 1282ھ بروز سہ شنبہ جس دن میری والدہ نے روزہ رکھا ہوا تھا، پیدا ہوا۔ میری والدہ بہت نیک اور نیکوں کی اولاد تھیں۔ ان کی قبر بہشتی مقبرہ قادیان میں ہے۔ میرے والد صاحب کا نام احمد جان ہے، جن کا ذکر حضرت صاحب نے ازالہ اوہام میں کیا ہے۔''

اس مفید و موثر کتاب کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے میرے دل میں یہ نیت آئی کہ کچھ ایسی باتیں لکھی جائیں جو خلق اللہ کو نفع دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو میرے لئے عمل و ثوابِ جاریہ بنا دے۔ اس کا نام ''انعامات خداوند کریم'' ہو۔ عبارت عام فہم اور آسان اردو میں اور پیرایہ ایسا ہو جیسے کوئی کسی سے زبانی باتیں کرتا ہے... مسجد مبارک (قادیان) میں دو رکعت پڑھ کر اس کی ابتدائی چھ باتیں لکھیں۔ پھر جب اور جہاں موقع ملا لکھا اور کم و بیش بھی کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں اور گناہوں کو بخشے میری ستاری فرمائے۔ مجھے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے... اور اپنے فضل رحمت اور مغفرت سے قبول فرما کر اس کتاب کو اپنے بندوں کیلئے دنیا و عقبیٰ میں نافع بنائے...''

کتابی سائز کی 500 سے زائد صفحات کی یہ کتاب انمول و بیش قیمت نصائح اور تجربات پر مشتمل ہے۔ حضرت پیر صاحبؓ نے الگ الگ عنوانوں پر چھوٹے چھوٹے نوٹ یا شذرات تحریر کئے ہیں بعض عنوان ایک سے زائد مرتبہ بھی نظر آتے ہیں مگر کتاب میں تکرار محسوس نہیں ہوتی کیونکہ بہت ہی ناصحانہ رنگ میں بہت ہی پیار و محبت سے اس طرح باتیں کی ہیں کہ پڑھنے والا ان سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً معاملہ کی صفائی کے عنوان کے تحت حضرت پیر صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر معاملہ تمہارا اچھا ہے اور وعدہ تمہارا سچا ہے تو تم بڑے ساہوکار رہو۔ جس سے وعدہ کرو پورا کرو اور جو بات کہو سچی کہو۔ جو شخص کسی سے قرض لیتا ہے اور وعدہ پر نہیں دیتا خواہ اس کی شکل کیسی اچھی ہو اس کو آئندہ کوئی قرض نہیں دیتا۔

اس کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔تجارت سچ سے ترقی کرتی ہے اور جھوٹ، دغا اور دھوکا بازیوں سے تباہ برباد ہو جاتی ہے۔‘‘

’’محبت برادرانہ‘‘ کے عنوان کے تحت حضرت پیر صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

’’اے میرے پیارے بھائیو! دنیا کی چیزوں کے لئے آپس میں تنازع اور خصومت چھوڑ دو۔ دینی دنیوی زندگی کو تلخ نہ کرو، خواہ تھوڑا بہت نقصان برداشت کرنا پڑے کیونکہ کسی دنیوی چیز کے نقصان سے دینی بھائیوں کا آپس میں جھگڑا کرنے کا نقصان بدرجہا زیادہ ہے۔ یہ تنازع تم کو بڑے اور اعلیٰ کاموں سے روک دے گا۔

اس مسافر خانہ کو ایک پیالہ یا رکابی کی طرح سمجھو، جس کے گرد بیٹھ کر ہم سب بھائی کھانا کھا رہے ہیں۔ اگر کسی نے بڑا نوالہ لیا تو کیا ہوا؟ اللہ اپنے فضل سے سب کو رَجا دے گا۔ مروت اور یگانگت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے آگے سے بھی دوسرے کی طرف سرکا دے اور اس بات کا تو کیا کہنا کہ دوسرے کو پتہ بھی نہ لگے۔‘‘

حُبِّ دنیا کے متعلق حضرت پیر صاحبؓ فرماتے ہیں:

’’دنیا کی محبت سب خطاؤں کا سرّ ہے۔ یہ حدیث شریف کا ترجمہ ہے دنیا کیا ہے؟ جو خدا سے غافل کرے۔ آخرت کو بھلائے۔ اس کا علاج موت کو یاد رکھنا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اے وہ لوگو جو خواہشات میں حدود اللہ سے آگے نکل گئے ہو موت کو بہت یاد کیا کرو جو لذات کو ملیا میٹ کرنے والی ہے۔

بھلا اگر کسی کو شام کے وقت سو اشرفیاں دی جائیں کہ صبح تم سے لے لی جائیں گی تو کیا وہ شخص ان اشرفیوں سے محبت کرے گا۔ خوش ہوگا اور دل لگائے گا؟ کیا منی آرڈر تقسیم کرنے والے کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ مجھے آج بہت روپیہ ملا ہے؟''

آدابِ زوجین کے سلسلہ میں حضرت پیر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''نیک خاوند اور نیک بیوی کو چاہئے کہ آپس میں محبت سے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا جوڑا بنایا ہے اور دونوں مل کر خدا کی یاد اور دنیا کی خدمت کریں جو بیاہ شادی کا اصل مقصد ہے۔ گھر کی نااتفاقی ایک عذاب ہے اور دین و دنیا کی بہتری سے روکتی ہے... اے بھائیو! اصل خوبصورتی روح کی خوبصورتی ہے درحقیقت حسین وہ ہے جس کی روح حسین ہے۔ روح کا حسن یہ ہے کہ تقویٰ، عفت، پاکیزگی، حیا، وفا، محبت، ہمدردی، صبر، شکر، سخاوت، شجاعت، ایثار نیکی اور نیکوکاری سے مزین ہو۔ جس کا پرتو اور جلوہ ظاہری جسم کو بھی خوبصورت بنا دیتا ہے۔ مگر اس حسن کو وہی معلوم کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس حسن کے ساتھ حسین بنا دیا ہے۔ قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری۔ غیر کو کیا خبر کہ یہ حسن کیسا ہے وہ تو عطر کو چھوڑ کر اس پسماندہ کا دلدادہ ہے جو عرق گلاب نکالنے کے بعد رہ جاتا ہے۔''

صبر و رضا کے مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت پیر صاحبؒ لکھتے ہیں:

''دنیا میں تکلیف دکھ اور بیماریاں آتی ہیں ان سے بالکل نہ گھبراؤ۔ دل تنگ نہ ہو۔ تکلیف خوشیوں کے لئے آئینہ کی طرح ہوتی ہیں۔ جب ان میں دیکھتے ہو

توتمہیں اپنی خوشیاں نظر آتی ہیں۔ تکلیفیں اور دکھ خوشیوں کیلئے ایک سبب، ذریعہ اور آلہ کی طرح ہیں۔ تکلیفوں کا علم اور معرفت نہ ہوتی تو خوشیوں، آرام اور سکھ کا پتہ بھی نہ لگتا۔ دن کا نور رات کے اندھیرے کے بعد کیسا بھلا لگتا ہے۔ رات حالانکہ ظلمت ہے اور سو جانا غفلت ہے لیکن دن کے نورانی اوقات میں کام کرنے سے تھک جانے کے بعد کس قدر آرام دہ ہے۔ بیماری کے بعد صحت کیسی لذیذ اور بیماری میں خدا کی یاد کیسی خوش نما اور دل کی راحت ہے۔ اسی طرح بھوک پیاس کے بعد کھانا پینا۔ خوف کے بعد امن۔ محنت کے بعد آرام۔ اُس پر سب تکلیفوں کا قیاس کرلو۔ پس ہر وقت اور ہر حال میں خوش اور اللہ سے راضی رہو اور شکرگزار رہو۔ اللہ کے فضل سے صابرین اور شاکرین کیلئے تکالیف ان پھولوں کی طرح ہیں جو پھلدار درختوں میں لگتے ہیں۔ پھول جھڑ جاتے ہیں اور پھل رہ جاتے ہیں۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اپنے بھائی حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ پر ہونے والے الٰہی انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت اقدسؑ نے میرے بھائی منظور محمد صاحبؓ کو یہ دعا دی ہے۔

پڑھایا جس نے اس پر بھی کرم کر

جزا دے دین اور دنیا میں بہتر

اس دعا سے پہلے میرے بھائی صاحب انجمن سے وظیفہ لیتے تھے۔ حضرت صاحب کی اس دُعا نے قبولیت کا رنگ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قدر کشائش وسعت اور برکت بخشی کہ جس قدر وظیفہ کی رقم انجمن سے لی تھی۔ پیسہ پیسہ کا حساب کرکے سب یکمشت

انجمن کو واپس کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے خوب آسودگی دی۔ اب دین کی جزاء کا بھی حال سنیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے کام یہ دیا ہے کہ کلام اللہ کی خدمت نصیب ہوئی۔

حضرت پیر صاحبؒ انتہائی فروتنی اور انکسار سے اپنی طرز تحریر کے متعلق فرماتے ہیں:

''اے میرے بزرگ ناظرین میری اس کتاب کی طرزِ تحریر سے یہ خیال نہ کرنا جیسے بڑے چھوٹوں کو نصیحت کرتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ چھوٹوں کو کوئی بات سمجھ میں آتی ہے تو بڑوں کی خدمت میں عرض کر دیتے ہیں۔ میرے اس پیرایہ بیان سے کوئی بڑائی کا خیال نہ فرمائے۔ میں تو اپنے آپ کو شاگردوں سے بھی کم سمجھتا ہوں۔ میری دلی خیر خواہی کے اظہار اور ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معروف کا حکم دو اور برائی سے روکو'' کے اتباع کیلئے کوئی دوسرا طریق میرے ذہن میں نہیں آیا، اس لئے یہ پیرایہ اور طریق اختیار کیا گیا۔ اگرچہ میں نے یہ کرو اور یہ نہ کرو کہتے ہوئے ادب کا لحاظ رکھا ہے مگر پھر بھی میری کمزوری اور کوتاہی کے سبب سے میری عبارت آپ کو پسند نہ آئے یا میرا طرز اچھا نہ لگے یا غلطی سے کوئی بے ادبی کا لفظ منہ سے نکل گیا ہو تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ میری ادبی کمزوری اور غلطیوں کی طرف نہ جائیں بلکہ اصل مطلب کی طرف نظر کر کے یہ خیال فرمائیں کہ میں نے کس محبت بھرے دل سے لکھا ہے۔ آپ معاف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سے میں اپنے قصوروں کی معافی مانگتا ہوں۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 8مئی 1995)

○○

التقویٰ

جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام ٹلفورڈ اسلام آباد برطانیہ سے شائع ہونے والا عربی مجلّہ ''التقویٰ'' اپنی تمام ظاہری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ عربی جاننے والوں کی خدمت میں نہایت ضروری اور مفید امور پر مشتمل مواد پیش کررہا ہے۔اس وقت اپریل 1997ء کا شمارہ زیر نظر ہے۔اس شمارہ میں بھی تمام مستقل عناوین پر علمی و تحقیقی مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے درس کے عربی ترجمہ میں علاوہ اور علمی و تربیتی مباحث کے عیسائیوں کے اس اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبوت و صداقت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس مضمون میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی قربانیوں کے ذکر میں حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ مقام غور ہے کہ کیا صحابہ کرامؓ اور ان کی بیویوں پر اولاد اور اموال و تجارت وغیرہ کی دنیوی ذمہ داریاں نہیں تھیں ۔مگر اس کے باوجود انہوں نے وقف کی روح سے دین کی خدمت کی اور ان کی غیر معمولی خدمات اور قربانیوں کے نتیجہ میں ہی اسلام ہم تک پہنچا ہے۔مگر مقام افسوس ہے کہ بہت سے لوگ ان کی ان قربانیوں کی قدر نہیں کرتے اور اسلام کی خوبیوں سے کما حقہ استفادہ

نہیں کرتے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے اپنے آپ کو ہر طرح کی مشکلات کی آگ میں سے گزر کر۔اپنی بیویوں کو بیوہ اور اولاد کو یتیم بنایا۔۔تاکہ ہم اسلام کی نعمت و برکت سے فائدہ اٹھائیں اور دنیوی نقصانات اور خسارہ کے اندیشوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کے مبارک طریق پر چلنے کی کوشش کریں۔

''کلمہ التقویٰ''یعنی اداریہ بھی قربانی کی اہمیت وعظمت کے بارہ میں ہے اس اداریہ کے آخر میں محترم مدیر صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قربانیوں کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ بیان فرمایا ہے کہ بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ قربانی کی یاد کا عظیم مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی کی یاد کے طور پر منایا جاتا ہے جو آپ نے اپنی ایک رؤیا کے مطابق''ذبح'' کی صورت میں پیش فرمائی حالانکہ اگر یہی بات ہوتی تو اس قربانی کی یاد ملک شام میں منائی جاتی حالانکہ اس عظیم قربانی کی یاد مکہ میں منائی جاتی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اس غیر معمولی قربانی کی یاد ہے جو آپ نے اپنی بیوی حضرت حاجرہؓ اور بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو وادی غیر ذی ذرع میں (جہاں زندگی کے قیام کے ظاہری ذرائع مفقود و معدوم تھے) قربانی کی صورت میں پیش کر دیا تھا اور اس میں یہ سبق پنہاں تھا کہ خدا تعالیٰ کی خاطر قربانی کرنے والے کبھی ضائع نہیں جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو قبول فرماتے ہوئے انہیں دائمی عزت وغلبہ سے سرفراز فرماتا ہے۔

ہمیں بطور خاص یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ ہم، ہر وہ چیز جو ہمارے قبضہ وتصرف میں ہے، اسے خدا تعالیٰ کے قرب اور خوشنودی کے حصول کے لئے قربان کرنے

کیلئے تیار رہیں اور خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر بن کر ہر یاد رکھنے والی اور پیاری چیز سے زیادہ خدا تعالیٰ کو یاد رکھیں۔ ایسی قربانی اور خلوص سے ہی غلبہ دین کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔‘‘

(روزنامہ الفضل ربوہ 9جولائی 1997ء)

○○

ملاقاتیں کیا کیا..!

ایک نہایت دلچسپ اور معلومات افزا کتاب ''ملاقاتیں کیا کیا۔اہم شخصیات کے جیتے جاگتے انٹرویوز'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔اس کتاب کی دلچسپی اور افادیت تو اسی بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ پاکستان کی ابتدائی زندگی کے قریباً تمام اکابرین کے حالات اور اہم واقعات کا ذکر الطاف حسن قریشی صاحب جیسے کہنہ مشق بلند پایہ اردو ادیب کے قلم سے ہوا ہے۔انٹرویو کا تعلق اس شخصیت سے تو ضرور ہوتا ہے جس کا انٹرویو کیا جاتا ہے لیکن انٹرویو لینے والے کی شخصیت،اندازِ فکر اور ترجیحات کا بھی اس میں تأثر ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن شخصیات اور اکابر کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے ان کے متعلق قریشی صاحب کے رجحانات اور تأثرات بھی نمایاں ہوتے ہیں اور اسطرح یوں لگتا ہے کہ قیام پاکستان کے ابتدائی ایام کی یہ ایک معتبر تاریخ ہے۔ایسی کتاب کا خلاصہ بنانا قریباً ناممکن ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہر سوال اہم ہوتا ہے اور ہر جواب اپنی جگہ ایک مستقل سوچ و بچار کا اظہار ہوتا ہے۔

انٹرویوز میں اس زمانے کے حالات اور واقعات تو موجود ہی ہیں تاہم قریشی صاحب

موصوف نے اس میں بعض ضروری حواشی دے کر اسے مستقل تاریخی ماخذ بنا دیا ہے۔

مکرم قریشی صاحب نے اپنے ممدوح مولٰنا مودودی صاحب کا تعارف کروانے کا حق ادا کرتے ہوئے ان کے علم وعمل کی اپنے رنگ میں خوب تصویر کشی کی ہے۔اس انٹرویو کے حاشیے میں آپ جہاد کشمیر کے ذکر میں لکھتے ہیں:

> ’’..درس قرآن کے اختتام پر ایک صاحب نے مولٰنا سے جہاد کشمیر کے بارے میں سوال کیا۔ وہ پہلے خاموش رہے۔ بار بار اصرار کے بعد فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی رو سے صرف ریاست جہاد کا اعلان کرنے کی مجاز ہے، مسلح غیر ریاستی جتھے اپنے طور پر کسی ملک یا ریاست کے خلاف جہاد شروع نہیں کر سکتے۔‘‘

ایک اہم اسلامی رکن جہاد کے متعلق مولٰنا ’’خاموش‘‘ کیوں رہے۔اس موضوع پر وہ پہلے لکھ بھی چکے تھے اور متعدد مواقع پر بول بھی چکے تھے۔تاہم اگر انہوں نے احتیاط کے طور پر بھی خاموشی اختیار کی تو یہ کوئی بری یا غلط بات نہیں تھی۔ بار بار اصرار پر جو کچھ مولٰنا نے فرمایا وہ ان کی سوچی سمجھی رائے تھی۔کوئی وقتی ردعمل یا دفع الوقتی نہیں تھی۔

اس زمانے میں قریباً تمام پاکستانیوں نے جن میں عام مسلمان اور علمائے کرام بھی شامل تھے۔مولٰنا کے اس فتوٰی کو غلط سمجھا اور اس پر بہت برا منایا۔ جماعت اسلامی کے متعلق تو پہلے ہی یہ تأثر موجود تھا کہ انہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی اور قائداعظم کی کوششوں کو غلط اور بے کار سمجھتے تھے اور قیام پاکستان کے بعد اس موقف کی وضاحت میں ان کو کافی مشکل پیش آ رہی تھی۔اس پر کشمیر کے جہاد کے متعلق ان کے فتوے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور انہیں اور ان کی جماعت کو بہت وضاحتیں دینی پڑیں۔مکرم قریشی صاحب نے

بھی اپنے اسی حاشیہ میں لکھا ہے:

''چودھری صاحب کے متعلق یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ایک مشہور ومعروف احمدی تھے اوراس امر سے مولٰنا بھی بخوبی واقف تھے۔ان کے خلاف نہایت زہریلا پروپیگنڈا کیا گیا جس کے باعث عوام کے اندر شدید ردعمل پیدا ہوا۔اکثر علماء بھی اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے۔جماعت اسلامی نے عام لوگوں تک مولٰنا کا صحیح موقف پہچاننے کے لئے بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم چند نوجوان پوسٹر لگانے رات کے وقت نکلتے تب لوگ ہم پر پتھر پھینکتے اور شدید غصے کا اظہار کرتے۔''

اس تحریر سے مخالفت کی جو رَو چلی تھی اس کا پوری طرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ عام پاکستانی اگر رات کے وقت بھی نوجوانوں کو جماعت اسلامی کی حمایت یا جہاد کے متعلق ان کے فتوٰی کی وضاحت کرتے ہوئے کوشاں نظر آتے تو انہیں پتھر مارے جاتے تھے۔

اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولٰنا مودودی نے اپنا یہ فتویٰ مسلمان عوام اور علماء کے کہنے پر واپس نہیں لیا بلکہ یہ فتویٰ کیوں اور کب واپس لیا گیا۔مکرم قریشی صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''جب پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان صاحب نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہ اعلان کیا کہ ہماری فوجیں کشمیر میں لڑ رہی ہیں۔تب مولٰنا نے اپنی جماعت کو جہاد کشمیر میں حصہ لینے کی تلقین فرمائی اور تمام مسلمانوں کو بھی اپنا فریضہ ادا کرنے کا احساس دلایا۔''

(ملاقاتیں کیا کیا..صفحہ 88)

گویا مسلمان عوام اور علماء کی مخالفت، وقت کی نزاکت وضرورت، اسلامی تعلیم وفقہ کے متعلق ایک اہم اسلامی رکن کو سمجھنے کے لئے انہیں چودھری ظفراللہ خان کی وضاحت کی ضرورت تھی۔

○○

مضامین لطیفہ

حضرت مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری کے نہایت مفید علمی معارف و نکات پر مشتمل مضامین اخبار الفضل و رسالہ الفرقان میں شائع ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض مضامین لطیفہ کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ کتاب کی اشاعت کے وقت سلسلہ کے بزرگ علماء نے ان پر جو تبصرہ کیا وہ اس کتاب اور صاحب کتاب کا بہت عمدہ تعارف ہے۔ مشہور ماہر تعلیم حضرت قاضی محمد اسلم (پرنسپل تعلیم الاسلام کالج۔ صدر شعبہ نفسیات پنجاب یونیورسٹی) تحریر فرماتے ہیں:

"مضامین لطیفہ مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ مولوی صاحب موصوف ہمارے نہایت ہی قابل احترام۔ خاموش۔ درویش طبیعت۔ علم اور عمل اور قال و حال میں یکساں قسم کے سکالر ہیں... جماعت میں ٹھوس شہرت حاصل کر چکے ہیں ہمیشہ کسی نئے مضمون پر ہاتھ مارتے ہیں یا کسی پرانے مضمون کو نئے انداز سے بیان کرتے ہیں۔ اس مجموعہ مضامین کے شروع میں اپنے احمدی ہونے کی داستان درج

فرمائی ہے جو ان کے نفسیاتی اور روحانی تجارب اور خدا تعالیٰ کی دستگیری کا ایک عجیب بیان ہے۔ پھر چھوٹے بڑے مضامین درج ہیں جو پہلے سلسلہ کے رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھ کر روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ مضامین کیا ہیں؟.... افاضات روحانی کی ایک زندہ اور چمکتی ہوئی دلیل اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کی لذیذ اور معطر تفصیل ہے کہ قرآن پاک صرف قصہ گو نہیں بلکہ اس کے ہر قصہ کے نیچے ایک پیشگوئی ہے۔ روحانیت کی تمثیلی سرحدوں میں داخل ہو کر ایک حقیقت شناس، بیدار عاشق اور عارف دور از قیاس اور دور از کار دعاوی اور قیاسات سے دامن بچاتے ہوئے اور حقیقت اور یقین کی حدود قائم رکھتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کا ابلاغ کر سکتا ہے۔ فاضل مصنف اس میں حیرت انگیز طور پر کامیاب رہے ہیں۔ ان کے لہجے کی متانت، زبان و بیان کا اعتدال اور دھیما پن ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ متعدد مقامات ایسے آئے جن سے گزرتے وقت مصنف کے لئے دل سے دعا نکلی۔ میری رائے میں یہ کتاب ہر احمدی کو پڑھنی چاہئے...‘‘

اس مجموعہ میں حضرت مولوی صاحب کے پندرہ مضامین شامل ہیں۔ عنوانات میں تنوع ہے مگر ہر مضمون کلام اللہ کی شان ظاہر کرنے والا اور علم و معرفت کا روحانی خزانہ ہے جس کا لطف پڑھنے بلکہ بار بار پڑھنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

حضرت مولوی صاحب ’قبول احمدیت کی داستان‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’... انہی دنوں میں مجھے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے افاضات علمی سے بھی وہاں مستفید ہونے کا موقع ملا۔ آپ صوفی منش، روشن دماغ، وسیع

المشرب تھے۔ عام مولویوں کے برعکس آپ کی طبیعت تعصب مذہبی کے متعفنہ مواد سے پاک صاف تھی۔ آپ کھلے بندوں عموماً قادیان میں بھی جاتے تھے۔ خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے درس میں شامل ہونے کا تو آپ نے کئی بار موقع پایا۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ؓ سے بھی آپ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے کئی دفعہ مولانا موصوف کو تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملا۔ انہی تاثرات سے آپ کو بھی کلام الٰہی کے مطالعہ کا بہت شغف تھا۔ حالات حاضرہ کے مطابق کلام الٰہی کے خطابات کو نئے انداز میں پیش کرنے کا آپ کو اچھا خاصہ ملکہ تھا۔ احمدیہ جماعت سے متاثر ہو کر آپ اپنی مبلغین اسلام کی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ فاضلان دیوبند اور علی گڑھ کالج کے گریجوایٹوں کے امتزاج عناصر سے ایک حزب الانصار تیار کر رہے تھے۔ اس حزب کی تیاری کیلئے 'نظارت المعارف القرآنیہ' نامی درسگاہ دہلی میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ آپ کے درس کے نوٹوں کا قلمی مجموعہ مجھے وہاں مدرسہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا میں دستیاب ہوا جس سے میں نے استفادہ کر کے احمدیت سے قبل ایک حد تک فہمِ قرآن کے لئے ذوق حاصل کیا۔"

(روزنامہ الفضل ربوہ 26 جولائی 1995ء)

○○

ایک مؤثر نصیحت ۔ ایک بہترین لائحہ عمل

''نہج البلاغہ'' ایک شہرہ آفاق کتاب ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشادات۔ خطبات اور مکتوبات جمع کئے گئے ہیں۔ ادب عربی میں اس کتاب کی اہمیت و افادیت بہت بلند وارفع ہے۔ اسے چوتھی صدی کے آخر میں جناب سید رضی نے تالیف کیا۔ قطع نظر اس کے کہ بعض محققین کے نزدیک اس کتاب کا بہت سا مواد پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اس میں یقینی طور پر جگہ بہ جگہ حضرت علیؓ کی طلاقت و بلاغت ضرور نظر آتی ہے۔

حضرت علیؓ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت ایک ہدایت نامہ عطا فرمایا تھا یہ ایک طویل مکتوب ہے مگر اس میں ایک حاکم اور امیر کیلئے ایسی نصائح اور رہنمائی موجود ہے جن پر عمل کرنا یقینی کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس اہم اور موثر مکتوب کے ایک حصہ کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

یہ خدا کے بندے علیؓ امیر المومنین نے مالک بن حارث کے نام اسے مصر کا حاکم مقرر کرتے وقت۔ اس علاقہ کا محصول جمع کرنے، اس کے دشمنوں سے لڑنے، اس کے شہروں کی بہتری اور شہریوں کی بھلائی کے لئے حاکم مقرر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

اسے تاکید کی جاتی ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔قرآن کریم کے تمام احکام ونصائح کی پابندی کرے کہ اس کے بغیر کوئی نیکی اور بھلائی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی اپنے دل ہاتھ اور زبان سے نصرت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کرنا اپنی ذمہ داری قرار دی ہوئی ہے۔ جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ جاہ طلبی اور حُب دنیا سے کنارہ کش رہے کیونکہ انسانی دل اس طرح بدی کی طرف لے جاتا ہے سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

اے مالک تمہیں اس علاقے پر حاکم بنا کر بھیجا جا رہا ہے جہاں اس سے پہلے جابرانہ اور منصفانہ ہر طرح کی حکومتیں کام کر چکی ہیں۔لوگ تمہارے کاموں کو بھی اسی طرح پرکھیں گے جس طرح تم اپنے حکام کو پرکھا کرتے تھے اور تم پر بھی اسی طرح تنقید کی جائے گی جس طرح تم تنقید کیا کرتے تھے۔ اچھا حاکم اپنی اس اچھی شہرت سے پہچانا جاتا ہے جو خدا تعالیٰ اس کیلئے لوگوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلاتا ہے۔ تمہارا بہترین سرمایہ تمہارے اچھے کام ہیں۔اپنے جذبات کو ہمیشہ قابو میں رکھو اور کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرو جو خلاف قانون ہو۔ اپنا محاسبہ کرتے رہنے سے انسان کئی برے کاموں سے بچ جاتا ہے۔عوام سے محبت اور رحم کرنے کی عادت پیدا کرو اور ان سے درندوں کی طرح درشتی سے پیش نہ آؤ کیونکہ عوام یا تمہارے اسلامی بھائی ہیں اور اگر مسلمان نہیں ہیں تو تمہارے جیسے انسان تو ضرور ہیں۔ان سے کمزوریاں ہو سکتی ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ غلطیوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں، مگر پھر بھی ان سے اسی طرح رحم کا معاملہ کرو جس طرح تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے رحم کا سلوک فرماوے۔ کیونکہ اللہ تمہارا ہی نہیں اس کا بھی حاکم و مالک ہے جس نے تمہیں حاکم مقرر کیا ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے کہ وہ دیکھے کہ تم عوام سے کس طرح پیش آتے ہو خدا تعالیٰ کے مقابل آنے کی کبھی جسارت نہ کرنا کیونکہ نہ تو تم میں اس کی طاقت ہے

اور نہ ہی اس کے رحم و کرم کے بغیر تم کچھ کر سکتے ہو۔

معافی اور درگزر پر کبھی نادم نہ ہو۔غصہ اور جلد بازی میں کوئی کام نہ کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ میں حاکم ہوں اور میری ہر بات ضرور مانی جاوے، اس طرح دلوں میں الجھن اور مذہب میں کمزوری آجاتی ہے اور انسان تباہی کے کنارے پہنچ جاتا ہے۔ اگر تمہارا اختیار وحکومت تم میں فخر وغرور پیدا کرے تو خدا تعالیٰ کی عظمت کی طرف نظر ڈالو جس کے اختیار کی کوئی حد نہیں ہے اور تمہیں تو اس طرح کا اختیار اپنی ذات پر بھی نہیں ہے یہ سوچنے سے تم اپنے غرور اور بد مزاجی پر قابو پا کر اعتدال اور عقل کی طرف واپس آسکو گے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی طرح بڑا یا اس کے برابر نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ مغرور و متکبر کو ضرور ذلیل کرتا ہے۔

ان لوگوں سے بھی انصاف اور برابری کا معاملہ کرو جو تمہارے نزدیکی اور مقرب ہیں اور جن کو تم پسند کرتے ہو، لوگوں کو بے جا دبانے اور ان پر ظلم کرنے والے کا خدا تعالیٰ دشمن ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کا دشمن ہو جائے تو اس کی بیخ کنی کر دیتا اور اسے پامال کر کے چھوڑتا ہے۔ ظلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے محرومی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا سنتا ہے اور ظالم کا خود مقابلہ کرتا ہے۔ تمہارے لئے پسندیدہ طریق وہی ہے جو حق وانصاف پر مبنی ہو اور جسے عام لوگ پسند کریں کیونکہ مخصوص افراد کے دلائل عوام کی متفقہ پسند کے مقابل پر رد کئے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔

ایک حاکم کے لئے وہ شخص دردسر بنا رہتا ہے جو مشکل میں مددگار نہ ہو اور معقول طریق کو پسند نہ کرتا ہو۔ حسن سلوک پر شکر گزار نہ ہوتا ہو اور کوئی وجہ اور دلیل نہ سمجھتا ہو اور قوت برداشت کم رکھتا ہو اور بے جا مطالبات کرنے کا عادی ہو۔

کسی جماعت کے عام آدمی ہی مذہب کے ستون۔ قوم کی طاقت اور دشمنوں کے خلاف

دفاع کا ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے تمہیں ہمیشہ ان کا خیال رکھنا چاہئے۔ تمہارے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ شخص ہونا چاہئے جو لوگوں کی کمزوریوں کی ٹوہ میں لگا رہے کیونکہ لوگوں میں کمزوریاں تو ہوتی ہیں اور حاکم کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کی پردہ پوشی کرے۔ تمہاری ذمہ داری تو صرف انہی امور کی اصلاح کی حد تک ہے جو سامنے اور ظاہر ہیں۔ پوشیدہ امور کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دو وہ جیسے چاہے سلوک فرماوے۔ لوگوں سے درگزر کا معاملہ کرو اللہ تعالیٰ ان امور کے متعلق جو تم ظاہر نہیں کرنا چاہتے تمہاری پردہ پوشی فرمائے گا۔

نفرت اور دشمنی کی ہر گرہ کو کاٹ کر پھینک دو۔ جو بات پوری طرح واضح نہ ہو اس کے متعلق چشم پوشی کا طریق رکھو۔ کسی چغل خور کی بات ماننے میں جلدی نہ کرو کیونکہ چغل خور اگرچہ خیر خواہ نظر آتا ہے مگر وہ دھوکے باز ہے۔ کسی کنجوس کو اپنے مشیروں میں شامل نہ کرو۔ وہ تمہیں سخاوت سے محروم رکھے گا۔ نہ ہی کسی بزدل کو مشیر رکھو کیونکہ وہ کوشش کرے گا کہ تم اپنے آپ کو کمزور ہی سمجھتے رہو۔ کوئی لالچی بھی تمہارا مشیر نہیں ہونا چاہئے وہ تمہیں ناجائز ذرائع سے مال جمع کرنے کی رغبت دلاتا رہے گا۔ کنجوسی، بزدلی اور لالچ اگرچہ تین مختلف برائیاں ہیں مگر ان تینوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے متعلق بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ اچھا مشیر وہی ہوسکتا ہے جو تمہارے سامنے سچ بات کہنے کی جرأت وصلاحیت رکھتا ہو اور وہ تمہارے رجحان کو دیکھ کر تمہارے ایسے کاموں کی تعریف نہ شروع کردے۔ جو اولیاء اللہ کی شان سے بعید ہوں۔

ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو خدا کا خوف رکھنے والے اور صداقت شعار ہوں اور انہیں یہ موقع نہ دو کہ وہ بلاوجہ تمہاری تعریف کرتے رہیں کیونکہ خوشامد تکبر پیدا کرتی اور راہ راست سے دور لے جاتی ہے.... (روزنامہ الفضل ربوہ 9 مارچ 1996ء)

○○

حضرت پیر صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد لدھیانوی صاحب نے اپنی تصنیف ”انعامات خداوند کریم“ میں جستہ جستہ اپنے والد بزرگوار کے حالات اور بعض واقعات لکھے ہیں۔ جو ان کی زبانی ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں:

”میرے والد صاحب کا نام احمد جان ہے جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ”ازالہ اوہام“ میں کیا ہے۔ ان کے ساتھ آخر میں میرا بھی ذکر کیا ہے اور علیحدہ بھی تحریر فرمایا ہے۔... براہین احمدیہ چھپی تو میرے والد صاحب کو حضرت صاحب کا تعارف ہوا۔ میرے والد صاحب کو حضرت صاحب سے بہت ارادت و اعتقاد تھا... والد صاحب اشاعت دین میں حضرت صاحب کی خدمت میں چندوں وغیرہ میں خوب حصہ لیتے تھے اور اپنے مریدوں اور دوستوں سے بھی اچھی طرح امداد کرواتے تھے۔ نیز حضرت صاحب کی تائید میں ایک طویل اشتہار بھی شائع کیا جس میں ایک شعر تھا۔

سب مریضوں کی ہے تمہی پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

جب میں بیس سال کا ہوا تو والد صاحب حضرت صاحب سے اجازت لے کر مکہ کو تشریف لے گئے۔ حضرت صاحب نے ایک دعائیہ خط دیا کہ میری طرف سے ...حرف حرف پڑھ لینا... بہت مرید بھی ساتھ گئے تھے جن میں شہزادہ عبدالمجید صاحب ...بھی تھے۔جن کی وفات ایران میں ہوئی...ہم بیس بائیس خدام پیچھے کھڑے تھے۔ والد صاحب نے فرمایا میں یہ خط بلند آواز سے پڑھتا ہوں...

میرے والد صاحب واپس آ کر 13 دن زندہ رہے اور 19 ربیع الاول 1303ھ کو وفات پا گئے...

میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ معاملہ کی اچھائی اور صفائی آدھا دین ہے۔ یہ ٹھیک بات ہے کیونکہ انسان پر دو حق ہیں حق اللہ اور حق العباد۔اس لئے جو بندوں کا حق اچھی طرح ادا کرتا ہے وہ آدھا دین بجالاتا ہے۔"

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیر صاحب خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حقوق العباد کی ادائیگی کو آدھا دین قرار دیتے تھے۔

حضرت پیر صاحب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ایک بہت بڑا خزانہ قرار دیتے تھے جیسا کہ اس بات سے ظاہر و عیاں ہے:

"میں نے اپنے والد صاحب سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد کوئی بڑا بھاری خزانہ اور بہت بڑی دولت رکھی ہے جس پر موت جیسا سخت ڈراؤنا پہریدار مقرر کیا ہے۔"

اولاد کے حقوق کی ادائیگی اور خدمت خلق کے متعلق میرے والد صاحب

فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص غریب ہو اور اس کے پاس اتنا کپڑا نہ ہو کہ سردی کی رات میں اپنے بچہ کو پورا ڈھک سکے۔ جب اس کے سر پر کپڑا ڈھکے تو بچہ کے پیر ننگے ہو جائیں۔ پھر اس کو خیال آئے کہ اس کے پیروں کو سردی لگتی ہوگی۔ وہ کپڑے کو پیروں کی طرف سرکا وے۔ تھوڑی دیر بعد اس کو سردی کا فکر ہو وہ سر کو ڈھک دے۔ اس طرح وہ رات کو چند مرتبہ کرے تو اس کا اتنا اجر و ثواب ہے کہ گویا اس نے ساری رات عبادت کی۔ اُس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ عیال کی خدمت اور خبر گیری کا بڑا ثواب ہے۔''

حضرت پیر صاحب کے توکل اور یقین کے متعلق درج ذیل واقعہ بہت ایمان افروز ہے:

''ہمارے گھر میں خرچ نہ تھا۔ میرے والد صاحب نے میری والدہ صاحبہ سے پوچھا آٹا ہے؟ کہا نہیں... دال ہے؟ جواب نفی میں ملا ایندھن ہے؟ وہی جواب تھا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا دو روپے تھے۔ فرمانے لگے اس میں تو اتنی چیزیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ میں ان دو روپوں کی تجارت کرتا ہوں۔ وہ دو روپے کسی غریب کو دے کر نماز پڑھنے چلے گئے۔ رستہ میں اللہ تعالیٰ نے دس روپے بھیج دیئے۔ فرمایا لو میں تجارت کر آیا ہوں۔ اب سب چیزیں منگوالیں۔ اللہ کی راہ میں دینے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے اور آخر میں ثواب جدا ملتا ہے۔''

حضرت پیر صوفی احمد جان اپنی فطری سعادت کی وجہ سے رضا الٰہی کے حصول اور تعلق باللہ کے سلسلہ میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے تحریر فرماتے ہیں:

''طلب خدا کا شوق سب شوقوں سے افضل اور اعلیٰ ہے۔''

○○

محترم شیخ عمری عبیدی صاحب کا ذکر خیر

مشرقی افریقہ میں جماعت احمدیہ کو کام کے آغاز میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مخالفین کی طرف سے ہر ممکن کوشش کی گئی کہ جماعت کے پاؤں یہاں نہ جم سکیں۔ جھوٹے مقدمات کے علاوہ محترم شیخ مبارک احمد صاحب اور دوسرے کئی دوستوں پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہمارے مجاہدین نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کام کو برابر جاری رکھا اور جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی کرتی چلی گئی۔ دعوت الی اللہ اور تعلیمی کوششوں کے ضمن میں مکرم شیخ مبارک احمد صاحب ٹبورا سیکنڈری سکول کے مسلمان طالبعلموں کو دینیات پڑھایا کرتے تھے۔ان ابتدائی طالب علموں میں ایک نوجوان جسے دینی تعلیم کا بہت شوق تھا شیخ عمری عبیدی تھے۔سکول کی تعلیم کے دوران ہی آپ کو رسالہ سن رائز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔جس میں معراج کی حقیقت کے متعلق بھی ایک مضمون تھا اسے پڑھ کر عمری عبیدی صاحب کو بہت خوشی ہوئی۔آپ اپنے ساتھی طالبعلموں کو اس مضمون کے مطابق معراج کی حقیقت سمجھانے لگے۔آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے آپ سے پوچھا کہ معراج کے متعلق جو آیات آپ سنا رہے ہیں ان کا حوالہ بتائیں۔اس پر عمری عبیدی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ شیخ مبارک احمد صاحب سے پوچھ کر اس سوال کا

جواب دے سکوں گا۔لیکن اس گفتگو کے بعد اور محترم شیخ مبارک احمد صاحب سے ملاقات سے پہلے آپ کو خواب میں نظارہ دکھایا گیا کہ آپ کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ارد گرد کچھ لوگ کھڑے ہیں جو آپ سے معراج کے متعلق سوال کر رہے ہیں اور آپ انہیں قرآن مجید کی پندرھویں پارے کی آیات پڑھ کر جواب دے رہے ہیں۔ نیند سے آپ بیدار ہوئے۔آپ نے قرآن مجید کا وہ مقام نکال کر دیکھا اور یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ خواب میں آپ کی بالکل صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔ اگلے روز آپ نے زیادہ انشراح اور جوش کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو معراج کی حقیقت سمجھائی اور یہ بھی بتایا کہ قرآن مجید کا یہ حوالہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے خواب میں بتایا گیا ہے۔

سکول کی تعلیم کے زمانہ سے ہی آپ کا مکرم شیخ مبارک احمد صاحب سے تعلق قائم ہوا اور ان سے آپ نے دینی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران بعض کتب کے تراجم میں مدد کرنے اور بعض کتب کے مسودات کی نظر ثانی اور ان کے ٹائپ کرنے کا کام مکرم شیخ مبارک احمد صاحب ان کے سپرد کرتے رہے اور خدمت دین کیلئے انہیں عملی ٹریننگ دیتے رہے۔

سکول کی تعلیم ختم کرنے پر آپ دارالسلام میں پوسٹل سروس ٹریننگ کے ایک سکول میں داخل ہوئے۔ اس زمانہ میں بھی آپ کو دینی مطالعہ کا شوق رہا۔ جو بھی فارغ وقت ملتا رہا اس میں مطالعہ اور دعوت الی اللہ میں مصروف رہے۔ٹریننگ کے دوران ہی مکرم شیخ صاحب کی خواہش کے مطابق آپ نے استعفیٰ دیکر اپنی زندگی دین کی خدمت کیلئے وقف کردی۔

آپ نے مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کے ہمراہ اور بعض اوقات الگ بھی قریباً سارے مشرقی افریقہ میں سفر کئے اور بڑے جذبہ اور ولولہ کے ساتھ احمدیت کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

کسوموں کے ایک دینی سفر میں آپ کو ایک شخص نے غصہ میں آکر تھپڑ مار دیا جس سے آپ کی ٹوپی دور جا پڑی لیکن آپ پھر بھی بشاشت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ وہ شخص جس نے آپ کو تھپڑ مارا تھا بعد میں جلد ہی بینائی سے محروم ہو گیا۔

انہی ایام میں جبکہ آپ دینی خدمات میں ہمہ تن مصروف تھے مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ مشرقی افریقہ کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں اور اس انتخاب کے ساتھ ہی افریقنوں کی ترقی کے مواقع پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

خود آپ نے بھی خواب میں خدا تعالیٰ کا جلوہ دیکھا اور ساتھ کچھ اور لوگ نظر آئے جن کے متعلق پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ متقیوں کا گروہ ہے۔ اس پر آپ نے بڑے الحاح سے درخواست کی کہ مجھے بھی اس گروہ میں وہاں سے واپسی پر شامل کر لیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ہدایت کی کہ تم متقی اور دعا گو لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔ غالباً اسی زمانہ میں آپ نے اپنے آپ کو ایک اجنبی ملک میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ مذکورہ ہر دو خوابوں کے ایک عرصہ بعد 1953ء میں جب قرآن کریم کے سواحیلی ترجمہ کی طباعت کا کام مکمل ہو چکا تو مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے آپ کو پاکستان بھجوایا جہاں آپ کو سکیم کے مطابق مزید تعلیم کیلئے جامعہ احمدیہ میں داخل کروایا گیا۔ ان دنوں خاکسار بھی جامعہ احمدیہ میں زیر تعلیم تھا اور اس طرح کچھ عرصہ آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے آپ کو بہت محنتی اور دینی تعلیم کا بے حد شوق رکھنے والا پایا۔ پانچ نمازوں میں باقاعدگی کے ساتھ ساتھ نماز تہجد کی باقاعدگی بھی پورے اہتمام سے کرتے تھے۔ رات کو بہت کم سوتے اور لکھنے پڑھنے اور نماز ادا کرنے میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔۔۔۔ چونکہ آپ پہلے ہی

خواب میں نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی ہدایت پا چکے تھے اور اپنے آپ کو ایک اجنبی ملک میں سفر کرتے ہوئے بھی دیکھ چکے تھے اس لئے ربوہ میں قیام کے دوران بہت خوشی محسوس کرتے اور اپنے وقت کے ہر لمحہ کو بہتر رنگ میں صرف کرنے کیلئے کوشاں رہتے اور ہر لمحہ ایمان ویقین میں اضافہ محسوس کرتے۔خود دعا کرنے کے علاوہ آپ بزرگان سلسلہ کی خدمت میں بھی بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے اور دعا کی درخواست کرتے۔ایسے ہی ایک موقع پر جب آپ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امتحان میں کامیابی کی درخواست کی تو حضرت مولانا نے اسی وقت ہاتھ اُٹھا کر دعا کی اور بعد میں بتایا کہ انہوں نے دعا کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی ہے جبکہ حضرت صاحب نے اپنا ہاتھ شیخ عمری عبیدی کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔

پاکستان سے واپس آکر پہلے سے بھی زیادہ اپنے مذہب اور ملک وقوم کی خدمت کا موقعہ ملا۔صوبہ دارالسلام کے مشنری انچارج کے طور پر بھی آپ نے خدمات سرانجام دیں اور خاص طور پر تعلیمی ترقی کی طرف توجہ کی۔چنانچہ اس زمانہ میں مشن ہاؤس میں متعدد کلاسیں جاری ہوگئیں۔مشنری ٹریننگ کلاس کے علاوہ جو پہلے سے مشن نے جاری کی ہوئی تھیں عربی، انگریزی اور قرآن مجید پڑھنے کیلئے کثرت سے لوگ آتے اور آپ بڑے انہماک سے ان سب کو پڑھاتے رہے۔

آپ کو انگریزی،عربی اور اردو میں کافی مہارت تھی لیکن سواحیلی میں تو آپ اپنے وقت کے نابغہ تھے۔آپ نے آزاد تنزانیہ کے پہلے صدر کی آزادی کی جدوجہد میں کی گئی تقاریر کا سواحیلی میں ترجمہ کیا۔

آپ کا اپنا دیوان بھی چھپا ہوا موجود ہے جس میں سواحیلی نظم کے متعلق ایک فنی مقالہ بھی

شامل ہے جو اس موضوع پر سند سمجھا جاتا ہے۔ سواحیلی زبان کے تین سب سے بڑے شعراء میں سے ایک آپ کو شمار کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے سواحیلی ترجمہ کے سلسلہ میں نظر ثانی اور طباعت کے کام میں مکرم شیخ صاحب کی امداد کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا ترجمہ جہاں معانی و مضامین کے لحاظ سے لاجواب ہے وہاں زبان کے لحاظ سے بھی بہت بلند پایہ ہے۔

آپ اپنے ملک کی ترقی و بہبودی کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ آپ کی ان کوششوں کو خدا تعالیٰ نے نوازا اور غیر معمولی طور پر آپ کو ملک و قوم کی خدمت کے مواقع مہیا فرمائے۔ چنانچہ آپ کو دارالسلام کے میئر ممبر پارلیمنٹ۔ سارے ایسٹ افریقہ کی قانون ساز اسمبلی میں وہپ، ریجنل کمشنر اور پھر وزیر قانون اور وزیر ثقافت کے طور پر نمایاں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس غیر معمولی ترقی کیلئے آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارات بھی ملی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ موجودہ صدر مملکت ایک کرسی پر بیٹھے ہیں اور اس کرسی پر سے خود اٹھ کر عمری صاحب کو بٹھا دیا ہے۔ چنانچہ کونسل میں جس پارٹی کے لیڈر موجودہ صدر تھے انہوں نے خود کونسل کی پارٹی کا لیڈر اپنی جگہ آپ کو مقرر کیا۔ ایک اور احمدی نوجوان نے بھی کافی عرصہ قبل ایک خواب میں دیکھا تھا کہ آپ وزیر قانون مقرر ہوئے ہیں۔

تنزانیہ کے ہر دلعزیز صدر کو جو بابائے قوم کے لقب سے پکارے جاتے اور آزاد تنزانیہ کے بانی ہیں آپ پر بہت اعتماد تھا جس کا اظہار ان عہدوں سے ہوتا ہے جو آپ کے سپرد کئے گئے اور جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ صدر تنزانیہ قریباً ہمیشہ ہی آپ کو اپنے غیر ممالک کے سفر میں ساتھ رکھتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں آپ امریکہ، انگلستان، روس، مصر، تیونس، یوگوسلاویہ، سینیگال وغیرہ تشریف لے گئے۔ مزید برآں اقوام متحدہ میں آپ نے اپنے ملک کی نمائندگی

بھی کی جہاں آپ کی پر مغز تقاریر کو بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔اقوام متحدہ میں اپنے ملک کی نمائندگی کے متعلق بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔آپ کو وفات سے قبل آپ کی آخری آرام گاہ یعنی جنت کی زیارت بھی کروائی گئی تھی۔آپ نے اپنے آپ کو ایک بڑی پر فضا جگہ میں دیکھا اور وہاں ایک مور دیکھا جس سے آپ نے عربی زبان میں گفتگو کی اور پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں جنت کی مخلوق ہوں اور آپ کی خدمت کیلئے مقرر ہوں۔اور آپ کی وفات کے متعلق کئی لوگوں نے خوابیں دیکھی تھیں۔مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب احمدی مربی تنزانیہ نے بھی خواب میں دیکھا کہ آپ مغرب کی طرف دھوئیں میں غائب ہو گئے ہیں اور حقیقتاً آپ کی وفات ایسی اچانک ہوئی کہ کوئی اس خبر کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔

صدر تنزانیہ کے ہمراہ آپ ایک غیر ملکی سفر پر گئے ہوئے تھے وہاں واپسی پر بیمار ہو گئے۔ ہر ممکن کوشش کے باوجود آپ کے مرض کا علاج بلکہ تشخیص بھی یہاں نہ ہو سکی۔ پھر صدر مملکت نے ذاتی طور پر توجہ دیتے ہوئے آپ کو علاج کیلئے مغربی جرمنی بھجوا دیا لیکن آپ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور نومبر 1964ء میں وہیں وفات پا گئے۔

آپ کی وصیت کے مطابق جنازہ دارالسلام لایا گیا، یہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے جنازہ میں اس کثرت سے لوگ شامل ہوئے کہ بلا مبالغہ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی آج تک کسی لیڈر کے جنازہ میں اس ملک میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ شامل نہیں ہوئے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مشرقی افریقہ کے تینوں ممالک یعنی کینیا، یوگنڈا اور تنزانیہ کے سربراہان مملکت آپ کی تدفین کے موقع پر ذاتی طور پر موجود تھے۔آپ نے چالیس سال کی مختصر عمر پائی لیکن اس عمر میں ہی اپنی محنت، مطالعہ اور احمدیت کی برکت اور دعاؤں کی

وجہ سے غیر معمولی طور پر خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنے۔احمدیت کی ترقی میں آپ کی کوششوں کا بہت بڑا دخل ہے۔آج بھی لوگ ان کو یاد کرتے اور ان کی کمی کو بہت محسوس کرتے ہیں۔

خاکسار کو ایک دوست نے بڑے جذبہ اور محبت کے ساتھ بتایا کہ جب مکرم ومحترم حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ تنزانیہ تشریف لائے تو ایک موقع پر جبکہ چودھری صاحب مسجد سے باہر تشریف لے جارہے تھے آپ نے آگے بڑھ کر آپ کو جوتا پہنانا شروع کردیا اور محترم چودھری صاحب کے روکنے پر کہنے لگے کہ میں آپ کی خدمت وعزت آپ کے کسی عہدہ یا دنیوی وجاہت کی وجہ سے نہیں کررہا بلکہ میں عقیدت کے یہ جذبات محض اس لئے رکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام، بانی سلسلہ احمدیہ کا چہرہ مبارک دیکھا ہوا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی آپ کے تعلق باللہ، محنت اور علم کی تعریف فرمائی تھی۔ آپ کا وہ ذکر جو ہمیشہ ہوتا رہتا ہے ایمان والوں کی وہ جماعت جو بطور یادگار کے تنزانیہ میں قائم ہے بتاتی ہے کہ واقعی آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور ولی اللہ تھے جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کرکے دین کو دنیا پر مقدم کرلیا تھا۔خدا کرے کہ ایسے خدا رسیدہ وجود ہمیشہ ہی ہماری جماعت میں بڑی کثرت سے پائے جاتے رہیں۔

(بشکریہ روزنامہ الفضل ربوہ، 18 جون 1994ء صفحہ 4-5)

(الفضل انٹرنیشنل 11 نومبر 1994ء صفحہ 3)

○○

مکرم مولانا محمد منور صاحب

1968ء میں خاکسار کو تنزانیہ میں جماعتی خدمات کیلئے نامزد کیا گیا تو سب سے پہلے وہاں کی زبان ''سواحیلی'' سیکھنے کا مرحلہ تھا۔حسن اتفاق سے ان دنوں مکرم مولانا محمد منور صاحب رخصت پر مرکز میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ان کی خدمت میں حاضری دی اور اس طرح ایک ایسے شخص سے تعارف حاصل ہوا جسے قدرت نے بہت سی غیر معمولی خوبیوں سے نوازا تھا۔

آپ کو اردو عربی کے علاوہ انگریزی۔سواحیلی زبانوں پر اہل زبان کی طرح عبور تھا۔ ان زبانوں میں آپ نہایت عمدہ فصیح وبلیغ تقریر وتحریر کر سکتے تھے۔صرف یہی نہیں بلکہ انہیں افریقہ کی بعض قبائلی زبانیں بھی بخوبی آتی تھیں ایک دفعہ دارالسلام تنزانیہ میں ہم ایک بس سٹاپ پر بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔وہاں پر موجود افریقنوں میں سے ایک کے ساتھ مکرم مولانا صاحب نے کسی اجنبی زبان میں گفتگو شروع کر دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو 1948ء میں کینیا کے Jaluo علاقہ میں جماعتی خدمات بجا لانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔وہاں آپ نے اس قبیلہ کی زبان سیکھی اور بیس سال سے زائد عرصہ کے بعد اس قبیلہ کے

ایک فرد کواس کی شکل اور خدوخال سے پہچان کراس کی زبان میں بے تکلف گفتگو کی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ شخص اس غیر متوقع ملاقات سے بہت خوش ہوااور بہت متاثر بھی۔

مکرم مولانا صاحب نے کسی کتاب کی مدد کے بغیر اپنی یادداشت سے اس طرح تدریجی طور پر سواحیلی زبان سکھائی کہ کسی کتاب کی مدد سے بھی اس طرح بآسانی قدم بہ قدم زبان سیکھنا ممکن نہ تھا۔ تنزانیہ میں قیام کے دوران بہترین سواحیلی جاننے والوں نے آپ کی زبان دانی اور مہارت کا اعتراف کیا۔ آپ کا ذخیرہ الفاظ گریمر کا علم اور تلفظ عمدہ تھا۔ زبان دانی کے سلسلہ میں یہ عجیب بات بھی سامنے آئی کہ مکرم مولانا صاحب ہم سے بات کرتے ہوئے قادیان کے علاقہ کی پنجابی زبان اس طرح بولتے تھے کہ کبھی یہ شبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ آپ کی مادری زبان سرائیکی ہے مگر جب سرائیکی بولنے لگتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں یہی زبان آتی ہے اور وہ ہمیشہ اسی زبان میں باتیں کرتے رہے ہیں۔

زبان دانی کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک دفعہ ہمارے بعض مربی صاحبان جنہیں مغربی افریقہ میں کام کرنے کا موقع حاصل ہوا تھا دفتر میں بیٹھے اپنی پرانی یادوں کو تازہ کر رہے تھے دوران گفتگو یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ مغربی افریقہ کی زبانوں میں ہم میں سے کسی نے اس طرح مہارت حاصل نہیں کی جس طرح مشرقی افریقہ میں کام کرنے والوں نے وہاں کی زبان سیکھ لی ہے۔ باتوں باتوں میں کسی نے یہ بھی کہا کہ وہاں یہ یہ کام بہت مشکل تھااور میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر مولانا منور صاحب بھی وہاں جاتے تو زبان نہ سیکھ پاتے۔ اتفاق سے اسی وقت مولانا صاحب تشریف لے آئے اور آخری بات خود اپنے کانوں سے سن لی اور مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ دنیا کی کسی زبان کا نام لیں میں تیس دن میں اس میں بولنے کی قابلیت حاصل کرلوں گا۔ کیونکہ میں زبان کتابوں سے نہیں بلکہ لوگوں

سے سیکھا کرتا ہوں میں اس زبان کی ڈکشنری ساتھ لے کر ایسے علاقے میں چلا جاؤں گا جہاں وہ زبان بولی جاتی ہو اور تیس دن میں اس زبان پر حاوی ہو جاؤں گا۔

اس ضمن میں اور بہت سی باتیں یاد آ رہی ہیں مگر... انہیں چھوڑتے ہوئے ایک اور بہت نمایاں خوبی آپ کی محنت کی عادت تھی۔ جتنا عرصہ آپ مشرقی افریقہ میں رہے انگریزی اور سواحیلی پریس میں اسلام کی مدافعت اور دعوت و اشاعت میں مصروف رہے۔ بسا اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ کسی اخبار میں کوئی قابل اعتراض بات شائع ہوئی۔ مولوی صاحب نے فوراً اس کے جواب کیلئے ضروری حوالہ جات جمع کئے اور اس کا نہایت مکمل و مدلل جواب تیار کر کے پریس کو بھجوا کر پھر کسی اور کام کی طرف توجہ کی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک ضخیم سواحیلی کتاب مارکیٹ میں آئی اس میں جا بجا جماعت کا ذکر غیر مناسب اور غلط انداز میں کیا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے بڑی کوشش سے نیروبی سے وہ کتاب منگوائی۔ آٹھ نو دن مسلسل اس کتاب کو پڑھتے رہے۔ اس پر نوٹ لکھے۔ مختلف مقامات کی عبارتوں پر نشانات لگائے۔ اس ساری محنت کے بعد آپ ٹائپ رائٹر لیکر بیٹھ گئے اور بارہ یا چودہ مفصل مضامین تیار کئے جو سال بھر ہمارے سواحیلی اخبار میں چھپتے رہے اور داد و تحسین حاصل کرتے رہے۔

مضمون لکھتے ہوئے ایک خاص بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ آپ نے کوئی مضمون رف نہیں کیا تھا بلکہ فی البدیہہ ٹائپ کرتے اور چھپنے کیلئے بھجوا دیتے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آپ باقاعدہ ٹائپسٹ نہیں تھے تاہم خدمت کے میدان میں ٹائپ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس میں بھی مہارت حاصل کر لی اور اچھی خاصی رفتار سے ٹائپ کر لیا کرتے تھے۔

ایک اور نمایاں خوبی آپ کی قوت حافظہ اور یادداشت تھی۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ

قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مجلس عرفان میں باقاعدگی سے شامل ہوتے یہ مجلس بالعموم مغرب سے عشاء تک ہوتی تھی ۔آپ اگلے دن نماز فجر کے بعد مسجد میں جمع ہونے والوں کومجلس کی تمام کاروائی یا حضرت صاحب کے ارشادات اسی ترتیب سے سنا دیتے جس ترتیب سے حضرت صاحب نے بیان فرمائے ہوتے۔

خاکسار کومرکز میں آپ سے سواحیلی زبان سیکھنے کا موقع ملا۔پھر تنزانیہ اور کینیا میں آپ کے ساتھ مل کر خدمت کی توفیق حاصل ہوئی۔آپ ایک بہت ہی سادہ طبیعت۔مشفق ومہربان اور ہمدرد ساتھی تھے۔ایک مثالی واقف زندگی اور عالم باعمل تھے۔آپ نے بعض خاندانی حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے اپنے بزرگوں کے اصرار پر دوسری شادی کی۔ عام طور پر ہمارے ہاں دوشادیوں کے تصور سے ہی لڑائی جھگڑا اور حسد ورقابت کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے مگر آپ کے ہاں کبھی بھی یہ بات دیکھنے میں نہ آئی۔آپ کی دونوں بیویاں سگی بہنوں کی طرح مل کر رہتیں اور کبھی کوئی بدمزگی دیکھنے یا سننے میں نہ آئی۔آپ اپنی علمیت،عبادت اور دعا کی قبولیت کے متعلق ذکر کرنے یا سننے کو پسند نہیں کرتے تھے تاہم ان کے ساتھ رہ کر ان کی خوبیوں کا پتہ چلتا تھا میں نے آپ کو ہمیشہ ایک عالم باعمل پایا۔طبیعت میں لالچ نام کی کوئی چیز نہ تھی بلکہ غربت وقناعت کی متوازن قابل رشک کیفیت تھی۔اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے جب آپ نے سمجھا کہ اب میں پوری طرح خدمت کا حق بجا نہیں لاسکتا تو دوستوں اور ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود گوشہ نشین ہو گئے۔معلوم ہوا کہ آپ کو جوحق الخدمت ملتا تھا اس میں گزارا نہیں ہوتا تھا۔آپ نے دفتر میں اپنی آمد اور خرچ کا اندازہ لکھ کر بھجوا دیا۔ یہ جاننے کی وجہ سے کہ مولوی صاحب نے اس بارے میں کوئی مبالغہ نہیں کیا ہوگا۔دفتر کی طرف سے آپ کو ہر ماہ کچھ زائد رقم ملنے لگی۔کچھ عرصہ کے بعد آپ نے دفتر کولکھ دیا کہ اب میری ذمہ

داریاں اوراخراجات پہلے سے کم ہو گئے ہیں لہٰذا اضافی رقم کی ضرورت نہیں ہے اوراس طرح ازخوداضافی رقم حاصل کرنے سے انکار کردیا۔

آپ کی شفقت و محبت کی بہت باتیں یاد آرہی ہیں۔ ایک آخری بات کہہ کر اس عرضداشت کوختم کرتا ہوں۔ مشرقی افریقہ سے جب آپ کا تبادلہ شرق الاوسط میں ہو گیا تو بوجہ اس قلبی تعلق کے جو آپ کو مشرقی افریقہ اور وہاں کے بہت مخلص اور پیار کرنے والے احمدی بھائیوں سے تھا، آپ ہمیشہ مشرقی افریقہ کو پیار سے یاد کرتے رہے اور وہاں کے احباب بھی بہت ہی محبت اور عقیدت سے آپ کو یاد کرتے تھے۔ شرق الاوسط سے آپ نے خاکسار کے نام ایک خط میں لکھا کہ جب تک مشرقی افریقہ میں جمیل (مکرم جمیل الرحمن رفیق صاحب سیکرٹری حدیقۃ المبشرین) اور باسط کام کر رہے ہیں، میں سمجھوں گا کہ میں ہی وہاں کام کر رہا ہوں۔ (یہ فقرہ مکرم شیخ روشن دین تنویر ایڈیٹر الفضل نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد الفضل سے قلبی تعلق کا اظہار کرنے کیلئے لکھا تھا۔ جب تک مسعود اور خورشید الفضل میں کام کرتے ہیں میں سمجھوں گا کہ میں بھی وہاں کام کر رہا ہوں۔ یاد رہے کہ مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی اور مکرم شیخ خورشید احمد صاحب آپ کے زمانہ میں نائب مدیر کی خدمات بجالاتے تھے۔)

یہ آپ کی محبت کا اظہار تھا۔ آپ سے جو تعلق 1968ء میں شاگردی اور استادی کا قائم ہوا تھا اسے آپ نے دوستی میں تبدیل کر دیا۔ جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی ایک سکون اور اطمینان حاصل ہوتا۔ آخری ملاقات میں جب میں جلسہ میں شمولیت اور حضرت صاحب کی ملاقات کی سعادت حاصل کر کے واپس آیا تو بہت ہی کمزور معلوم ہو رہے تھے۔ ہسپتال میں ملاقات ہوئی۔ حضرت صاحب کی صحت کے متعلق دریافت کیا میری بیوی اور بچوں کے متعلق پوچھا اپنی کمزوری کے متعلق بتایا کہ پچھلے دنوں کئی دفعہ چل چلاؤ کا وقت آتا رہا۔ لگتا ہے کہ

آپ سے ملاقات کی اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہوئی تھی۔ بولنے میں دقت ہو رہی تھی ان کے کہنے پر میں نے چند قطرے پانی پلایا۔ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمانے لگے آپ سے بہت باتیں کرنی تھیں مگر ہمت نہیں ہو رہی۔ آپ کی باتیں اور یادیں ہمیشہ تازہ رہیں گی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(روزنامہ الفضل ربوہ 2دسمبر 1995ء)

○○

حضرت چوہدری عنایت اللہ صاحب احمدی

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک پرانے بزرگ مبلغ سلسلہ کا 11 دسمبر 2015ء کے خطبہ جمعہ میں ذکر خیر فرمایا اور نماز جنازہ بھی ادا کی۔ حضرت چودھری عنایت اللہ صاحب احمدی فوجی ملازمت کے سلسلے میں مشرقی افریقہ میں تشریف لائے تھے۔ آپ کو کینیا، تنزانیہ اور یوگینڈا کے مختلف سٹیشنوں پر خدمات بجالانے کے مواقع ملے۔ اس طرح آپ کو افریقہ کے مختلف قبائل سے خوب واقفیت ہوگئی۔ آپ کے تبلیغی شوق اور تبلیغی معلومات کو دیکھتے ہوئے حضرت مولٰنا شیخ مبارک احمد صاحب نے انہیں زندگی وقف کرنے کی توجہ دلائی۔ فوجی خدمات سے باقاعدہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ نے زندگی وقف کردی اور مشرقی افریقہ میں لمبا عرصہ خدمت بجالانے کی سعادت حاصل کی۔

خاکسار نے بھی مشرقی و وسطی افریقہ میں کم و بیش پندرہ سال خدمت کی توفیق پائی۔ کچھ عرصہ موروگورو تنزانیہ میں ہم دونوں کو اکٹھے رہنے کا موقع ملا۔ حضرت چودھری صاحب کا نام ذہن میں آتے ہی ان کی منکسر المزاجی، دعاؤں میں شغف اور سچی خوابوں کی یاد آتی ہے۔

خاکسار کی پہلی تقرری ٹبورا (تنزانیہ) میں ہوئی تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں محترم شیخ

مبارک احمد صاحب نے ابتدا میں مشرقی افریقہ کا مرکزی مشن قائم کیا تھا۔حضرت چودھری صاحب کو میرے پروگرام کا علم ہوا تو وہ موروگورو کے ریلوے سٹیشن پر ملنے کے لئے تشریف لائے۔کچھ دیر پلیٹ فارم پر گفتگو ہوئی اس کے بعد یہ پتہ چلنے پر کہ گاڑی یہاں پر کافی دیر رکتی ہے۔خاکسار کو بڑے شوق اور پیار سے مشن ہاؤس بھی دکھایا۔

اس ابتدائی ملاقات میں چودھری صاحب کے خلوص ومحبت کا جوتأثر قائم ہوا وہ ان کے حسن سلوک اور نیکی کی وجہ سے ہمیشہ بڑھتا ہی رہا۔خاکسار کو یاد ہے کہ محترم چودھری صاحب نے اپنے تجربات کی روشنی میں بعض نصائح پلیٹ فارم پر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جس علاقے میں تم جا رہے ہو وہاں اڑنے والے سانپ بھی ہوتے ہیں جو بہت خطرناک ہوتے ہیں ۔ان کے زہر سے انسان اندھا بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی بتایا کہ اس زہر کا فوری تریاق دودھ ہے۔کسی بھی جانور کا دودھ آنکھوں میں ڈالنے سے اندھے پن کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

ایک اور بات آپ نے یہ بتائی کہ ہم پنجاب میں پانی کے تالاب یا جوہڑ میں نہانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے مگر یہاں یہ امر خطرناک ہوسکتا ہے۔ پانی میں یا پانی کے اردگرد ایسے جانور یا حشرات ہوتے ہیں جو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

محترم چودھری صاحب بہت دعا گو تھے۔ان کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مستحضر رہتا تھا کہ مومن کی زبان ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہنی چاہئے۔آپ کی قبولیت دعا کے بہت سے واقعات سننے میں آتے تھے۔وہ بتایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہمیں پتہ چلا کہ ایک نو مبائع نوجوان کی علاقے میں بہت مخالفت ہورہی ہے اور یہ بھی کہ اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے ۔محترم چودھری صاحب اس کی عیادت کے لئے اس کے گاؤں گئے تو دور سے ہی افریقنوں کے رونے اور جزع وفزع کی آوازیں آنے لگیں اور نزدیک جا کر پتہ چلا کہ وہ

نوجوان تو ''اللہ کو پیارا'' ہوگیا ہے۔ محترم چودھری صاحب ان کے گھر گئے۔ سب لوگوں کو ایک طرف کر کے دعا میں مشغول ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس نوجوان میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ محترم چودھری صاحب بتایا کرتے تھے کہ اس علاقے کے لوگ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ احمدی مبلغ نے اپنی دعا سے مردہ زندہ کر دیا۔

محترم چودھری صاحب کو باغبانی کا بھی خوب ملکہ تھا۔ جہاں بھی آپ رہے وہاں اپنی یادگار کے طور پر خوشنما باغیچہ چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ٹبورا اور موروگورو میں تو خاکسار نے ان کے لگائے ہوئے پودوں، پھلوں، پھولوں سے استفادہ بھی کیا۔

محترم چودھری صاحب کو تبلیغ کا خوب شوق اور تجربہ تھا۔ آپ اپنے مخاطب سے کوئی نہ کوئی پرانی پہچان نکال کر بڑی اپنائیت سے بہت مؤثر رنگ میں بات چیت کرتے جس کا خوب اثر ہوتا۔

خاکسار کو میدان عمل میں محترم چودھری صاحب، مکرم مولٰنا محمد منور صاحب، محترم عبدالکریم شرما صاحب اور محترم بشیر اختر صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ یہ ایسے قابل رشک بزرگ تھے جو اپنے نیک نمونے اور وقف کے جذبے سے سرشار ہمہ وقت خدمت میں مصروف رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے بہترین جزا سے نوازے۔

منھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر۔

○○

وقف جدید-ایک اور بابرکت تحریک

جماعت کی مالی جہاد اور قربانیوں کی تاریخ نہایت شاندار اور قابل رشک ہے۔اس عظیم مثالی کارنامہ کے پیچھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ولولہ انگیز قیادت کا بہت بڑا دخل تھا۔تحریک جدید کا اجراء 1934ء میں ہوا جبکہ حضرت صاحبؓ کی جوانی کا زمانہ اور شدید طوفانی مخالفت کی وجہ سے جماعت کے اندر غیر معمولی جذبہ و جوش کا زمانہ تھا۔مگر 1958ء میں جبکہ حضرت صاحبؓ ایک ایسے خوفناک قاتلانہ حملہ سے دو چار ہو چکے تھے جس میں نادان دشمن کا وار شہ رگ سے چھوتے ہوئے اور اپنے اثرات پیچھے چھوڑتے ہوئے نکل گیا تھا۔اس کے نتیجہ میں حضرت صاحبؓ ایک انتہائی تکلیف دہ اعصابی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔مگر عمر کی زیادتی، بیماری کی شدت، ذمہ داریوں کے ہجوم میں ہمارا یہ خدا رسیدہ قائد ایک عجیب شان کے ساتھ جماعت کی روحانی ترقی اور تربیت کیلئے ایک نہایت وسیع پروگرام اس جماعت کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ جو تقسیم وطن کے نتیجہ میں بہت بڑے دھکے کو برداشت کر کے نئے سرے سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش میں مصروف ہے اور ایک دفعہ پھر دنیا پر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ خدائی تائید یافتہ اولیاء اللہ کی شان دنیوی لیڈروں اور خود ساختہ پیروں سے کتنی مختلف اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔اس سکیم کی اہمیت و افادیت کا اندازہ حضرت صاحبؓ

کے مندرجہ ذیل ارشاد سے ہوتا ہے:

''میں چاہتا ہوں کہ اگر کچھ نوجوان ایسے ہوں جن کے دلوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی اور حضرت شہاب الدین صاحب سہروردی کے نقش قدم پر چلیں تو جس طرح جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں تحریک جدید کے ماتحت وقف کرتے ہیں وہ اپنی زندگیاں براہ راست میرے سامنے وقف کریں تاکہ میں ان سے ایسے طریق پر کام لوں کہ وہ تبلیغ کا کام کرسکیں۔ ہمارا ملک آبادی کے لحاظ سے ویران نہیں ہے۔ لیکن روحانیت کے لحاظ سے بہت ویران ہو چکا ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان ہمت کریں اور اپنی زندگیاں اس مقصد کیلئے وقف کریں ... اور باہر جا کر نئے ربوے اور نئے قادیان بسائیں ... وہ جا کر کسی ایسی جگہ بیٹھ جائیں اور حسب ہدایت وہاں لوگوں کو تعلیم دیں۔ لوگوں کو قرآن کریم پڑھائیں اور اپنے شاگرد تیار کریں جو آگے اور جگہوں پر پھیل جائیں۔'' (الفضل 6 فروری 1958ء)

اسی طرح حضرت صاحبؓ فرماتے ہیں:

''یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے۔ اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں۔ کپڑے بیچنے پڑیں میں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا۔ خدا تعالیٰ .... میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے اتارے گا۔'' (الفضل 7 جنوری 1958ء)

اس یقین اور وثوق اعتماد اور توکل علی اللہ سے جاری ہونے والی سکیم جس طرح قدم بقدم آگے بڑھی اور جس طرح شیریں ثمرات کی حامل ہوئی اس کا ایمان افروز تذکرہ ''حضرت مرزا

طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح ؒ ۔ہماری دلی دعائیں آپ کیلئے‘‘ایک پرانے مضمون میں بیان ہوا ہے۔حضرت صاحبؒ کو بطور ناظم وقف جدید ایک لمبا عرصہ اس تحریک سے بہت قریبی تعلق رہا۔حضرت صاحبؒ کا یہ حقیقت افروز مضمون ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

پس منظر

وقف جدید کا ایک پس منظر وہ تربیتی کمزوری اور اخلاقی انحطاط ہے جس کی رفتار بالخصوص تقسیم ہندو پاک کے بعد کئی وجوہ سے خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اپنی خداداد فراست سے اس خطرے کو بڑی شدت سے محسوس فرمایا جس کی اگر بروقت روک تھام نہ کی جاتی تو یہ ایک ایسی مہیب شکل اختیار کرسکتا تھا جو قابو سے باہر ہو جاتی اور پیشتر اس کے کہ ہم اسلام کو غیر ملکوں اور غیر مذاہب میں پھیلانے میں کامیاب ہوتے۔ یہ خطرہ تھا کہ خدانخواستہ ہم خود از سر نو ہدایت کے محتاج ہو چکے ہوتے۔ایسی صورت میں وہ لوگ جنہیں ہم ہدایت کی طرف بلانے جاتے، ہمارے پیغام کو ٹھکرا کر بڑی حقارت سے ہمیں یہ کہہ سکتے تھے کہ اے طبیب خود اپنا علاج کر۔دوسرا پس منظر اس فوری اور اشد ضرورت سے بہت قبل کا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک خواہش سے تعلق رکھتا ہے۔حضرت صاحبؒ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے احباب پر خوب روشن ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وقف جدید ہی کی قسم کا کوئی نظام برصغیر ہندو پاک میں جاری فرمانا چاہتے تھے۔چنانچہ حضرت صاحب علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اس عاجز کا ارادہ ہے کہ اشاعتِ دینِ اسلام کے لئے کیلئے ایک احسن انتظام کیا جائے کہ ممالک ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر

ہوں اور بندگان خدا کو دعوت حق کریں تا حجت اسلام روئے زمین پر پوری ہو
لیکن اس ضعف اور قلت جماعت کی حالت میں ابھی یہ ارادہ کامل طور پر انجام
پذیر نہیں ہوسکتا۔" (روحانی خزائن جلد 4 نشان آسمانی ص 408)

اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وقف جدید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے جاری کی گئی۔ یہ کون نہیں جانتا کہ نبی کی خواہش ایک عام انسان کی خواہش کی طرح نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل کے میلانات اور آرزوئیں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اور باریک درباریک حکمتوں پر مبنی ہوتی ہیں پس ایک طرف اس خواہش کا 80 برس قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں پیدا ہونا اور دوسری طرف ہماری آنکھوں کے سامنے وہ حالات پیدا ہوجانا جو بڑی شدت سے نظام وقف جدید کا تقاضا کررہے تھے۔ اس تحریک کا پس منظر بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام خواہشات آپ کے زمانہ میں یا پوری ہوئیں یا ان کی بنیادیں رکھی گئیں۔ وقف جدید کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق آپ ہی کے مبارک ہاتھوں رکھی جانی مقدر تھی۔ چنانچہ 1958ء میں آپ نے اس انجمن کے قیام کا اعلان کرتے وقت فرمایا:

"پشاور سے کراچی تک رشد واصلاح کا جال پھیلایا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آرزو پر جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے لبیک لبیک کہہ رہے ہوں۔"

(روزنامہ الفضل ربوہ 22 اگست 1995ء)

○○

تحریک جدید اور جماعت کا اخلاص وقربانی

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریک جدید پیش کرتے ہوئے ان حالات کی وضاحت فرمائی جو اس وقت جماعت کو درپیش تھے۔ مختلف اطراف سے ہونے والی مخالفت کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے بطور خلاصہ فرمایا:

"....آپ لوگوں کا کام ہے کہ ہتک کا بھی ازالہ کریں اور چیلنج کا بھی جواب دیں اور ان دونوں باتوں کیلئے جو بھی قربانیاں کرنی پڑیں کریں۔"

(الفضل یکم نومبر 1934ء)

جماعت نے اس چیلنج کا جواب دیتے ہوئے بقول ایک احمدی شاعر (مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی) کہا ۔

خارِ ظلمِ ناروا سو بار الجھے غم نہیں
ہم بھریں گے آخرش پھولوں سے اپنی جھولیاں
کیا ہے گر کانٹے بچھے ہیں راہ میں دلدار کی
ہم قدم رکھ دیں گے بڑھ کر دھار پر تلوار کی

یہ جماعتی ردعمل صرف شاعری یا زبانی جمع خرچ نہیں تھا بلکہ قربانی کے ہر میدان میں نئے ریکارڈ قائم ہونے لگے۔ حضرت صاحبؓ نے ساڑھے ستائیس ہزار کا مطالبہ کیا تھا جماعت نے اس سے کئی گنا زیادہ پیش کر دیا۔ حضرت صاحبؓ نے واقفین زندگی کا مطالبہ کیا تھا جماعت نے اپنے جگر گوشے پیش کر دیئے۔ احمدی ماؤں نے اپنے اکلوتے بچے اس اہم مقصد کی خاطر پیش کر دیئے۔ بعض مخلصین جن کے جذبات اخبار الفضل میں محفوظ ہو گئے، بطور مثال پیش خدمت ہیں:

''پچھلے سال اور اس سال میں سخت مالی مشکلات میں مبتلا رہا اور ہوں۔ پہلے ارادہ کیا تھا کہ اس سال بیس روپے آپ کی خدمت میں پیش کر کے باقی کی اس شرط پر معافی چاہوں گا کہ اگر بقایا ادا کر سکا تو بہتر ورنہ آپ معافی دیدیں، مگر حضرت صاحب کا خطبہ پڑھ کر اسی وقت سے میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اگر مجھے گھر کا تمام سامان فروخت کرنا پڑے تو کر دوں گا مگر آپ کے ارشاد کی تعمیل ضرور کروں گا۔''

ایک اور فدائی نے لکھا:

''اب جو حضرت صاحب کے پاک کلمات پہنچے تو بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ روح بے چین ہو گئی۔ پیارے آقا! اس ماہ میں مقروض بھی ہوں تاہم اپنا وعدہ آپ کے قدموں میں ڈال رہا ہوں۔ اگرچہ یہ حقیر رقم ہے مگر قبولیت پر ممکن ہے میری عاقبت بخیر ہو۔''

ایک اور پیشکش اس قابل رشک طریق پر پیش ہوئی:

''خاکسار نے حضرت صاحب سے مہلت کی درخواست کی جو منظور ہو چکی

ہے۔مگر میرے دل نے کہا کہ آخری تاریخ سے پہلے ہی چندہ داخل کرنا ضروری ہےاس لئے میں نے زیور فروخت کر کے ادا کر دیا۔‘‘

اخلاص اور محبت کی ایک اور مثال اس طرح سامنے آئی کہ:

’’خاکسار گزشتہ 6 سالوں میں کم وبیش حصہ لیتا رہا۔یہ صرف حضرت صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ورنہ میرے جیسا انسان اور خصوصاً اُن حالات میں سے گزرنے والا جس کے پاس ایک پائی جمع نہ ہو بلکہ 2000 روپے کا مقروض ہو، جس کی ماہوار آمدنی بمشکل تمام گھر کے افراد کیلئے کافی ہوسکتی ہو وہ محض اللہ تعالیٰ کے رحم اور آپ کی دعاؤں کے طفیل ہی اس تحریک میں حصہ لے سکتا ہے۔‘‘

ایک معمر مخلص احمدی والہانہ انداز میں اپنے ایمان ویقین کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:

’’سیدی! میں چندہ میں اضافہ کرتا ہوں۔میرا مولیٰ میری آمدنی میں اضافہ کرتا ہےاور میرے مال واولاد میں برکت بخشتا ہے...چندہ میں نہیں دیتا، میرا مالک خالق مجھے دیتا ہے۔میں نے قرض بھی دینا تھا ان سالوں میں وہ بھی اتر گیا۔مکان کچے تھے پختہ ہوگئے۔میں تو سمجھتا ہوں تحریک جدید کا چندہ اکسیر ہے۔کیمیا گری ہے۔‘‘

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تحریک جدید میں شمولیت کی سعادت حاصل کرنے والے ایک فدائی کی مخلصانہ ادا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’آج ہی باہر سے ایک شخص کا خط آیا ہے...وہ شخص معمولی ملازم یعنی ڈاکیا ہے۔اس نے لکھا ہے کہ تراجم قرآن کریم کی تحریک میں قرآن کریم کا ایک زبان

میں ترجمہ اور اس کی چھپوائی کا خرچ اور کسی ایک کتاب کا ترجمہ اور اس کی چھپوائی کا خرچ 28000 روپے دینے کی تو مجھے توفیق نہیں مگر خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ کچھ نہیں تو ہمت کرکے 28000 پائیاں اس مد میں ادا کردوں... میں نے حساب کیا ہے 28000 پائیاں اس کی نو ماہ کی تنخواہ بنتی ہے۔ بہرحال دیکھو یہ بھی خدا کے حضور قبولیت حاصل کرنے کا ایک رنگ ہے کہ جس شخص کو 28000 روپیہ دینے کی توفیق نہیں تھی خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں 28000 پائیاں ادا کرکے ثواب حاصل کرنے کا خیال ڈال دیا اور ایک رنگ فضیلت کا اسے دے دیا۔ یہ ایک مثال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق دے دی اور اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا کردیا کہ اس پر عمل کرکے میں ثواب حاصل کروں۔"

(الفضل 25 جون 1960ء)

مالی قربانی کیلئے مسابقت کا جو جذبہ ان دنوں دیکھنے میں آیا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"دنیا میں تو یہ جھگڑے ہوتے ہیں کہ میاں بیوی کی لڑائی ہوتی ہے تو بیوی کہتی ہے مجھے زیور بنوادو اور میاں کہتا ہے میں کہاں سے زیور بنوا کر دوں میرے پاس تو روپیہ ہی نہیں۔ لیکن میں نے اپنی جماعت میں سینکڑوں جھگڑے اس قسم کے دیکھے ہیں کہ بیوی کہتی ہے میں اپنا زیور خدا تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتی ہوں مگر خاوند کہتا ہے کہ نہ دو کسی اور وقت کام آجائے گا۔ غرض خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو ایسا اخلاص بخشا ہے کہ اور عورتیں تو زیور کے پیچھے پڑتی ہیں اور ہماری

عورتیں زیور لیکر ہمارے پیچھے پھرتی ہیں۔ میں نے تحریک وقف کی تو ایک عورت اپنا زیور میرے پاس لے آئی۔ میں نے کہا میں نے سردست تحریک کی ہے کچھ مانگا نہیں۔ اس نے کہا یہ درست ہے کہ آپ نے مانگا نہیں لیکن اگر کل ہی مجھے کوئی ضرورت پیش آ گئی اور میں یہ زیور خرچ کر بیٹھی تو پھر میں کیا کروں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میں اس نیکی میں حصہ لینے سے محروم رہوں اگر آپ اس وقت لینا نہیں چاہتے تو بہر حال یہ زیور اپنے پاس بطور امانت رکھ لیں اور جب بھی دین کو ضرورت ہو خرچ کر لیا جائے۔ میں نے بہت اصرار کیا کہ اس وقت میں نے کچھ مانگا نہیں مگر وہ یہی کہتی چلی گئی کہ میں نے تو یہ زیور خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا ہے اب میں اسے واپس نہیں لے سکتی۔ یہ نظارے غرباء میں بھی نظر آتے ہیں اور امراء میں بھی لیکن امراء میں کم اور غرباء میں زیادہ۔''

(الفضل 22 جون 1946ء)

جماعت کی قربانیوں کو غیر معمولی اور قابل فخر قرار دیتے ہوئے حضرت صاحب نے فرمایا:

''1934ء کے آخر میں جماعت میں جو بیداری ہوئی اس کے نتیجہ میں جماعت نے ایسی غیر معمولی قربانی کی روح پیش کی جس کی نظیر اعلیٰ درجہ کی زندہ قوموں میں بھی مشکل سے مل سکتی ہے... تحریک جدید کے پہلے دور میں احباب نے غیر معمولی کام کیا اور ہم فخر کے ساتھ اسے پیش کر سکتے ہیں۔ مؤرخ آئیں گے جو اس امر کا تذکرہ کریں گے کہ جماعت نے ایسی حیرت انگیز قربانی کی کہ جس کی مثال نہیں ملتی اور اس کے نتائج بھی ظاہر ہیں۔ حکومت کے اس عنصر کو جو ہمیں مٹانے کے درپے تھا متواتر ذلت ہوئی... اللہ تعالیٰ نے ہمارے سب

دشمنوں کو ایسی سخت شکست دی ہے کہ حکام نے خود اس کو تسلیم کیا ہے۔"

(الفضل 15 نومبر 1938ء)

ہمارے پیارے امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ؒ نے ابتدائی مخلصین کا ذکر خیر اپنے مخصوص دلنشین انداز میں کرتے ہوئے فرمایا:

"...اگر کسی دعویدار کو ایسے لوگ نصیب ہو جائیں جن کی خرچ کی ایسی ادائیں ہوں۔ جن کی یہ خصلتیں ہوں۔ جن کے ساتھ خدا کا یہ سلوک ہو کہ ان کے اعمال بھی ساتھ ہی سدھر رہے ہوں اور ان کے اموال بھی کم نہ ہو رہے ہوں بلکہ بڑھ رہے ہوں، اس دنیا میں بھی ان کو پہلے سے بڑھ کر عطا ہو رہا ہو۔ ایسے لوگ دکھاؤ کہ غیروں میں بھی کہیں ملتے ہیں۔... جو تحریک حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 1934ء میں فرمائی تھی اس کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا یہی سلوک ہو رہا ہے۔ ایک اور رنگ میں اللہ تعالیٰ کا سلوک اضعافاً مضاعفہ ہوا کرتا ہے.... تحریک جدید نے جو کچھ بھی خدا کی راہ میں خرچ کیا ہر آئندہ سال اس سے بہت بڑھ کر خدا تعالیٰ نے پھر عطا کر دیا اور یہ سلسلہ حیرت انگیز طور پر مسلسل آگے کی طرف بڑھ رہا ہے... جتنے چندے بڑھے ہیں یہ سب تحریک جدید کے چندے کے بچے ہیں۔ اگر ان غریب قادیان والوں نے اور ہندوستان کی جماعتوں نے بکریاں بیچ بیچ کر اور کپڑے بیچ بیچ کر اور مہینوں روپیہ روپیہ دو دو روپے اکٹھے کر کے تحریک جدید کے چندے نہ دیئے ہوتے تو آج کروڑوں تک بجٹ نہیں پہنچ سکتا تھا... جتنے چندے آپ کو اس وقت یورپ اور امریکہ اور افریقہ اور دیگر جماعتوں میں نظر آ رہے ہیں یہ سارے تحریک جدید کے ان چندوں کی برکتیں

ہیں جو آغاز میں دیئے گئے تھے اور بڑی خاص دعاؤں کے ساتھ دیئے گئے تھے۔ان چندوں کے دینے والوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ شامل تھے...اس وقت تقویٰ اور نیکی کا عجیب ماحول تھا۔جس رنگ میں وہاں چندے دیئے جاتے تھے وہ ایک ایسا منظر ہے کہ شاذ و نادر ہی تاریخ میں ایسے مناظر آیا کرتے ہیں۔کئی کئی مہینوں کی تنخواہیں انجمن کے غریب کارکن دیا کرتے تھے۔آج بھی یہ مناظر ساری دنیا میں پھیل رہے ہیں اور احمدیت کی برکت سے بڑے حسین نقوش دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں لیکن ان کا آغاز قادیان سے ہوا۔...اور تحریک جدید نے اس مالی قربانی کی رغبت پیدا کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے اسے ہم کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔‘‘

(الفضل 25 اکتوبر 1985ء)

خدا کرے کہ قربانی کا جذبہ ہم میں ہمیشہ موجود اور ترقی پذیر رہے اور اللہ تعالیٰ مقبول عبادات اور قربانیوں کی توفیق مرحمت فرماوے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(الفضل ربوہ 21 نومبر 1997ء)

○○

ایک بھیانک غلطی ۔ ایک ضروری اصلاح

ایک مشہور تجربہ کار پرانے صحافی نے روزنامہ جنگ میں اپنے کالم ’’سویرے سویرے‘‘ میں پاکستان کے مسائل و مشکلات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’...اگر آپ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھیوں کو دیکھیں تو ان میں ایک بھی مذہبی لیڈر نظر نہیں آتا۔ مسلم لیگ کا کوئی عہدیدار مذہبی سیاست کے بل بوتے پر آگے نہیں آیا تھا۔ ملک کی پہلی کابینہ جس کی منظوری خود قائداعظم محمد علی جناح نے دی تھی اس میں کوئی مذہبی سیاستدان موجود نہیں تھا۔ تمام صوبائی گورنر اور وزرائے اعلیٰ موڈریٹ اور لبرل تھے اور ایک عرصے تک عملی اعتبار سے پاکستان کی حکومت سیکولر بنیادوں پر کام کرتی رہی یعنی حکومت مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اس نے کبھی شہریوں کے درمیان مذہب کی بنیاد پر کوئی امتیاز برتا تھا۔ آئین میں بھی اسکی کوئی گنجائش نہیں تھی اور قوانین میں بھی۔ ہر شہری اپنی اہلیت کے مطابق سرکاری منصب حاصل کرنے کا حقدار تھا اور یہ حق اسے ملا بھی کرتا تھا۔‘‘

اپنے اس مبنی برحقیقت تجزیہ کوآگے بڑھاتے ہوئے وہ تحریر کرتے ہیں:

''یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت جس نے پورے برصغیر کے مذہبی سیاستدانوں کی مخالفت کے باوجود پاکستان حاصل کیا آخر کیونکر اس نے خودہی انہیں امور مملکت میں مداخلت کی دعوت دی ؟اب اس راز سے پردے اٹھ چکے ہیں قرارداد مقاصد کا معاملہ مسلم لیگی حکومت کے ایماء پر اٹھایا گیا تھا...اورجب مذہبی سیاستدانوں نے یہ دیکھا کہ غیرنمائندہ اورکمزورحکمران ان کے محتاج ہیں توانہوں نے مذہبی سیاست کا ہتھیار پوری قوت سے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جس میں وہ یقیناً کامیاب رہے۔''

اس اقتباس میں مذہبی سیاست دان کی اصطلاح اوران کی کامیابی کا ادّعا قابل غور ہے۔علماء اورمولوی صاحبان جب موجودہ سیاست جو دھوکے،فریب،جھوٹ اورغلط بیانیوں سے بری طرح ملوث ہے، میں مصروف ہوجائیں توانہیں مذہبی سیاست دان ہی کہنا چاہئے وہ اپنے مذہب کوسیاسی مفاد کے لئے استعمال کررہے ہیں اوران کے سامنے مذہب کی خدمت کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ مذہب کوسیاسی مفاد اورمطلب برآری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔مذہبی سیاست دانوں کی کامیابی کا بھی یقیناً یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ پاکستان کی ترقی اوربہتری کے لئے تو نہ انہوں نے کوئی کوشش کی اورنہ ہی یہ ان کے مقاصد میں شامل تھا۔بلکہ وہ توسرے سے قیام پاکستان کے ہی مخالف تھے اوراپنے اس موقف پرکسی ندامت کے اظہار کی انہوں نے کبھی ضرورت نہیں سمجھی۔بلکہ ان کا یہ موقف بھی ریکارڈ پرہے کہ ہم پاکستان بنانے کی غلطی میں شامل نہیں تھے۔لہٰذا مذہبی سیاستدانوں کی کامیابی یہی ہوسکتی ہے کہ اپنے مفادات کے حصول میں وہ کامیاب رہے۔قطع نظر اس کے کہ پاکستان اقتصادی،معاشی بلکہ سیاسی لحاظ

سے بھی دن بدن کمزور ہوتا چلا گیا اس کی عام شہرت اس قسم کی ہوگئی کہ پاکستانی پاسپورٹ دنیا کی ہر ایئر پورٹ پر شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں پاکستانی پاسپورٹ پر ویزا جاری کرنے کے لئے معمول سے زیادہ پابندیاں عائد ہوگئی ہیں۔

مذکورہ کالم کا مندرجہ ذیل تجزیہ بھی قابل توجہ ہے:

''ذوالفقار علی بھٹو مرحوم مذہبی سیاستدانوں کو شکست دے کر اقتدار میں آئے تھے لیکن انہوں نے بھی مسلم لیگ کی تاریخ دہرائی۔ جیسے مسلم لیگ نے مذہبی سیاست دانوں کو شکست دے کر پاکستان حاصل کیا تھا اسی طرح پیپلز پارٹی مذہبی سیاستدانوں کو کھلی شکست دے کر اقتدار میں آئی تھی مگر اقتدار میں آنے کے بعد دونوں نے مذہبی سیاستدانوں کو امور مملکت میں دخل اندازی کے مواقع دیئے اور خسارے میں رہے۔''

مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناح کی کامیاب قیادت میں مسلمانوں کو متحد کر کے حصول پاکستان کا مقصد حاصل کیا۔ اس وقت بھی بعض سیاسی طالع آزماؤں یا مذہبی سیاستدانوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کی تجویز پیش کی تو قائداعظم نے اپنی فراست و تدبر سے کام لیتے ہوئے اور اس بحث کو فضول قرار دیتے ہوئے نظر انداز کر دیا اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے مذہبی سیاستدانوں سے مقابلہ کیا۔ اسی وجہ سے احمدیوں نے نہ صرف ان کو ووٹ دیئے بلکہ انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی وجہ سے ان کی پارٹی کو ان کی اپنی توقعات اور اندازوں سے بھی بڑھ کر کامیابی ہوئی لیکن اس کے بعد مذہبی سیاستدانوں کے بلند بانگ دعووں اور جوش وخروش کو دیکھ کر جب بھٹو صاحب نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے غیر اسلامی، غیر منصفانہ مطالبہ کو تسلیم کرتے

ہوئے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا فیصلہ کیا اور مذہبی سیاستدانوں کی یقین دہانیوں کی وجہ سے یہ سمجھ لیا کہ وہ پاکستان کے ہمیشہ کے لئے ہر دلعزیز حکمران بنے رہیں گے تو دنیا نے دیکھا کہ نہ صرف یہ کہ وہ ایک عبرتناک انجام سے دو چار ہوئے بلکہ ان کی پارٹی بھی کبھی وہ مقام حاصل نہ کر سکی جو اس فیصلہ سے پہلے اسے حاصل تھا۔ اس فیصلہ سے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

مذکورہ کالم میں ایک فوجی آمر کی سیاست وحکومت کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''...برملا تو اس کا کوئی بھی اظہار نہیں کرے گا لیکن یہ واقعہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے بعد فوجی قیادت یا سیاسی حکومتیں سب کو مذہبی سیاستدانوں کی طاقت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے ساتھ سمجھوتے کرنے پڑے۔ انہی سمجھوتوں کا نتیجہ ہے کہ نہ تو پاکستان میں جمہوریت آسکی اور نہ ہم جدید دور کے تقاضوں کے مطابق سماجی اور معاشی ترقی کے راستے پر چل سکتے ہیں...''

اپنے کالم کے آخر میں انہوں نے موجودہ نیم فوجی حکومت کے متعلق لکھا ہے کہ:

''جنرل پرویز مشرف نے بھی اپنے آپ کو سیاست میں فطری اتحادیوں سے دور کر لیا ہے۔ مذہبی سیاستدانوں کے مطالبات مان کر وہ عالمی تائید وحمایت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔...انتہاء پسندی کا زہر معاشرہ میں سرایت کر جائے تو پھر یہ بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ اعصابی نظام شل کر رہ جاتا ہے۔ جسم کے رگ پٹھے جھنجلاتے اور ہڈیوں کا گودا پگھل جاتا ہے۔ مذہبی انتہاء پسندی کے شکنجے سے نکلتے ہوئے یورپ اس کیفیت سے گزر چکا ہے ہمیں گزرنا ہوگا۔''

یورپ اس شکنجہ سے اس احساس کی وجہ سے نکلا ہوگا کہ اس کی موجودگی میں کسی ترقی و

بہتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا پاکستان کے برسر اقتدار لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو چکا ہے۔ افسوس ہے اس کا جواب نفی میں ہے!!!

پاکستان کے ہر ہمدرد و خیر خواہ کی تمنا اور خواہش یہی ہے کہ ماضی کی غلطیوں کی اصلاح کر کے پاکستان اقوام عالم میں ایک قابل فخر مقام حاصل کرے۔ ہمارا یقین ہے کہ ایسا ضرور ہو گا مگر یہ کام کون کرے گا؟ اور کب ہو گا؟ دیدہ باید۔

(الفضل انٹرنیشنل 16 جولائی 2004ء)

○○

روئیداد جلسہ جوبلی 1939ء

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالی عنہ کی نہایت کامیاب رہنمائی وقیادت کے پچیس سال پورے ہونے پر خوشی وشکر کے جذبات کے اظہار کے لئے 1939ء کے جلسہ سالانہ کو جوبلی کا جلسہ قرار دیا گیا۔ مکرم مولانا عبدالرحیم درد سیکرٹری کمیٹی جوبلی نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت تمام کوائف بیان کرنے کیلئے ایک کتاب شائع فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں:

''26 مارچ 1939ء کو جلسہ جوبلی کے پروگرام کی تکمیل کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے صدر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب ؓ مقرر کئے گئے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ؒ اور ناظر صاحب (اصلاح وارشاد) کو ممبر مقرر کیا گیا اور خاکسار کو سیکرٹری۔ اس کمیٹی کی تجاویز مجلس مشاورت میں پیش ہوئیں اور مشاورت کی سفارش کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خدمت میں پیش ہوئیں اور آپ نے ان کے متعلق اپنا فیصلہ فرمایا۔ جملہ انتظامات کے لئے مندرجہ ذیل کمیٹی بنائی گئی: حضرت چودھری

سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ صدر، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ (ناظر اصلاح و ارشاد)، مکرم مولانا عبدالرحیم صاحب درد (ناظر ضیافت سیکرٹری)''

اسی جوبلی کی تقریب کی مناسبت سے ''لوائے احمدیت'' تیار ہوا اور اس جلسہ میں پہلی دفعہ لہرایا گیا۔ جھنڈے کے ڈیزائن وغیرہ کیلئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جو حضرت میر محمد اسحاق صاحب ؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ؒ پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے بہت محنت اور غور و فکر سے جھنڈے کے مختلف ڈیزائن حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت صاحب کی منظوری کے بعد اس کی تیاری کا کام شروع ہوا۔ حضرت صاحب کی خواہش اور ہدایت کے مطابق اس مقصد کے لئے جو چندہ جمع کیا گیا وہ صحابہ کرام ؓ سے ہی لیا گیا۔ روئی بونے، کاتنے، بُننے کے تمام مراحل بھی ایسے خوش قسمت افراد کے ہاتھوں انجام پائے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی سعادت پائی تھی۔ 18x9 فٹ کا جھنڈا 62 فٹ اُونچے پائپ پر جلسہ سے قبل حضرت صاحب نے دعاؤں کے ساتھ اپنے مبارک ہاتھوں سے لہرایا۔ حضرت صاحب نے تمام حاضرین جلسہ سے بڑے موثر و پرجوش طریق پر عہد لیا....

خوشی کے اس موقع پر قادیان کے مینار پر بہت خوبصورت روشنیوں سے چراغاں کیا گیا۔ حمد کے ترانے گاتے ہوئے مختلف جماعتوں کے احباب جلسہ گاہ میں پہنچے۔ حضرت صاحب کی خدمت میں ذیل جماعتوں کی طرف سے ایڈریس پیش کئے گئے:

1۔صدر انجمن احمدیہ۔2۔جماعت ہائے ہندوستان،3۔جماعت ہائے آسام، 4۔جماعت ہائے بنگال،5۔جماعت ہائے بہار،6۔جماعت ہائے صوبہ سرحد،7۔ احمدی طلبہ علی گڑھ یونیورسٹی،8۔آل انڈیا نیشنل لیگ،9۔خدام الاحمدیہ،10۔جماعت بلاد عربیہ

11۔جماعت ہائے مشرقی افریقہ،12۔جماعت چینی ترکستان،13۔جماعت ہائے ملایا سنگاپور،14۔جماعت ہائے شرق الہند حضرت صاحب نے ان ایڈریسز کے جواب میں ایک پرمعارف خطاب فرمایا جس میں آپ نے متعدد اہم مسائل پر روشنی ڈالی۔ اپنی ذات پر ہونے والے خدا تعالیٰ کے غیر معمولی احسانات اور فضلوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

’’....بظاہر میں نے دنیا میں کوئی علم حاصل نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اپنی زبان تک بھی صحیح نہیں سیکھی یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کر کے اس نے مجھے ایک ایسا گر بتا دیا کہ جس سے مجھے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ میں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہتھیار کی مانند ہوں.... یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، اگر وہ نہ کرتا تو نہ مجھ میں طاقت تھی اور نہ آپ میں۔ نہ میرے علم نے کوئی کام کیا اور نہ آپ کی قربانی نے جو کچھ ہوا خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوا۔‘‘

اس کے بعد حضرت صاحب نے ایڈریس پیش کرنے والے احباب اور جماعتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

’’میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان سب کو جزاك الله احسن الجزاء کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی کے جو دن باقی ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی خدمت و تائید اور اس کے غلبہ اور مضبوطی کے لئے صرف کرنے کی توفیق عطا فرماوے تا جب اس کے حضور پیش ہونے کا موقع ملے تو شرمندہ نہ ہوں اور کہہ سکوں کہ تو نے جو خدمت میرے سپرد کی تھی تیری ہی توفیق

سے میں نے اسے ادا کرلیا۔ پھر میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل نازل کرے اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور ہم میں سے جس کے دل میں بھی کوئی کمزوری ہو اسے دور کرے۔ اخلاص میں مضبوط کرے اور ہماری زندگیوں کو اپنے لئے وقف کردے۔ ہماری زندگیوں کو بھی خوشگوار بنائے اور ہماری موتوں کو بھی۔ تا جب جنتی سنیں تو خوش ہوں کہ اور پاکیزہ روحیں ہمارے ساتھ شامل ہونے کیلئے آرہی ہیں۔''

(تاریخِ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۵۹۹)

اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قریباً تین لاکھ روپے کی رقم جو حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی اور جو اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بہت بڑی رقم تھی آپ اسے ذاتی استعمال میں نہ لائے بلکہ جماعت کے مختلف رفاہی کاموں میں خرچ فرمائی۔ اس سرمایہ سے چلنے والے افادہ عام کے کام آج بھی برابر جاری ہیں۔

(الفضل ربوہ 15 جولائی 1996ء)

○○

جلسہ سالانہ۔استقبال والوداع

جماعت احمدیہ انگلستان کا اڑتیسواں کامیاب جلسہ سالانہ اپنی شاندار روایات کے ساتھ اسلام آباد میں منعقد ہوا۔حضور انور ایدہ اللہ کی منظوری سے کئی ماہ پہلے جلسہ سالانہ کی تاریخوں کا اعلان ہوا تو منتظمین نے ایک جوش وولولہ کے ساتھ انتظامات شروع کردیئے۔افسر جلسہ سالانہ اور افسر جلسہ گاہ سے لیکر ایک عام معاون تک اس جذبہ سے سرشار تھے کہ اس دفعہ ہمارے انتظامات پہلے سے ہر طرح بہتر ہوں۔پرانے تجربات کی روشنی میں مہمانوں کی خدمت اور جسمانی وروحانی مائدہ پہلے سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی توفیق ملے۔جلسہ سالانہ پر مختلف خدمات سرانجام دینے والے خوب جانتے ہیں کہ 'ڈیوٹی' کا ایک ناقابل بیان سرور ولطف ہوتا ہے۔وہ خوش قسمت جسے قادیان کے جلسہ سالانہ پر تنور سے اترتی ہوئی گرم گرم روٹیاں گن کر ان کی ڈھیریاں لگانے کی توفیق ملی ہو یا وہ بچہ جو خدمت کے شوق میں سخت سردی کے باوجود ڈیوٹی پر حاضر ہو کر گن گن کر آبخورے (پانی پینے کا مٹی کا برتن جو اس موقع پر خاص طور پر بنایا جاتا تھا) تقسیم کررہا تھا وہ آج بھی اس لذت وکیفیت کو یاد کر کے عجیب خوشی و مسرت کا احساس پاتا ہے۔اسی طرح کی کیفیت ہمارے ہر جلسہ میں نظر آتی ہے۔

اسلام آباد کے جلسہ میں جلسہ گاہ کی تیاری کرنے والے انگلستان کے نوجوان جنہیں ربوہ کی گرد کا کوئی اندازہ نہیں وہ بھی اس مشکل کام کو بخوشی ،اڑنے والی مٹی ،گرمی ،پسینہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دن رات انجام دے رہے ہیں۔لنگر خانہ میں کھانا پکانے پر بھی جہاں چاروں طرف آگ کے چولہے ہوتے ہیں۔یہی ذوق وشوق نظر آتا ہے۔جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کی آمد شروع ہونے پر ساری احتیاطوں کے باوجود دھول مٹی اڑنے لگتی ہے۔ٹریفک کا انتظام کرنے والے نوجوان مٹی سے بچنے کی ناکام کوشش میں منہ پر ماسک رکھے اس خدمت کو بخوشی سرانجام دے رہے ہیں۔

کھانا پکانے والوں کا کام تو مشکل ہوتا ہی ہے مگر کھانا تقسیم کرنا بھی تو کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ہزاروں افراد کو ایک مختصر معین وقت کے اندر اندر کھانا مہیا کرنا جبکہ مہمانوں میں بزرگ بوڑھے،معذور،عورتیں ،بچے شامل ہوتے ہیں ان کی توقعات اور ضروریات مختلف ہوتی ہیں مگر ہر معاون اس جذبہ سے سرشار ہو کر کام کر رہا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کو جو محض خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر دور دراز کا سفر اختیار کر کے،راستہ کی طرح طرح کی مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں کسی طرح کوئی تکلیف نہ پہنچے اور انہیں کھانا اور ضرورت کی دوسری اشیاء بروقت مہیا ہوتی چلی جائیں۔

صفائی کے شعبہ کا کام بھی اپنی جگہ بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔اس مشکل میں اور اضافہ اس وجہ سے بھی ہو جاتا ہے کہ یہاں بیوت الخلاء کا سامان بنانے والوں کو صفائی کا جتنا بھی خیال اور اہتمام ہو پانی کے استعمال کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور ہم پانی کے استعمال کے بغیر صفائی کا تصور نہیں کر سکتے۔اس رجحان اور طریق کے اختلاف کی وجہ سے عموماً اس انتظام کے متعلق شکوہ ہی رہتا ہے۔تاہم اس شعبہ کے کارکن دن رات ہر ممکن طریق سے صفائی کے معیار کو بہتر

رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

ہمارے جلسوں کی جو روایات قائم ہو چکی ہیں اس کے مطابق ان جلسوں میں علم و معرفت کی ترقی بنیادی امر ہے۔ ہر شخص یہ بخوبی جانتا ہے کہ وہاں عام میلوں والی دلچسپیاں بالکل نہیں ملیں گی اس کے برعکس ایک سنجیدہ اور علمی و روحانی ماحول میں حضور ایدہ اللہ کے ارشادات اور بلند پایہ علمی تقاریر سننے کو ملیں گی۔ تبلیغ و اشاعت اسلام کے منصوبوں پر غور و عمل ہوگا۔ قرآنی معارف اور عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مضامین بیان ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہزاروں افراد کے اجتماع کا نہایت احسن رنگ میں انتظام جماعت کو دنیا بھر میں ایک ممتاز و منفرد مقام عطا فرماتا ہے۔ ایسا شائستہ پُر وقار اجتماع باعث مسرت و افتخار ہے۔

انتظامات میں بہتری کی گنجائش تو ہر جگہ موجود ہوتی ہے اور اس امر کے لئے اپنی اپنی جگہ کوشش بھی ہوتی رہتی ہے تاہم دنیا بھر میں ہر جگہ جلسہ میں شامل ہونے والے اور جلسہ کے انتظامات میں اخلاص سے حصہ لینے والے جماعت کی طرف سے مبارکباد اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ مہمانوں کی اکثریت واپس جا چکی ہے۔ باقی بھی جانے کی تیاری میں ہیں ایسے ہی ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا:

مہماں جو کر کے الفت آئے بصد محبت
دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت
پر دل کو پہنچے غم جب یاد آئے وقت رخصت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(الفضل انٹرنیشنل 20 اگست 2004ء)

○○

”السلام علیکم۔راضی خوشی آئے۔خیر و عافیت سے آئے“

(قادیان واپسی سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات کا تذکرہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے 1991ء کے جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر افتتاحی خطاب میں فرمایا:

”قادیان آنے سے متعلق یہ پہلا سفر ہے اور آئندہ بھی انشاءاللہ جب دوبارہ خدا مجھے یہاں لے کے آئے گا اور آئندہ خلفاء کو بھی لے کے آئے گا اللہ بہتر جانتا ہے ان آئندہ خلفاء کی راہ میری ہمیشہ کی آمد سے ہموار کردی جائے گی یا یہ توفیق کسی اور خلیفہ کو ملے گی۔لیکن یہ تو مجھے کامل یقین ہے کہ جس خدا نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو قادیان آخرین کا امام بنا کر بھیجا تھا وہ ضرور اپنے وعدے سچے کر دکھائے گا اور ضرور بالآخر خلافت احمدیہ اپنے اس دائمی مقام کو واپس لوٹے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قادیان واپسی کے متعلق کثرت سے الہام بھی ہوئے اور رؤیا اور کشوف بھی دکھائے گئے۔ایک دفعہ ایک غیر احمدی دوست میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے کہا کہ تقسیم ہند کے وقت تک میں احمدیت کی طرف بہت ہی مائل تھا بلکہ میں شوقیہ قادیان ان لوگوں میں بھی

حاضر ہوا جو آخری دنوں میں یہاں خدمت کر رہے تھے۔ لیکن بیعت نہیں کی تھی ۔ تقسیم ہند کے بعد میرا ایمان اٹھ گیا۔ کیونکہ مجھے حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں کہیں یہ ذکر نہیں ملا کہ آپ کو قادیان چھوڑنا پڑے گا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر ''داغ ہجرت'' سے آپ کو یہ پیغام نہیں بھی ملا اور آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے مراد شاید آخری رحلت ہو، دنیا سے عقبیٰ کا سفر ہو۔ تو کبھی آپ نے یہ نہیں سوچا کہ قادیان سے جانے کا ذکر نہیں تو قادیان میں آنے کا کیوں اتنا ذکر ملتا ہے اور اس رنگ میں ملتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اسی بستی میں پیدا ہوئے یہاں بڑھے، یہاں نشوونما پائی، یہی احمدیت کا مرکز بنا اور آپ کو الہام اللہ تعالیٰ ایسے کر رہا ہے جیسے آپ قادیان سے باہر ہیں اور وعدے کر رہا ہے کہ ضرور لے کر آئے گا۔ یہ حیرت انگیز مضمون ہے۔ تمام الہامات میں قادیان آنے کے الفاظ نہیں ملتے۔ قادیان جانے کے الفاظ ملتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص قادیان بیٹھا رؤیا دیکھ رہا ہے اس کو یہ نظر آنا چاہئے تھا کہ میں باہر سے قادیان واپس آرہا ہوں۔ یعنی میرا مقام قادیان ہے اور میں واپس لوٹ رہا ہوں۔ یہ نظر آنا چاہئے۔ ایک بھی جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح اس نقشے کو نہیں کھینچا بلکہ یہ اظہار فرمایا میں قادیان جا رہا ہوں اور رستے میں روکیں ہیں اور خدا تعالیٰ نے مختلف رنگ میں آپ کو آئندہ آنے والی خبریں عطا فرمائیں۔

ایک الہام تھا: ''مَثْنیٰ وَ ثُلَاثَ وَ رُبَاعَ''۔ جس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ دو دو تین تین چار چار مرتبہ۔ لیکن اس کے ساتھ اُردو میں یہ الہام ہوا ''اب تو امن اور برکت کے ساتھ اپنے گاؤں میں جائے گا اور میں تجھے پھر بھی یہاں لاؤں گا۔''

پس میں یقین رکھتا ہوں ،ایک ذرہ بھی مجھے اس میں شک نہیں کہ اس جلسے پر میری اور دُور دُور سے قدوسیوں کی آمد اس الہام کی صداقت کی گواہ بن گئی۔ کیونکہ جو وعدہ حضرت مسیح موعودؑ سے کیا گیا تھا وہ آج حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اس انتہائی عاجز اور ادنیٰ غلام کے حق میں پورا ہوا ہے۔اور آپ سبھی خوش نصیب اس وعدے کو پورا کرنے میں مددگار اور شریک اور ممد اور انصار بن کر یہاں پہنچے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔اور خدا کا ہم کیسے شکریہ ادا کریں جس نے یہ سعادت بغیر کسی ظاہری حق کے ہمیں عطا فرمائی۔کوئی مخفی حق اس کے علم میں ہے تو وہی جانتا ہے۔میں تو جب اپنے حال پر نگاہ کرتا ہوں تو ہرگز اپنے آپ کو اُن فضلوں کا مستحق نہیں پاتا اور خدا کی قسم اس میں کوئی جھوٹے عجز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ مجھے اپنی حیثیت کا علم ہے۔ان فضلوں کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اے خدا! میں کیا کروں تیرے لئے کس طرح ان کے شکر کا اظہار کروں۔اظہار بھی میرے بس میں نہیں۔شکر ادا کرنا تو بہت دُور کی بات ہے۔

دیکھیں اللہ تعالیٰ نے یہی وعدہ فرمایا تھا ’’اب تو امن اور برکت کے ساتھ اپنے گاؤں میں جائے گا اور میں تجھے پھر بھی یہاں لاؤں گا۔‘‘جس کا مطلب ہے کہ پہلی واپسی عارضی ہونی تھی اور امن کے ماحول میں ہونی تھی۔بعض احمدی باہر کے ملکوں میں پتہ نہیں کیسے ان خوابوں میں بسے رہے کہ گویا جس طرح فوج کشی ہوتی ہے اس طرح بڑے زور سے احمدیت کی فوج نَعُوْذُ بِاللّٰه مِنْ ذَالِك قادیان پر حملہ آور ہوگی اور اس طرح فتح حاصل کرے گی اور وہ پرانی

تاریخ انہی لفظوں میں دہرائی جائے گی جیسے بعض دفعہ پہلے رونما ہوئی ہے۔ یہ سب فرضی باتیں ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے اور وہی جانتا ہے کیا مقدر تھا اور وہ یہی مقدر تھا۔ فرمایا: ''تو امن اور برکت کے ساتھ اپنے گاؤں میں جائے گا اور میں تجھے پھر بھی یہاں لاؤں گا''۔ اب اس مضمون کو ''مَثْنیٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ'' کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو پتہ چلتا ہے ایک بار نہیں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار بار آنا ہوگا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی وہ تقدیر ظاہر ہوگی کہ جب خلافت قادیان اپنی دائمی مرکز قادیان کو واپس پہنچے گی۔

26؍ جولائی 1904ء کو یہ رؤیا ہوا اور انبیاء کے رؤیا اور کشوف بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اس رؤیا کی بڑی اہمیت ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ''ہم قادیان گئے ہیں۔'' اب دیکھیں عجیب بات ہے، قادیان رہتے ہیں اور دیکھا کہ قادیان گئے ہیں۔ میں نے سب الہامات کا مطالعہ کیا ہے ایک بھی جگہ یہ نہیں لکھا کہ قادیان آئے ہیں۔ بلکہ ہر جگہ گئے ہیں کا مضمون ہے۔ جس کا مطلب ہے بہت لمبے عرصے سے باہر رہ رہے ہیں، واپس آنے کی تمنا ہے پوری نہیں ہو رہی، دعائیں کرتے ہیں۔ اندھیرے رستے میں حائل ہیں اور پھر خدا توفیق عطا فرما دیتا ہے قادیان گئے ہیں۔

فرمایا: ''اپنے دروازے کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایک عورت نے کہا السلام علیکم اور پوچھا راضی خوشی آئے۔ خیر وعافیت سے آئے۔''

جب میں یہاں آیا تو بعض اسی قسم کی کثرت سے آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ السلام علیکم۔ خیریت سے پہنچے۔ راضی خوشی آئے۔ راضی خوشی کا لفظ

تو مجھے یاد نہیں لیکن 'خیریت سے پہنچے' اس قسم کے کلمات خیر بار ہا عورتوں کی آواز میں میرے کان میں پہنچتے تھے۔ ہر دفعہ میری روح خدا کے حضور سجدے کرتی تھی کہ خدا نے ہمیں وہ دن دکھایا جس کے وعدے حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے آج سے تقریباً نوے برس پہلے کئے گئے تھے۔ بہت سے ایسے الہامات ہیں میں ان کا ذکر چھوڑتے ہوئے چند ایک کا ذکر کر دیتا ہوں۔

''میں کسی اور جگہ ہوں اور قادیان کی طرف آنا چاہتا ہوں۔ایک دو آدمی ساتھ ہیں۔کسی نے کہا راستہ بند ہے۔ایک بڑا بحر زخار چل رہا ہے۔ میں نے دیکھا واقع میں کوئی دریا نہیں بلکہ ایک بڑا سمندر ہے اور پیچیدہ ہو ہو کر چل رہا ہے جیسے سانپ چلا کرتا ہے۔ہم واپس چلے آئے کہ ابھی راستہ نہیں اور یہ راہ بڑا خوفناک ہے۔''

یہ واقعہ بھی گزر چکا ہے اس سے پہلے صد سالہ جشن کے موقع پر بھی ہمیں یہی تمنا تھی۔ جائزے لئے گئے تو تمام طرف سے خود قادیان والوں نے بھی یہی لکھا کہ ابھی حالات سازگار نہیں اور حالات خطرناک ہیں۔پنجاب میں بھی امن نہیں ہے اس لئے آپ نہ تشریف لائیں۔ حالانکہ میری دلی خواہش یہ تھی کہ میں آؤں ۔تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رؤیا بھی بڑی شان کے ساتھ پورا ہو چکا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً فرمایا:

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ جس خدا نے قرآن کریم پر عمل کرنا تیرے لئے فرض قرار دیا ہے وہ لازما تجھے اپنے

معاد کی طرف، اس آخری مستقل قیام گاہ کی طرف واپس لے کر آئے گا۔ اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً - یَأْتِیْکَ نُصْرَتِیْ اِنِّیْ اَنَا الرَّحْمٰنُ ذُوْ الْمَجْدِ وَالْعُلٰی پھر آپ کو الہام ہوا وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے نیک طور پر (دوبارہ مکہ میں) داخل کر۔ یہ ترجمہ جو ہے چونکہ لکھنے والے نے تفسیر صغیر سے لیا ہے اس لئے یہاں لفظ مکہ کا لکھا گیا ہے۔ قرآنی دعا میں نہ صرف یہ کہ مکہ کا ذکر نہیں بلکہ جس مقام کا ذکر ہے وہ کوئی ظاہری مقام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہونا تھا۔ لیکن اس کی ذیل میں ظلی طور پر مکہ کا ذکر شامل ہے اس لئے ہر ایسی دعا کرنے والا محض مکہ میں داخل ہونے کے لئے ایسی دعا نہیں کرتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں یہ التجا کرتا ہے کہ اے خدا تو نے جس طرح اپنے پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار بلند سے بلند مقامات میں داخل فرمایا اور ہر بلند مقام سے ایک اور بلند مقام کی طرف نکلنے کی توفیق بخشی۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک فرما۔ پس اسی ذیل میں قادیان بھی آتا ہے اور یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خطاب ہے اس میں ان معنوں میں قادیان واپسی کے لئے پیش گوئی تھی۔''

(الفضل انٹرنیشنل 30 دسمبر 2005ء)

○○

پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیاں

قادیان میں گزرے ہوئے بچپن کی یادوں میں ایک بہت ہی نمایاں یاد جلسہ سالانہ کی ہے۔نمازوں کے اوقات میں دور دور تک گلیوں اور بازاروں میں قطار اندر قطار، عبادت گزاروں کے آنسو اور سسکیاں، جلسہ گاہ میں مختلف رنگ ونسل کے لوگوں کا پر اشتیاق ہجوم، سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے رات کے اندھیروں میں علم و معرفت کے شائقین کا موم بتیوں کی روشنی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی روح پرور تقاریر کے نوٹ لینا۔سردی کی شدت میں معمر بزرگوں کا اپنی جسمانی حاجتوں اور ضرورتوں کو دبا کر ہر حال میں جلسہ کی کاروائی میں شامل رہنا۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی آخری آرام گاہ پر دعاؤں کے رقت انگیز مناظر، ہزاروں مہمانوں کی میزبانی کیلئے قادیان کے چھوٹوں بڑوں کا اشتیاق اور مسلسل محنت ،مہمانوں کا یخ بستہ ہواؤں اور مہاوٹ (سردیوں کی بارش) کے باوجود دیوانہ وار قادیان پہنچنا اس زمانہ میں جبکہ سفر کی سہولتیں بہت ہی کم تھیں۔ملتان اور ڈیرہ غازی خاں کے بعض خوش قسمت احمدیوں کے بیان سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ بعض اوقات پا پیادہ اس سفر پر چل پڑتے تھے اور اکثر اوقات راستہ میں جوتے اور چپل وغیرہ بھی جواب دے دیتے تو بزبان

حال ۔

دل خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

کہتے ہوئے سفر کو جاری رکھنا۔ یہاں اگر ایک لمحہ کیلئے رک کر اس عاشق صادق کے جذبات کو سمجھنے یا تصور میں لانے کی کوشش کی جائے تو خوب ہوگا، جو سردی کے باوجود غربت ناداری کے باوجود، مخالفوں کی گالیوں اور استہزاء کے باوجود جوتا ٹوٹ جانے کی صورت میں ننگے پاؤں ایک بلند مقصد کیلئے سفر کرتے ہوئے کیا لذت و سرور حاصل کرتا ہوگا۔

وہ بابرکت اجتماع جو جماعت کی علمی ترقی، باہم محبت و یگانگت اور روحانی ترقی میں اپنی مثال آپ تھا۔ قادیان جیسی چھوٹی سی بستی میں منعقد ہوتا۔ قادیان کسی قدرتی رستے و دریا وغیرہ پر آباد نہیں تھا۔ وہاں تجارتی مرکز بھی کوئی نہیں تھا۔ وہاں کارخانے اور صنعتی ترقی اور ملازمت وغیرہ کی بھی کوئی صورت نہ تھی۔ تاہم اسلام کی خدمت کرنے والے ایک وجود نے اسلام کی خدمت کی غرض سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تو سعید روحیں کشاں کشاں وہاں پہنچنے لگیں۔ قادیان خدائے واحد کی عبادت اور پیار و محبت کا ایک نشان بن گیا۔ وہ خوش قسمت جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آپؑ کی زیارت و ملاقات کیلئے وہاں جاتے، انہیں دن رات خدمت دین کے جذبہ سے سرشار لوگوں کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملتا۔ آپ کی پر لطف صحبتوں میں وہ روحانی خزائن تقسیم ہوتے تھے جنہیں دنیا دار لوگ قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔

مزید برآں انہیں حضرت مولانا نورالدینؓ جیسے عظیم عاشقِ کلامِ الٰہی کی زبان سے حکمت و دانائی حاصل ہوتی۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ کی نہایت عمدہ اور بلند آواز اور موثر انداز میں کلام الٰہی کانوں میں رس گھولتا۔ حضرت مولانا محمد احسنؓ اور حضرت مولانا

برہان الدین ؓ سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا جو چلتے پھرتے دینی مکتب تھے اور جہاں سے ہر وقت علوم دینی کا درس جاری رہتا۔ حضرت بھائی عبد الرحمن قادیانی ؓ کے عشق و محبت اور فدائیت کے مظاہرے دیکھنے کو ملتے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ؓ کا وفور شوق میں لاہور سے دیوانہ وار قادیان جا کر دیدار و زیارت سے فیضیاب ہونا اور پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دیار حبیب میں ہی دھونی رما کر بیٹھ جانا، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب ؓ منقولی علم اور خاص طور پر علم نحو د منطق میں مشہور مدرسہ دیوبند سے نمایاں کامیابی اور شہرت حاصل کرنے کے بعد وہاں کی 90 روپے ماہانہ کی ملازمت اور ترقی کے مواقع کی پرواہ نہ کرتے ہوئے 7 روپے ماہوار کی برائے نام آمد پر خدمت دین پر کمر بستہ ہو گئے اور اسی زہد و درویشی کی حالت میں ساری زندگی گزار دی۔ میں اپنے انہیں منتشر خیالات اور یادوں میں غلطاں و پیچاں لندن کی ایک سڑک پار کرنے لگا تھا۔ ان تمام یادوں میں لاشعور میں یہ امر برابر کھٹک رہا تھا کہ جلسہ کے دنوں میں ہم قادیان کے باسی جلسہ پر آنے والے خوش نصیب مہمانوں کے میزبان ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ جبکہ اب ہمیں جلسہ میں شامل ہونے کی سعادت کا حصول بھی ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

انگلستان جیسے دور دراز مقام پر جلسہ ہو تو میرے جیسے بے مایہ و بے وسیلہ کا وہاں پہنچنا عام حالات میں تو حد امکان سے بہت دور ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد بھی اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے کہ وہاں واقعی جلسہ میں شمولیت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

جی ہاں ایسے ہی خیالات کی رو میں لندن کی ایک سڑک پار کرنے لگا۔ لندن جو شہروں کا شہر کہلاتا ہے جس کی آبادی اور وسعت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ دن کے وقت اس شہر

کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کیلئے ایک تیز رفتار مشاق موٹر ڈرائیور بھی ایک گھنٹہ سے زیادہ میں ہی کامیاب ہو سکے گا۔ سڑک کو پار کرنے لگا تو دوسری طرف کالے برقعہ میں ملبوس تین خواتین نظر آئیں اور ابھی میں اپنی خوشگوار حیرت میں ہی تھا کہ دوسری طرف سے آواز آئی چچا جان سلام میں رہان صاحب کی بیٹی ہوں، اتنی دیر میں خاکسار ان کے پاس پہنچ چکا تھا معلوم ہوا کہ برادر بزرگ مکرم مولانا نذیر احمد صاحب رہان کی بیٹی اور بہو جرمنی سے جلسہ میں شرکت کیلئے آئی ہیں۔ اتنے بڑے شہر میں پاکستان اور جرمنی سے آئے ہوئے زائرین کی وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں کے اندر اندر اس طرح اچانک ملاقات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ کے فروغ اور صداقت کی عجیب نا قابل بیان کیفیت پیدا کر دی۔ میری رہائش گاہ قریب ہی تھی۔ ان بچیوں کو میں اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ وہ میری اہلیہ اور بیٹی سے مل کر اور برادرم رہان صاحب کے بھجوائے ہوئے پیغام کو وصول کر کے بہت خوش ہوئیں۔ بات لمبی ہوتی جارہی ہے اور ابھی جلسہ تو شروع بھی نہیں ہوا۔ اور ہمارا جلسہ نصرت تائید الٰہی کا ایسا بابرکت ہجوم ہوتا ہے کہ اس کا بیان و احاطہ ایک مجلس میں ہو بھی نہیں سکتا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 19 نومبر 1997ء)

○○

رمضان۔قسمتیں سنوارنے والامہینہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتباس ہے۔آپؑ فرماتے ہیں:

’’حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں۔ایک وہ جس نے رمضان پایا پھر رمضان گزر گیا اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گزر گئے اور گناہ بخشے نہ گئے۔‘‘

یہ جو دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہے دراصل اللہ کے تعلق میں لازماً یہی مضمون ہے جو رمضان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہی مضمون ہے جو رمضان کے حوالے سے سمجھانا بہت ضروری تھا۔ اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ والدین کو پایا اور گناہ بخشے نہ گئے اسی حالت میں رمضان گزر گیا یہ بہت ہی گہرا نکتہ ہے جس کا قرآنی تعلیم سے تعلق ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الأنعام 152)۔ تو کہہ دے کہ آؤ میں تمہیں وہ بات

بتاؤں جو خدا تعالیٰ نے حرام کردی ہے تم پر۔ایک یہ کہ خدا کا شریک نہیں ٹھہرانا۔اپنی عبادت کو اسی کے لئے خالص کرلو۔دوسرا یہ کہ ماں باپ سے لازماً احسان کا سلوک کرنا ہے اور ماں باپ کی نافرمانی کر کے خدا کی ناراضگی نہ کما بیٹھنا۔تو شرک کا مضمون خدا تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا کہ میرا شرک کروگے تو یہ بہت ہی بڑا گناہ ہوگا۔حرام کردیا ہے تم پر۔لیکن ماں باپ سے احسان کروگے وہ میرا شریک بنانا نہیں ہے۔شرک سے نیچے نیچے اگر کسی کی عظمت خدا تعالیٰ نے قائم فرمائی ہے تو وہ ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی ہی نہیں اس سے بڑھ کر ان سے حسن سلوک کرنا ہے۔

پس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ رمضان شریف میں دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں جو نہ خدا کو پا سکیں ،نہ ماں باپ کا کچھ کرسکیں۔رمضان گزر جائے اور ان دو پہلوؤں سے ان کے گناہ نہ بخشے گئے ہوں تو یہ دو الگ الگ چیزیں نہیں ،ایک دوسرے کے ساتھ مربوط چیزیں ہیں ۔وجہ یہ ہے کہ اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے اور اس احسان میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔یعنی اس نے آپ کو پیدا کیا،اس نے سب کچھ بنایا اور ماں باپ بھی اس میں شریک ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ ماں باپ کو بھی اسی نے بنایا اور ماں باپ کو جو توفیق بخشی آپ کو پیدا کرنے کی وہ اسی نے پیدا کی ہے،اپنے طور پر تو کوئی کسی کو پیدا کر ہی نہیں سکتا اپنے زور سے۔ایک معمولی سا خون کا لوتھڑا بھی انسان پیدا نہیں کرسکتا اگر خدا تعالیٰ نے اس کو ذرائع نہ بخشے ہوں۔

تو پہلا مضمون یہ ہے کہ اللہ خالق ہے اس لئے اس کا شریک ٹھہرانے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔اور سب سے بڑا ظلم ہے کہ خدا جس نے سب کچھ بنایا ہے اس کو

نظر انداز کر کے نعمتوں کے شکریے دوسروں کی طرف منسوب کر دیئے جائیں ۔پھراس تخلیق کا اعادہ ماں باپ کے ذریعے ہوتا ہےاور پھر ماں باپ کے ساتھ آپ کا وجود بنتا ہے۔ اگر ایک تخلیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ احسان کا سلوک کریں گے تو جو عظیم خالق ہے لازماً اس کے لئے بھی دل میں امتنان اوراحسان کے جذبات زیادہ زور کے ساتھ پیدا ہونگے اور پرورش پائیں گے۔ پس یہ دو مضمون جڑے ہوئے ہیں۔

جو ماں باپ کے احسان کا خیال نہیں کرتا اوران سے احسان کا سلوک نہیں کرتا، اس سے یہ توقع کر لینا کہ وہ اللہ کے احسان کا خیال کرے گا یہ بالکل دور کی کوڑی ہے۔پس ماں باپ کا ایک تخلیقی تعلق ہے جسے اس مضمون میں ظاہر فرمایا گیا ہےاور رمضان مبارک میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کا مقصد خدا تعالیٰ کو پانا قرار دیا ہےاور خدا تعالیٰ کو حاصل کرنا بنیادی مقصد بیان فرمایا ہے۔پس اس تعلق سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سب سے زیادہ قرآن کا عرفان پلائے گئے آپؐ نے یہ مضمون ہمارے سامنے اکٹھا پیش کیا کہ رمضان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتے وقت ہر قسم کے محسنوں کا احسان اتارنے کی کوشش کرو۔ ماں باپ کا احسان تو تم اتار سکتے ہو ان معنوں میں کہ تم مسلسل ان سے احسان کا سلوک کرتے رہو، عمر بھر کرتے رہو۔ اگر احسان نہ بھی اترے تو کم سے کم تم ظالم اور بے حیا نہیں کہلاؤ گے۔تمہارے اندر کچھ نہ کچھ یہ طمانیت پیدا ہو گی کہ ہم نے اتنے بڑے محسن اور محسنہ کی کچھ خدمت کر کے تو اپنی طرف سے کوشش کر لی ہے کہ جس حد تک ممکن تھا ہم احسان کا بدلہ اتاریں ۔اللہ تعالیٰ کے احسان کا بدلہ نہیں اتارا جا سکتا

اور ایک ہی طریق ہے کہ ہر چیز میں اپنی عبادت کو اسی کے لئے خالص کرلو، اس کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17/جنوری 1997ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 7/مارچ 1997ء)

اسی طرح حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’ماں باپ کے احسان کا بدلہ احسان سے دینا یہ مضمون تو کسی حد تک سمجھ میں آجاتا ہے مگر اللہ کا بدلہ احسان سے کیسے دو۔ یہ مضمون حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ہمیں سمجھا دیا اور یوں سمجھایا کہ نماز میں اس طرح نمازیں ادا کرو، اس طرح حضور اختیار کرو خدا کے سامنے گویا وہ تمہیں سامنے کھڑا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو اتنا ہی خیال رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ جو احسان ہے یہ کامل توحید کا مظہر ہے۔ جب دوسرے سب خدا مٹ جاتے ہیں، جب تمام تر توجہ خدا کی طرف ہو جاتی ہے اس وقت یہ احسان ہوتا ہے، اس کے بغیر ہو نہیں سکتا‘‘۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 24/جنوری 1997ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 14/مارچ 1997ء)

(الفضل انٹرنیشنل 29 ستمبر 2006ء)

○○

تعمیر مسجد

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ گزشتہ دنوں انگلستان کی بعض جماعتوں میں تشریف لے گئے۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کامیاب دورہ میں ایک مسجد کا افتتاح فرمایا اور دو مساجد کی بنیاد رکھی۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے ساری جماعت کو رمضان سے قبل ہی عید کی سی خوشی عطا فرمائی۔ گویا عام طور پر تو رمضان کے روزے رکھنے کے بعد عید کی خوشی ملا کرتی ہے مگر امسال اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں رمضان سے قبل بھی ایک جماعتی خوشی حاصل ہوئی۔

یورپ میں مسجد کی تعمیر جماعتی تاریخ میں بجاطور پر ایک نمایاں کارنامے کی صورت رکھتی ہے۔جماعت نے نہایت کمزوری اور غربت کے زمانہ میں کئی مشکلات اور تنگیوں میں سے گزرتے ہوئے تعمیر مساجد کی ذمہ داریاں پوری کی تھیں۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہو چکی ہے۔جہاں پہلے گنتی کے چند احمدی ہوتے تھے وہاں اب ہزاروں تک تعداد پہنچ چکی ہے اور ترقی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔الحمدللہ۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ ادا کر کے برمنگھم کی مسجد کا افتتاح

فرمایا۔جیسا کہ احباب جماعت جانتے ہیں کہ برمنگھم انگلستان کا دوسرا بڑا شہر ہے اور ملک کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے اس شہر کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اس شہر کے وسط میں ایک وسیع و شاندار مسجد کی تعمیر کی توفیق ملنے پر ہم میں سے ہر شخص خدا تعالیٰ کے شکر کے جذبات سے لبریز ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہارٹلے پول(Hartlepool) اور بریڈ فورڈ (Bradford) میں اپنے دست مبارک سے پرسوز دعاؤں کے ساتھ سنگ بنیاد نصب فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے خطاب میں جماعت کو نہایت مؤثر رنگ میں تلقین فرمائی کہ مسجدوں کی تعمیر سے زیادہ مسجدوں کی آبادی ضروری ہے اور جماعت کو چاہئے وہ ان مساجد کو خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے والوں سے آباد رکھیں۔ان مساجد کی تعمیر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کی ذیلی تنظیموں کو تحریک فرما کر نیکیوں میں مسابقت کا ایک نہایت عمدہ و بابرکت موقع مہیا فرمایا ہے ۔ اُمید ہے کہ ذیلی تنظیمیں اپنی سابقہ روایات کے مطابق قربانی کی شاندار مثال پیش کریں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کو جنت کے میووں کے حصول کی جگہ فرمایا ہے یعنی مسجد میں جا کر عبادات ،دعاؤں ، ذکر الٰہی سے انسان خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرتا ہے اور اپنے آپ کو جنت کی نعمتوں کا مستحق کر لیتا ہے۔مسجد کی عظمت واہمیت سمجھاتے ہوئے حضورؐ نے یہاں تک فرمایا کہ قیامت کے روز جب کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا اور کسی طرف کوئی سایہ اور آرام کی جگہ نہ ملے گی اس دن وہ خوش نصیب خدا تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں ہوگا جس کا دل مسجد سے معلق رہتا ہے۔وہ مسجد میں ایسا اطمینان وسکون محسوس کرتا ہے جیسا ایک مچھلی پانی میں محسوس کرتی ہے اور مسجد سے باہر بھی اس کو جانا تو پڑتا ہے مگر وہ ایسا مجبوراً ہی کرتا ہے اور باہر

رہتے ہوئے بھی اس کا دل و دماغ جلد سے جلد اپنے کاموں سے فارغ ہو کر مسجد واپس جانے کے لئے مچلتا رہتا ہے۔

مسجد ایک مسلمان کی مذہبی ، روحانی و معاشرتی زندگی کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لئے مرکزی مقام رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اگر کوئی شخص وضو کر کے صرف عبادت کی غرض سے مسجد کی طرف جاتا ہے تو ہر قدم جو وہ اٹھاتا ہے اس سے اس کے درجات بلند ہوتے اور اس کی غلطیاں اور گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔

رمضان کے مبارک ایام میں مساجد کی رونق میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ نمازی لوگ بڑے شوق سے مساجد کی آبادی بڑھاتے ہیں۔ یہ نظارہ بہت بھلا معلوم ہوتا ہے اور یقیناً ہر اس شخص کے لئے جسے مسجد میں حاضر ہونے اور عبادت بجالانے کی توفیق ملتی ہے یہ امر باعث سکون و خوشی ہوتا ہے۔ اس لئے بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم رمضان کے ایام کی برکات کو زیادہ وسیع کرنے اور ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کے لئے یہ عہد کریں کہ ہماری مساجد رمضان گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح آباد رہیں گی اور ہم نماز باجماعت کا اس طرح اہتمام کریں گے کہ نہ صرف اپنی نمازوں کا خیال رکھیں گے بلکہ اپنے عزیز و اقارب اور جاننے والوں کی نمازوں کا بھی خیال رکھیں گے اور پوری کوشش کریں گے کہ ہماری جماعت کا ہمیشہ ہی یہ امتیازی نشان اور پہچان ہو کہ ہم نمازی لوگ ہیں اور ہمارے دل مساجد سے بہت گہرا اور زندہ تعلق رکھتے ہیں۔

یہ ہمارا حقیقی اور عملی جواب ہوگا ان لوگوں کے لئے جو پاکستان میں ہمیں اپنی مساجد کو مسجد کہنے، مسجد میں اذان دینے اور عبادت کرنے پر پابندیاں لگا کر اپنے اس ظلم پر خوش ہو رہے ہیں۔ ان کی پابندیاں، ان کے مظالم، ان کا حسد ہمیں ہماری روح کی غذا، عبادت اور

مسجدوں سے دور نہیں رکھ سکتا۔ ہم تقویٰ اور خلوص سے مسجدیں بناتے اور ان کی آبادی کے لئے برابر کوشاں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔ آمین

(الفضل انٹرنیشنل5 نومبر 2004ء)

○○

جسمانی صحت

دین فطرت اسلام انسان کے تمام طبعی تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کے لئے مکمل رہنمائی اور ہدایات فراہم کرتا ہے۔حرام وحلال کے متعلق حکیمانہ رہنمائی بھی انسان کی جسمانی روحانی واخلاقی بہتری کا مفید ومؤثر لائحہ عمل ہے۔قرآن مجید یہ رہنما اصول بیان کرتا ہے کہ:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (الأعراف 32)

کھاؤ، پیومگر اسراف نہ کرو

یعنی کسی قسم کی زیادتی نہ کرو بلکہ توازن واعتدال کا طریق اختیار کرو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی قرآنی حکمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومن کافر کے مقابلہ میں کم کھاتا ہے اور یہ بھی کہ کھانا کھاتے ہوئے اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ابھی کسی قدر بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔

موجودہ زمانے کی اکثر بیماریوں کا باعث یہی ہے کہ کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے اور توازن و اعتدال کا طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔اخبارات میں ذیابیطس کے متعلق ایک رپورٹ شائع ہوئی۔روزنامہ جنگ 16رنومبر 2004ء کے حوالہ سے یہ رپورٹ درج ذیل ہے:

''پوری دنیا میں بیماریوں کی جڑ ذیابیطس کا 14 واں عالمی دن موٹاپے سے بچاؤ کے عنوان کے تحت منایا گیا۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں خطوں کے ملکوں میں موٹاپے کے موذی مرض میں انتہائی خطرناک رفتار سے اضافہ ہو رہا ہے۔ دنیا بھر میں ساڑھے 19 کروڑ افراد شوگر کے مرض میں مبتلا ہیں جس کی ساٹھ فیصد وجہ موٹاپا ہے۔ پاکستان میں ذیابیطس کے مریضوں کی تعداد 88 لاکھ، جب کہ بھارت 3 کروڑ 55 لاکھ، امریکہ میں ایک کروڑ 60 لاکھ افراد ذیابیطس کے موذی مرض میں مبتلا۔ 6 ارب کی عالمی آبادی میں ایک ارب افراد کا وزن زیادہ ہے۔ 2005ء تک مریضوں کی تعداد میں 33 کروڑ سے زائد اضافہ ہوجائے گا۔ 30 کروڑ افراد موٹاپے میں مبتلا ہے۔ روزانہ معمولی جسمانی سرگرمی ذیابیطس کا خطرہ 60 فیصد کم کرتی ہے۔ جنگ کے ڈیویلوپمنٹ رپورٹنگ سیل نے عالمی دن کے حوالے سے جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق 1995ء سے 2001ء کے چھ سالوں میں شوگر کے مریضوں کی تعداد میں مزید 9.6 فیصد افراد اس مرض میں جکڑے گئے جبکہ مجموعی طور 1995ء سے 2003ء کے آٹھ برسوں کے دوران شوگر کے مرض میں مبتلا افراد کی تعداد میں 43.7 فیصد یعنی 5 کروڑ 90 لاکھ مریضوں کا اضافہ ہوا۔ اس طرح مریضوں کی تعداد میں اوسط سالانہ اضافہ 5.4 فیصد جبکہ تعداد کے حوالے سے اوسط سالانہ 73 لاکھ 75 ہزار افراد ذیابیطس کی عالمی تعداد کا حصہ بن رہے ہیں۔ انٹرنیشنل ڈائی بیٹک فیڈریشن کے مطابق دنیا بھر میں ایک ارب سے زائد افراد کا وزن ان کے مطلوبہ وزن سے زائد ہے جبکہ 30 کروڑ افراد موٹاپے کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ورلڈ واچ انسٹی

ٹیوٹ کے مطابق موٹاپا ٹائپ2 ذیابیطس کے مرض کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہورہاہے۔تحقیق کے مطابق80فیصد ٹائپ2 ذیابیطس کے تشخیص کردہ افراد موٹاپے کا شکار ہوتے ہیں اور ایسے افراد کی موٹاپے کے باعث موذی مرض میں مبتلا ہونے کے باعث عمر آٹھ سال تک کم ہوسکتی ہے۔ ماہرین کے مطابق روزمرہ زندگی اور رہن سہن کے طور طریقوں بشمول خوراک کے استعمال میں تبدیلی اور روزانہ معمولی جسمانی سرگرمی سے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہونے کے خطرہ کو60فیصد تک کم کیا جاسکتا ہے۔جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن 2003ء کے مطابق اس وقت دنیا بھر کی 60فیصد آبادی مناسب جسمانی سرگرمیوں (Activity) سے محروم ہیں۔یہ تمام اعداد وشمار اس بات کا واضح ثبوت ہے عالمی سطح پر موٹاپے کا مرض تیزی سے پھیل رہا ہے بلکہ ذیابیطس کا باعث بھی بن رہا ہے۔عالمی ذیابیطس فیڈریشن کی رپورٹ 2004ء کے مطابق دنیا بھر میں شوگر کے مرض میں مبتلا افراد کی تعداد 19 کروڑ 40لاکھ ہوگئی ہے۔ WHO کی رپورٹ کے مطابق1995ء میں ذیابیطس کے مریضوں کی تعداد13 کروڑ50لاکھ تھی جوکہ 2001ء میں 17 کروڑ70لاکھ تک پہنچ گئی جبکہ اب ایسے افراد کی تعداد19 کروڑ 40 لاکھ ہے۔ماہرین کے مطابق یہ مرض اس طرح بڑھتا رہا تو2025ء تک اس مرض سے متاثر افراد کی تعداد33 کروڑ30لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ اور آئندہ برسوں کے دوران سب سے زیادہ اضافہ براعظم افریقہ، مشرقی بحیرہ روم، مشرق وسطیٰ،جنوب مشرقی ایشیا میں ہوگا جہاں ایسے افراد کی تعداد دوگنا ہوجائے گی جبکہ یورپ میں20 فیصد،شمالی امریکہ میں

50 فیصد، جنوبی وسطی امریکہ میں 25 اور مغربی بحر اوقیانوس میں 75 فیصد اضافہ ہوگا۔ جبکہ مجموعی طور پر 2025ء تک ترقی پذیر ممالک میں ذیابیطس کے کینسر کی تعداد میں 170 فیصد اور ترقی یافتہ ممالک میں 42 فیصد اضافہ ہوگا۔ ان ممالک میں اندھے پن کی سب سے بڑی وجہ بھی شوگر ہے۔ تحقیق کے مطابق شوگر کے مرض میں پندرہ سال تک مبتلا رہنے والے مریضوں میں سے 2 فیصد اندھے پن اور دس فیصد کمزوریٔ بصارت کا شکار ہوجاتے ہیں اور دنیا میں 52 لاکھ سے زائد افراد ذیابیطس کے باعث اندھے ہو چکے ہیں۔ ڈائی بیٹک فیڈریشن کے مطابق پاکستان میں شوگر سے متأثر 20 سے 79 سال کے افراد کی تعداد 88 لاکھ ہے۔ اس اعتبار سے پاکستانی شوگر کے مرض میں مبتلا دنیا کی پانچویں بڑی قوم ہے۔ دنیا بھر میں شوگر کے مریضوں کے تعداد کے لحاظ سے بھارت پہلے، چین دوسرے، امریکہ تیسرے اور روس چوتھے نمبر پر ہے۔ منسٹری آف انڈسٹریز پروڈکشن کے ایکسپرٹ ایڈوائزری سیل کے مطابق ملک میں چینی کا مختلف صورتوں میں فی کس استعمال 21 کلو سالانہ ہے جو کہ 1980ء تک صرف 9.1 کلو سالانہ تھا۔ جو اس امر کی واضح نشاندہی ہے کہ ملک میں میٹھی چیزوں سے لوگوں کی رغبت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری ذیلی تنظیموں لجنہ اماء اللہ، خدام الاحمدیہ، انصار اللہ میں صحت جسمانی کا شعبہ پہلے سے موجود ہے اور مفید و مؤثر کام کر رہا ہے۔ اسی طرح ہمارے ماہر ڈاکٹر صاحبان کی تنظیمیں بھی موجود ہیں۔ اگر باہم مشورے اور تعاون سے ہر ملک میں صحت جسمانی کا شعبہ مندرجہ بالا رپورٹ کو ایک چیلنج سمجھتے ہوئے ان امراض کا مقابلہ اور

روک تھام کی جائے تو مسلسل و مربوط کوشش سے جماعت کے ہر ممبر کو حفظان صحت کے اصولوں سے بخوبی واقف کر کے اور پرہیز و علاج کے سلسلہ میں رہنمائی کرتے ہوئے تھوڑے عرصہ میں ایک نمایاں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔اور جس طرح ہماری جماعت باہم اتحاد و اتفاق، جماعتی نظم وضبط، مالی قربانی اور نیکیوں میں سبقت وغیرہ میں بہت اچھی شہرت رکھتی ہے۔(گو اس میں بھی اور ترقی اور اضافہ کی گنجائش موجود ہے) اس طرح دنیا بھر میں جماعت بہتر صحت جسمانی کے لحاظ سے بھی نمایاں مقام حاصل کرسکتی ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''ایک صحت مند قوی مومن بیمار و کمزور مومن سے بہتر ہے۔''

(الفضل انٹرنیشنل3 دسمبر 2004ء)

○○

ہماری تاریخ

براہین احمدیہ کے مسودہ کو خوشخط نقل کرنے کیلئے آپ نے میاں شمس الدین صاحب (جو آپ کے استاد فضل الٰہی صاحب کے بیٹے تھے) کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ جب وہ مسودہ صاف اور شستہ خط میں نقل کر لیتے تو اسے منشی امام الدین صاحب کاتب امرتسری کو دے دیا جاتا۔ جو امرتسر سے قادیان آکر حضرت صاحب کی نگرانی میں کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ جب کاپیاں تیار ہو جاتیں تو ان پر نظر ثانی فرماتے اور تصحیح کرنے کے بعد انہیں پریس تک پہنچانے کے لئے اکثر خود ہی امرتسر تشریف لے جاتے۔ بعد میں حضرت صاحب کو جب کاپیوں کو پتھر پر جما دینے کی اطلاع دی جاتی تو پھر بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور پروف پڑھنے کیلئے کئی روز تک حکیم محمد شریف صاحب کلانوری وغیرہ کے یہاں قیام پذیر ہونا پڑتا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ کبھی کبھی لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے ہوتے تھے۔ بعض اوقات لالہ ملاوامل صاحب ہی کو کاپیاں دیکر بھجوا دیا جاتا۔ حصہ چہارم کی طباعت کا زمانہ آیا تو پروف اور کاپیوں کو گاہے گاہے بذریعہ ڈاک بھی بھجوا دیتے تھے۔ لیکن اس میں خاص احتیاط کرنا پڑتی تھی۔ حضرت صاحب خود بھی رجسٹری کرتے اور پریس کے مہتمم کو بھی یہ ہدایت تھی

کہ وہ کاپیاں اور پروف رجسٹری بھجوایا کرے۔

براہین احمدیہ کی طباعت کا انتظام شروع میں حضرت صاحب نے پادری رجب علی کے مطبع سفیر ہند میں فرمایا۔ کیونکہ اختلاف مذہب کے باوجود پادری موصوف کو دلی شغف تھا کہ کام کی عمدگی اور خوبی اور صحت میں کوئی کسر نہ رہ جائے اور حضرت صاحب کا منشا مبارک بھی براہین احمدیہ کو کتابت وطباعت کے لحاظ سے معیاری اور دیدہ زیب بنانے کا تھا بلکہ ایسی بے جا کفایت شعاری کو جو کتاب کے ظاہری حسن کو ماند کردے آپ شرک قرار دیا کرتے تھے۔ اس لئے مطبع کے گراں نرخ اور بھاری اخراجات کے باوجود آپ کی نظر انتخاب اسی پر پڑی۔ چنانچہ کتاب کا حصہ اول اسی مطبع میں چھپا اور اس کے پہلے پرنٹر شیخ نور احمد صاحب بنے جو فن طباعت میں بہترین ماہر مانے جاتے تھے اور جنہیں کچھ عرصہ قبل پادری رجب علی صاحب نے مراد آباد سے خاص طور پر بلا کر ان کے سپرد اپنے مطبع اہتمام کر رکھا تھا...

حصہ اوّل کی اشاعت کے بعد چونکہ شیخ نور احمد صاحب نے مطبع سفیر ہند چھوڑ کر مطبع ریاض ہند کے نام سے قریب ہی اپنا ذاتی مطبع قائم کرلیا تھا۔ اس لئے پادری رجب علی صاحب نے کتاب کو گزشتہ معیار پر قائم رکھنے کیلئے شیخ نور احمد صاحب ہی کو کچھ اُجرت پر اس کی طباعت کا کام دے دیا اور اس طرح اگلے دو حصہ (حصے دوم اور حصہ سوم) عملاً تو ریاض ہند میں مطبع ہوئے مگر ان پر نام سفیر ہند کا درج کیا گیا۔ اسی رنگ میں کتاب کا حصہ سوم ریاض ہند میں چھپ رہا تھا کہ پادری صاحب نے حضرت صاحب سے روپے کا بار بار مطالبہ کرنا شروع کردیا حالانکہ حضرت صاحب تو انہیں پیشگی روپیہ دے دیتے۔ مگر وہ کام کو معرض تاخیر میں ڈالتے جاتے تھے۔

جب ان کے تقاضوں نے سخت تنگ کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کچھ رقم لیکر

قادیان سے امرتسر ہال بازار پہنچے جہاں چھاپہ خانہ دریافت کیا تو بتانے والے نے مطبع ریاض ہند کا پتہ بتادیا۔ چنانچہ حضرت صاحب اس مطبع میں داخل ہوئے یہاں براہین احمدیہ کا تیسرا حصہ چھپ رہا تھا۔ حضرت صاحب نے سمجھا کہ رجب علی کا یہی پریس ہوگا۔ ملازموں سے آپ نے فرمایا کہ پادری رجب علی صاحب کو بلاؤ۔ شیخ نوراحمد صاحب (مہتمم مطبع) کا گھر قریب ہی تھا۔ جب انہیں اطلاع ہوئی تو وہ جلد آ گئے اور السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب رجب علی کوتو جانتے تھے۔ لیکن ان سے تعارف نہیں تھا۔ ان کو دیکھ کر متعجب سے ہوئے اور فرمایا یہ پریس رجب علی کا ہے۔ انہوں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ ہی کا ہے۔ پھر فرمایا کہ رجب علی صاحب کا پریس کہاں ہے اور یہ ہماری کتاب جو چھپ رہی ہے اس مطبع میں کیسے آئی۔ انہوں نے اصل واقعہ عرض کرتے ہوئے کہا کہ یہ ساری کتاب میں نے اپنے مطبع میں چھاپی ہے۔ صرف پہلا حصہ پادری صاحب کے پریس میں چھپا ہے اور وہ بھی میں نے ہی چھاپا ہے۔ اب ان کا پریس بند ہے اور وہ فیروزالدین کی مسجد کے پیچھے رہتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ رجب علی صاحب ہمیں تنگ کرتے ہیں پیشگی روپیہ لے لیتے ہیں اور وقت پر کام نہیں دیتے۔ اب ہم ان کو روپیہ دینے آئے ہیں اور کتاب ابھی چھپی نہیں۔ اگر پہلے سے ہمیں معلوم ہوتا تو آپ ہی سے چھپواتے۔ ہمیں اس وقت بڑی خوشی ہوئی کہ ایک مسلمان کے مطبع میں کتاب چھپ رہی ہے۔ اور ہمارا یہ منشا ہے کہ جلد چہارم آپ ہی چھاپیں اور چھپنے کے بعد جب کتاب مکمل ہو جائے تو ایک ماہ کے بعد بتدریج آپ کو روپیہ دیں۔ کیا آپ یہ انتظام کر سکتے ہیں؟ شیخ نوراحمد صاحب نے عرض کیا مجھے منظور ہے۔ آپ ایک ماہ کے بعد روپیہ بتدریج عنایت فرمانا شروع کر دیں۔

حضرت صاحب نے اس پر اظہار خوشنودی فرمایا اور فرمایا کہ کاغذ بھی اپنے پاس سے لگائیں اور چھپائی اور ترتیب اور کٹائی اور سلائی سب کام تیار کرا کے اور مکمل کر کے ہمیں دیں۔ نیز فرمایا کہ ہم کام عمدہ چاہتے ہیں۔ کوئی نرخ چھپائی یا کاغذ وغیرہ کا ان سے نہیں پوچھا۔ اس طرح آئندہ براہ راست ریاض ہند میں کتاب کی طباعت کا سلسلہ منتقل ہو گیا چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب نے شیخ صاحب کو قادیان بلایا اور انہیں جلد چہارم کا ابتدائی خوشخط لکھا ہوا مسودہ اشاعت کیلئے عنایت فرمایا۔ اور براہین حصہ چہارم چھپنا شروع ہو گئی۔ بعد میں حضرت صاحب نے آہستہ آہستہ دوسرا مضمون بھی دستی یا بذریعہ ڈاک بھجوا دیا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ یکم مارچ 1994ء)

○○

بے لوث خدمت و ایثار

بے لوث خدمت، ایثار و ہمدردی کے جذبات سے ہی انسان حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔ ویسے تو جانوروں بلکہ حشرات الارض میں بھی باہم محبت کی عجیب مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ خاکسار کو اس سلسلہ میں ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا۔ کراچی میں بالعموم گٹروں سے بڑے بڑے چوہے برآمد ہو کر اپنی خوراک کی تلاش میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ بندر روڈ پر ہماری رہائش گاہ میں چوہوں کی مداخلت زیادہ ہوگئی تو ایک 'کڑکی' حاصل کر کے ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک رات کو ابھی میں لیٹا ہی تھا کہ اچانک ایک آواز پیدا ہوئی جس سے پتہ چلا کہ کوئی چوہا کیفر کردار کو پہنچ گیا ہے۔ نیند کے غلبہ اور سستی کی وجہ سے اس وقت اُٹھ کر اسے باہر پھینکنے کی بجائے یہ کام اگلے روز صبح تک یعنی چند گھنٹوں کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ رات بھر اندر کچھ آہٹ سی ہوتی رہی اور سکون کی نیند نہ آسکی۔ فجر سے پہلے اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ یہ کیسا چوہا ہے جو 'کڑکی' کی زد میں آ کر بھی رات بھر حرکت کرتا رہا ہے مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ 'کڑکی' اٹھا کر باہر لے جانے لگا تو یوں لگا جیسے کہ کوئی چیز نیچے گری ہے۔ پوری طرح روشنی نہ ہونے کی وجہ سے کچھ پتہ نہ چل سکا کہ یہ

کیا ہوا ہے۔ باہر جا کر میں اس چوہے کو قید سے نجات دلانے کے لئے ایک چھڑی لیکر آیا تو دیکھا کہ مرے ہوئے چوہے یعنی اپنے ساتھی کو قید سے چھڑانے کے لئے ایک دوسرا چوہا وہاں موجود ہے۔ چھڑی سے پہلے اسے مار کر بعد میں دوسرے چوہے کو کڑکی سے نکالا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا چوہا رات بھر اپنے ساتھی کی مدد کرنے کی اندھا دھند کوشش کرتا رہا اور اس مقصد کیلئے اس نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔

خدا تعالیٰ نے اپنی صفت رحم کے سو حصوں میں سے صرف ایک حصہ کو ساری دنیا کو دیا ہے اور اس ایک حصہ کی وجہ سے ہی باہم محبت کے نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں یہاں تک کہ ایک بکری جس کا پاؤں بچے کے پاؤں پر آ جائے وہ جلدی سے ازراہ محبت اپنا پاؤں اٹھا لیتی ہے کہ اس کے بچے کو تکلیف نہ ہو۔

اس خوبی اور جذبہ کو ابھارنے اور اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی تحریک کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

”...وقت کی ضرورت کو سمجھو اور جیسے مومن کو عقل مند اور ہوشیار ہونا چاہئے ویسے ہی تم عقل مند اور ہوشیار بنو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں حوادث آتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان حوادث کی تکالیف کو کم کرنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ایک دفعہ جب ایسی ہی تکلیف ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا جس کے پاس کچھ کھانے کو ہے وہ لے آئے جس کے پاس دو سیر جو تھے وہ دو سیر جو لے آیا اور جس کے پاس مٹھی بھر جو تھے وہ مٹھی بھر جو لے آیا اور پھر سب غلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ میں تقسیم کر دیا۔ اب فرض کرو اس کے بعد کوئی اور غلہ نہ آتا تو یہ کتنی شاندار بات

ہوتی کہ لوگ کہتے کہ مسلمان زندہ رہے تو اکٹھے اور مرے ہیں تو اکٹھے۔ جو آدمی اس طرح قربانی کرتا ہوا جان دیتا ہے۔ اس کی نسلیں اس پر فخر کرتی ہیں اور وہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جاتا ہے۔ یوں مر جاؤ تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں لیکن اگر قحط کا زمانہ ہو اور تم سب مل کر یہ فیصلہ کر لو کہ ہم اکٹھے کھائیں گے اور اکٹھے مریں گے اور پھر اس فیصلہ کے مطابق عمل کرو تو قیامت تک لوگ تمہارے عمل کو یاد رکھیں گے اور وہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فخر محسوس کریں گے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اکٹھے کھائیں گے اور اکٹھے مریں گے چنانچہ انہوں نے اکٹھے ہی کھایا اور اکٹھے ہی ذخیرہ ختم ہونے پر مر گئے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اپنے اعمال ان کے مطابق بناؤ اور اس امر کو اچھی طرح سمجھ لو کہ جب کوئی قوم خدا تعالیٰ کی خاطر مرنے کیلئے تیار ہو جائے تو وہ نہیں مرا کرتی۔

جب میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم مصیبت کے دنوں میں اکٹھے کھاؤ اور اکٹھے مرو تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا بھی تمہیں مرنے دے گا اسے اگر ساری دنیا کو مارنا پڑے گا تو وہ مار دے گا مگر تمہیں نہیں مارے گا کیونکہ تم نے اس کے لئے مرنا قبول کر لیا اور جو شخص اس کیلئے مرنا قبول کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرے کہ وہ اپنی موت اور اپنی بیوی اور بچوں کی موت برداشت کرے مگر اس بات کو پسند نہ کرے کہ دوسرے لوگ ہلاک ہوں وہ کبھی برباد نہیں ہو سکتا۔

فرض کرو اس کے پاس پانچ سیر غلہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس سے میں اور میرے بیوی بچے چند دن زندہ رہ سکیں گے مگر وہ اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ سے پانچ سیر غلہ لے لو اور دوسرے لوگوں کو دے دو تو یہ

لازمی بات ہے کہ خدا ایسے آدمی کو مرنے نہیں دے گا اور اگر بالفرض بعض کمزور لوگ مر بھی جائیں تو ان کی موت ان کی ہمیشہ کی زندگی ہوگی اور وہ دنیا سے جاتے وقت اکیلے نہیں جائیں گے بلکہ خدا تعالیٰ کے فرشتے عرش سے اُتر کر ان کو ملنے کیلئے آئیں گے اور جنت اس دن خوشیاں منائے گی کہ ایسے پاکیزہ آدمی میری طرف آرہے ہیں۔ پس اپنے اندر ان تکلیف کے دنوں میں قربانی کی وہ سچی روح پیدا کرو جو مومنوں میں ہونی چاہئے اور جس کے پیدا کرنے کے بعد خدا ہمیشہ کیلئے انسان سے خوش ہو جاتا ہے۔‘‘

(الفضل 29 مارچ 1942ء)

(روزنامہ الفضل ربوہ 30 نومبر 1996ء)

○○

حضرت المصلح الموعودؓ کا آہنی عزم وحوصلہ

کشمیری مسلمانوں کے حقوق کے حصول کی جدوجہد ایک طویل داستان ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس جہاد میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ شامل ہوکر حصہ لیا، وہ بتاتے ہیں کہ آپ نے اس کام کیلئے دن رات ایک کر دیا تھا اور جماعت کے ہر طبقہ کے لوگوں میں سے رضا کار آپ کی تفصیلی ہدایات کے مطابق ہندوستان اور کشمیر میں ہی نہیں بلکہ انگلستان اور دوسرے ممالک میں بھی سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں سیالکوٹ کا ایک جلسہ حضرت صاحب کے آہنی عزم وارادہ اور یقین واستقامت کا ایک نشان بن گیا۔ آپ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ایک اجلاس کی صدارت کیلئے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اجلاس کے بعد کمیٹی کے بعض ممبروں نے آپ کی خدمت میں سیالکوٹ کے عوام کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان سے جلسہ عام میں خطاب فرمائیں، جسے حضرت صاحب نے منظور فرمالیا۔ 14 ستمبر 1931ء کو جلسہ ہونا قرار پایا۔ احمدیت کے حساد اور سچائی کے ازلی مخالفوں کو حضرت صاحب کی یہ مقبولیت اور ہر دل عزیزی ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے مخالفانہ پراپیگنڈہ اور اشتعال انگیزی شروع کر دی۔ جسے دیکھتے ہوئے جلسہ کے منتظمین

نے آپ کی خدمت میں تمام حالات پیش کر کے اور متوقع خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے جلسہ میں شامل ہونے سے روکنا چاہا۔ مگر حضرت صاحبؓ اپنے پروگرام پر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (جب تو عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر) کا مظاہرہ کرتے ہوئے پتھروں کی بارش میں سے ہوتے ہوئے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ باوجود اس کے کہ احمدی فدائی حضرت صاحب کے اردگرد پروانہ وار نثار ہونے کیلئے ہر وقت موجود رہے۔ تین پتھر حضرت صاحب کو بھی لگے، جبکہ دوسرے متعدد افراد بھی زخمی ہوئے۔ اس فساد انگیزی اور ہنگامہ آرائی کے دوران حضرت صاحب نے اپنے ولولہ انگیز خطاب میں فرمایا:

''جوش کی باتیں عارضی ہوتی ہیں۔ دنیا میں جو شخص کام کرنے کیلئے کھڑا ہو، آج جو اسے پتھر مارتے ہیں کل کو ضرور وہی اس پر پھول برسائیں گے۔ جون آف آرک ایک فرانسیسی عورت تھی جس نے اپنے ملک کو آزاد کرایا تھا، اس کو اپنے زمانہ میں اس قدر تکلیف دی گئی کہ خود اس کے ابنائے وطن نے اسے پکڑ کر انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ جو لوگ دوسروں کی خاطر پتھر کھاتے ہیں ان پر ضرور پھول برستے ہیں۔ یہ جو پتھر آج پھینکے گئے ہیں یہ خدا تعالیٰ نے اس لئے پھینکوائے ہیں کہ کل کو پھول بن کر ہمیں لگیں۔ یہ پتھر بھی جن لوگوں نے مارے ہیں انہوں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ کشمیر کی طرف سے مارے ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ ریاست کے علاقے پر رعایا کو قبضہ دے دیا۔ سو اللہ کے فضل سے ہم امید کرتے ہیں وہ مظلوم جو سینکڑوں سال سے ظلم و ستم کا شکار ہو رہے ہیں ان کی آہیں اور سسکیاں آسمان پر جا پہنچیں اور خدا تعالیٰ نے ظالموں سے ظلم کی آخری اینٹیں پھینکوائیں تا اس ملک پر اپنا فضل نازل کرے۔ لیکن ہمارا قلب

وسیع ہے۔ ہم ان ہاتھوں کو جنہوں نے پتھر برسائے، ان زبانوں پر جنہوں نے اس کیلئے تحریک کی اور اس کجی کو جو اس کا باعث ہوئی معاف کرتے ہیں کیونکہ جس کام کا ہم نے بیڑا اٹھایا ہے، اس کے مقابلہ میں یہ تکلیف جو ہمیں پہنچائی گئی ہے بالکل معمولی ہے۔''

(الفضل 24 ستمبر 1931ء)

○○

تصویر کے دورُخ

موجودہ زمانے کی ایجادات میں کمپیوٹر کو بہت نمایاں مقام حاصل ہے اس ایجاد نے باہم رابطے کی دنیا میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا ہے کہ چند برس پہلے تک اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات دنیا بھر میں ایک ہی وقت میں سنے اور دیکھے جاسکتے ہیں۔ احمدیت کا پیغام یعنی حقیقی اسلام کی سچائی وعظمت کا اظہار دن رات برابر ہر جگہ ہو رہا ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ مغربی افریقہ کے دورے پر تشریف لے گئے مگر اس ایجاد کی برکت سے ہم وہاں سے بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات اور دوسری تقریبات میں برابر شامل ہوتے رہے۔ قادیان کے جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والے خوش قسمت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اختتامی خطاب سے بھی محظوظ ہوئے۔

E-mail اور Fax بھی اس دور کے عجائبات میں شامل ہیں۔ دنیا کے دوسرے حصہ میں رہنے والے سے رابطہ اس طرح ہوجاتا ہے جیسے ایک جگہ بیٹھے ہوئے دو افراد آپس میں باتیں کررہے ہوں۔ کمپیوٹر نے لائبریری کے مفہوم وتصور اور افادیت میں بھی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ نایاب اور قیمتی کتب ہر وقت مل سکتی ہیں۔ کسی موضوع پر تحقیق اور اس کے نتائج سے بھی

بہر وقت استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ کام جو افراد نہیں ادارے کیا کرتے تھے وہ کام جس پر بے شمار اخراجات اٹھتے تھے اور جس پر سالہا سال لگ جاتے تھے وہ محاورۃً نہیں واقعی چٹکی بجاتے میں ہو جاتے ہیں۔ دفتروں کے ریکارڈ۔ دفتروں کے حساب رکھنے میں غیر معمولی سہولت ہو گئی۔ اسی طرح اور بے شمار فوائد اس ایجاد سے حاصل ہو رہے ہیں اور اس کے فوائد میں دن بدن اور اضافے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

حضور انور ایدہ اللہ اپنے متعدد خطبات و تقاریر میں اس ایجاد کے تاریک پہلوؤں اور مخرب اخلاق پہلوؤں سے بچنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس انتہائی مفید ایجاد کے بعض بہت ہی بھیانک اور خوفناک استعمال بھی ہو سکتے ہیں جن سے پوری طرح بچنے اور بچانے کی ضرورت ہے۔

روزنامہ جنگ کے ایک کالم نگار ایک نہایت خوفناک پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”راولپنڈی شہر کی ایک مارکیٹ میں دو برس پہلے کسی صاحب نے نیٹ کیفے بنایا۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے کیبن بنائے، ان میں کمپیوٹر رکھے اور کیبن کو دروازے لگا دئے۔ یہ دروزے اندر سے لاک ہو جاتے تھے، کیبنز کے اوپر انہوں نے لائٹیں لگائیں اور ان لائٹس میں خفیہ کیمرے چھپا دیئے۔ کیفے کھلا تو چند ہی روز میں وہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آنا شروع ہو گئے۔ یہ نوجوان جوڑوں کی شکل میں آتے۔ کیبن میں جاتے اسے اندر سے بند کرتے کمپیوٹر پر گندی سائٹس دیکھتے۔ کیفے کی انتظامیہ نوجوانوں کی یہ حرکات ریکارڈ کر لیتی بعد ازاں ان جوڑوں کو یہ فلم دکھائی جاتی اور انہیں بلیک میل کر کے ان سے گھناؤنے کام لئے جاتے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ایسے 25 نوجوان

جوڑوں کی سی ڈی پاکستان سے دبئی گئی وہاں وہ دس لاکھ روپئے میں بکی۔ اس کی کاپیاں ہوئیں یہ کاپیاں برطانیہ، امریکہ، فرانس اور جرمنی گئیں اور وہاں سے واپس پاکستان آئیں۔ شروع شروع میں یہ سی ڈی کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں چار پانچ ہزار میں فروخت ہوتی رہی۔ اسی ''آمد و رفت'' کے دوران یہ سی ڈی کسی گینگ کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس گینگ نے ان 25 خاندانوں کا سراغ لگایا اور سی ڈی کی کاپیاں ان جوڑوں کے گھروں تک پہنچا دیں۔ بس اس حرکت کی دیر تھی تیل پر چنگاری آ گری اور اس سکینڈل کی شکار تین لڑکیوں نے خودکشی کر لی۔ ایک کو والد نے قتل کر دیا، دو شادی شدہ خواتین کو طلاق ہوگئی جبکہ لڑکے گھروں سے بھاگ گئے۔ اس سی ڈی میں شامل چند نوجوانوں کا تعلق راولپنڈی کے انتہائی معزز گھرانوں سے تھا۔ یہ معزز گھرانے اس گینگ کا چارہ بن گئے اور اب مسلسل بلیک میل ہو رہے ہیں۔

اسکینڈل میں پھنسے خاندانوں میں سے ایک خاندان کے بزرگ میرے پاس آئے۔ ان کی اکلوتی بیٹی نے خودکشی کر لی تھی۔ والد کی حالت انتہائی ابتر تھی وہ میز پر پڑا کپ تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے ساری کہانی سنائی اور آخر میں روتے ہوئے کہا ان ظالموں نے بے شمار خاندان تباہ کر دیئے۔ حکومت سے کہیں لوگوں پر کچھ رحم کرے اور ٹیکنالوجی کی آڑ میں ہونے والی یہ زیادتی بند کرائے۔ وہ بزرگ چلے گئے۔ مجھے نہیں معلوم وہ زندہ بھی ہیں یا اولاد کی موت اور بدنامی کے داغ انہیں قبر تک لے گئے ہیں لیکن ان کا مسئلہ انتہائی جینوئین ہے۔ اس وقت پورے ملک میں ہزاروں ''نیٹ کیفے'' ہیں ان میں کیبن بنے

ہیں، نابالغ بچے اور بچیاں اسکول کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم ان کیبنوں میں جاتے ہیں، گندی سائٹس کھولتے ہیں اور اس کے بعد برائی اور بداخلاقی کی اس راہ پر چل نکلتے ہیں جس پر بے شمار بلیک میلر بیٹھے ہیں۔''

کمپیوٹر کے دوسرے رُخ کا یہ ایک نہایت بھیانک پہلو ہے اس میں اور بھی بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اخباروں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بے شمار لڑکے اور لڑکیاں غلط روابط کی وجہ سے دھوکا کھا کر اپنی زندگیوں کو تباہ کر چکے ہیں اور جس طرح اس ایجاد کے فوائد میں اضافہ ہو رہا ہے اسی طرح اس کے نقصانات اور تباہیوں کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیں مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیوں کو صراط مستقیم پر چلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(الفضل انٹرنیشنل 14 مئی 2004ء)

○○

ایک اور دردناک شہادت

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو مختلف ابتلاؤں میں ڈالتا ہے۔ وہ ان کو کسی قدر بھوک اور خوف اور اموال و انفس اور ثمرات کے نقصان سے آزماتا ہے۔ ان امتحانوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ تا مومنوں کے ایمان کو خالص کرے اور ان کے صدق و وفا اور تسلیم و رضا کو دنیا پر ثابت کرے۔ ان ابتلاؤں میں مومنوں کا غیر معمولی صبر اور فوق الکرامت استقامت اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کا موجب بنتی ہے۔ ان پر آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو دنیا و آخرت میں ان کے ولی اور مددگار ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی جو علامات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں انجیل کے حوالہ سے یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو اپنی روئیدگی کو زمین سے نکالتی ہے پھر وہ بڑھتے اور نشوونما پاتے ہوئے مضبوط ہو کر اپنے تنے پر قائم ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں کفار کو سخت غصہ آتا ہے۔ وہ ان کی ترقیات سے جلتے ہیں اور انہیں نابود کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو جسے اس نے ایک عظیم الشان غرض سے پیدا کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ چاہتا ہے کہ ایک پاک تبدیلی دنیا میں

ظاہر کرے اسے دشمنوں کے ہاتھوں سے نابود ہونے دے۔ چنانچہ مومنین کی جماعت ہر قسم کی قربانیاں پیش کرتے ہوئے شاہراہ ترقی پر آگے ہی قدم بڑھاتی چلی جاتی ہے۔

جماعت احمدیہ مسلمہ اس وقت خدا کے فضل کے ساتھ دین اسلام کی ترقی و استحکام کیلئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے مال و جان کی قربانیاں پیش کرتے ہوئے دعوت الی اللہ کے جس عالمی جہاد میں مصروف ہے اس میں اسے عظیم الشان کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں جنہیں دیکھ کر دشمن حسد سے جل رہا ہے اور چونکہ وہ دلیل سے عاری ہے اس لئے وہ ہر قسم کے اوچھے ہتھکنڈے احمدیت کی مخالفت میں اختیار کر رہا ہے اور مختلف ممالک سے یہ اطلاعات مل رہی ہیں کہ احمدیت کی ترقی اور اس کے نفوذ کو دیکھ کر شر پسند ملّاں جگہ جگہ فتنے اور دشمنی اور عداوت کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ احمدیوں پر حملے کئے جا رہے ہیں اور انہیں مارا جاتا ہے۔ چنانچہ پاکستان سے یہ نہایت ہی دلدوز خبر ملی ہے کہ پشاور کے قریب شب قدر کے مقام پر شَرٌّ مِّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ کے مصداق فتنہ پرور ملّاؤں اور ان کے چیلے چانٹوں نے پتھروں سے حملہ کر کے جماعت احمدیہ پشاور کے ایک مخلص احمدی مکرم ڈاکٹر رشید احمد صاحب کو شدید زخمی کر دیا۔ ان کا ایک بازو فریکچر ہے اور سینے اور چہرے پر شدید ضربیں آئی ہیں۔ جب کہ ان کے داماد مکرم ریاض خان صاحب موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس واقعہ کی تفصیلات جو اب تک موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق کچھ عرصہ قبل شب قدر کے مقام پر ایک نومبائع احمدی کی مخالفت شروع ہوئی اور پولیس نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا۔ جب جماعت نے رابطہ کیا تو انتظامیہ نے بتایا کہ ان کی حفاظت کی خاطر انہیں سرکاری تحویل میں رکھا گیا ہے۔ مگر بعد میں نقص امن کی دفعہ 107 / 151 کے تحت ان کا چالان کر دیا گیا۔ ان کی ضمانت کے سلسلہ میں ضلع پشاور سے مکرم ڈاکٹر رشید احمد صاحب، ان

کے داماد مکرم ریاض خان صاحب اور بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ شب قدر گئے۔ جب تینوں وہاں عدالت میں پہنچے تو مخالفین کا بڑا ہجوم جو پہلے سے وہاں جمع تھا انہوں نے ان تینوں دوستوں پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں مکرم ریاض خان صاحب موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ اس سارے واقعہ میں ملّاؤں اور ان کے ہم نواؤں کی درندگی بہت نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس اور سرکاری انتظامیہ کی ملی بھگت اور اس ظلم میں شراکت بھی واضح ہے۔ ایک معصوم احمدی کو سراسر ناجائز طور پر پہلے شرپسندوں سے حفاظت کے نام پر اپنی تحویل میں رکھا اور پھر الٹا اسی کے خلاف نقضِ امن کا مقدمہ دائر کر دیا اور پھر بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ عدالت کے احاطہ میں وحشی صفت ملّاؤں نے حکومت کے اعلیٰ افسروں کے سامنے نہایت بہیمانہ طور پر پتھروں سے حملہ کر کے ضمانت کیلئے آنے والے تین افراد میں سے ایک کو شدید زخمی اور دوسرے کو موقع پر ہی شہید کر دیا اور انتظامیہ کچھ نہ کر سکی۔ جہاں تک شہید مرحوم کا تعلق ہے تو وہ تو راہ مولیٰ میں اپنی جان فدا کر کے عنداللہ جاودانی زندگی پا گئے اور ہمیں یقین ہے کہ ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔

خوں شہیدانِ امت کا اے کم نظر ،رائیگاں کب گیا تھا کہ اب جائے گا
ہر شہادت ترے دیکھتے دیکھتے، پھول پھل لائے گی پھول پھل جائے گی

جہاں تک مخالفین احمدیت کا تعلق ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اس قسم کی ظالمانہ حرکتوں سے وہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی ترقی کو روک سکیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے اس سے پہلے کب ان کی ایسی حرکتوں سے مرعوب ہو کر جماعت کی ترقی رکی ہے، جواب رکے گی۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’یہ لوگ یاد رکھیں کہ ان کی عداوت سے اسلام کو کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

کیڑوں کی طرح خود ہی مر جائیں گے مگر اسلام کا نور دن بدن ترقی کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اسلام کا نور دنیا میں پھیلا وے۔ اسلام کی برکتیں اب ان مگس طینت مولویوں کی بک بک سے رک نہیں سکتیں۔...اب اے مولویو! اے بخل کی سرشت والو! اگر طاقت ہے تو خدا تعالیٰ کی ان پیشگوئیوں کو ٹال کر دکھاؤ۔ ہر یک قسم کے فریب کام میں لاؤ اور کوئی فریب اٹھا نہ رکھو پھر دیکھو کہ آخر خدا تعالیٰ کا ہاتھ غالب رہتا ہے یا تمہارا۔“

(آسمانی فیصلہ۔روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 342)

(الفضل انٹرنیشنل 14 اپریل 1995ء)

○○

اندر کا دُشمن

بری امام اسلام آباد پاکستان میں ایک مذہبی تقریب میں خودکش بم حملہ کے وحشیانہ اقدام سے کئی بے گناہ ہلاک وزخمی ہوئے۔ایسے حملے جن میں غیر متعلق انسانی جانیں تلف ہو جاتی ہوں وہ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر حال میں انتہائی قابل نفرت و قابلِ مذمت ہیں۔مگر جب ایسے حملے مذہبی مقامات پر عبادت کیلئے جمع ہونے والوں پر کئے جائیں تو یہ اپنے نقصان اور اثرات میں اور زیادہ نفرت وتشویش کا باعث ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ سب جانتے ہیں پاکستان کے قیام میں مذہبی عنصر بہت نمایاں تھا اور یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس لحاظ سے ایسے ملک میں ایسی بہیمانہ کارروائی کی مذمت کیلئے تو الفاظ بھی نہیں ملتے۔

پاکستان کے صدر اور وزراء صاحبان نے اس حملہ کی سخت مذمت کی ہے اور اس سانحہ میں ہلاک وزخمی ہونے والوں سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے علاوہ اس اعلان کا بھی ایک دفعہ پھر اعادہ کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے سختی سے نپٹا جائے گا۔

روزنامہ اوصاف کے ایک کالم نگار اس خونی حادثہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان میں چودہ کروڑ لوگ بستے ہیں اور عوامی سطح پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی

کی مقامی فضا موجود ہے۔محلّوں کے محلّے متضاد مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد سے آباد ہیں اور امن آشتی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ کروڑوں پاکستانیوں کا نظریہ اس سنہرے اصول پر استوار ہے کہ اپنا مسلک نہ چھوڑو اور دوسرے کا مسلک نہ چھیڑو۔ مگر اس کے باوجود انہیں تقسیم کرنے کیلئے ہمارے اندر کا دشمن اپنی مذموم کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ ایسا سکرپٹ لکھتا ہے کہ اس پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ وہ نہلے پر دہلا مارتا ہے۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ تاکہ شیعہ سنی کے درمیان حدفاصل کھینچی جا سکے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا بازو بننے سے روکنا اور بازو کاٹنے والا ثابت کیا جائے۔ ہمیں تقسیم کرنے کی یہ پرانی مہم درمیان میں دم توڑ گئی تھی لیکن اب جبکہ ہمیں متحد رہنے کی اشد ضرورت ہے ایک مرتبہ پھر یہ کوشش کی جارہی ہے۔ باہر کا دشمن اندر کے دشمن کا لبادہ اوڑھ کر اس فتنے کو دوبارہ ہوا دینے کی کوشش کر رہا ہے جسے قوم اجتماعی طور پر مسترد کر چکی ہے۔ باہر کے دشمن تو ہمیں بالکل سامنے نظر آرہے ہیں مگر اندر کے دشمن ہمارے اردگرد ہونے کے باوجود ہماری نظروں سے اوجھل ہیں، ضرورت انہیں تلاش کرنے اور ان پر نظر رکھنے کی ہے، اندر کا دشمن ہمیں ہوش وخرد سے بیگانہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے مکروہ مقاصد حاصل کر سکے۔ ہمیں ہوش میں رہ کر ان جرائم کو ناکام بنانا ہے۔''

(روزنامہ اوصاف۔اسلام آباد کا سانحہ 28 مئی 2005ء)

فاضل تبصرہ نگار کا یہ لکھنا کہ ''عوامی سطح پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی مقامی فضا موجود ہے'' کچھ ایسا غلط نہیں ہے۔ پاکستان کے قیام کی مخالف طاقتوں نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنے

وجود کو قائم رکھنے کیلئے اور پاکستان کے قیام کی مخالفت اور ہندوؤں کے ہاتھوں میں کھیلتے ہوئے اسلامی مقاصد وفوائد کے خلاف کارروائیوں کو چھپانے کیلئے جماعت احمدیہ کی وسیع پیمانے پر مخالفت شروع کی تو عوامی سطح پر ہم آہنگی کی مثالی فضا موجود تھی۔ پنجاب کے دیہات میں سینکڑوں ایسی مساجد تھیں جن میں احمدی اور دوسرے مسلمان باری باری نماز ادا کرتے تھے اور یہ امر ان کے اختلاف وافتراق یا دشمنی وعناد کی بجائے باہم فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں اضافہ کا باعث بنتا تھا۔ حکومت پاکستان نے جب احمدی مخالف مہم کے دباؤ میں آکر بدنام زمانہ آرڈیننس پاس کیا تو قانون کی پابندی کرتے ہوئے جب ہماری مساجد سے اذان کی آوازیں آنی بند ہوگئیں تو بیسیوں جگہ معزز غیراز جماعت لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ بے شک اذانیں دیتے رہیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مقامی ہم آہنگی کی یہ فضا آج بھی جبکہ جھوٹے مخالفانہ پراپیگنڈا کی وجہ سے فضا بہت حد تک تبدیل ہو چکی ہے، قائم ہے۔

پنجاب میں کوئی بھی ایسا خاندان نہیں ہوگا جنکے بعض افراد احمدیت قبول نہ کر چکے ہوں۔ ایسے خاندانوں میں باہم تعلقات، ایک دوسرے کی غمی وخوشی میں شرکت برابر جاری رہتی تھی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال جنہیں شاعرِ مشرق، حکیم الامت اور تصوّر پاکستان کا خالق وغیرہ کے بڑے بڑے القاب وآداب سے یاد کیا جاتا ہے جب اپنی دوسری شادی کے سلسلہ میں کسی امر پر متردّد ہوئے اور انہیں کسی عالم دین سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو باوجود اس کے کہ وہ پنجاب کے علمی مرکز لاہور میں رہتے تھے یہاں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے انہوں نے علامہ نورالدین حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں قادیان آدمی بھجوایا اور صحیح اسلامی فتویٰ حاصل کیا۔ علامہ زندگی بھر اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب کے نیاز مند رہے جو احمدی تھے۔ اپنے بیٹے کو قادیان تعلیم کیلئے بھجوایا اور جب اپنے چھوٹے بچوں کی

کفالت کیلئے ایک ٹرسٹ قائم کیا تو اس میں اپنے تمام رشتہ داروں کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنے اس بھتیجے کو شامل کیا جو احمدی تھے۔

مولانا عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، میاں محمد شفیع (م۔ش) مشہور علمی وادبی شخصیات باوجود جماعت میں شامل نہ ہونے کے احمدیوں کے ساتھ بہت قریبی دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے معززین میں سے کسی نے بھی احمدیوں کو خارج از اسلام قرار دینے کی مہم میں کبھی حصہ نہ لیا۔

قارئین کیلئے یہ امر باعث حیرت ہوگا کہ ہمارے ارباب حل وعقد اور امن قائم رکھنے والی ایجنسیاں اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مقامی ہم آہنگی کو ختم کرنے اور لاقانونیت و دہشت گردی کی فضا پیدا کرنے والے کون لوگ ہیں۔ اسی علم کی وجہ سے حکومت جب امن وامان قائم رکھنے کا ارادہ کرتی ہے تو وہ بعض مشہور ''علماء'' کی نقل وحرکت پر پابندی لگا دیتی ہے۔ محرم کی آمد سے قبل بالعموم ایسی فہرستیں اخبارات میں شائع ہوجاتی ہیں اور اگر اس امر کی نگرانی کی جائے تو قیامِ امن کا مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ اب بھی اگر حکومت واقعی اس مقصد میں مخلص ہے اور مذمت کے بیانات محض دفع الوقتی اور لوگوں کو بیوقوف بنانے کیلئے نہیں ہیں تو یہی طریق کارآمد اور مفید ہوسکتا ہے۔

(الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2005ء)

○○

حفظانِ صحت

(Tahir Heart Institute)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے انتہائی مفید اور کامیاب تربیتی و تبلیغی دورہ کینیڈا پر روانہ ہونے سے قبل مسجد بیت الفتوح لندن میں اپنے ایک خطبۂ جمعہ میں ''طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ'' کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''...مَیں احمدی ڈاکٹروں سے خصوصاً کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بڑا فضل فرمایا ہے... اگر آپ لوگ خدا کی رضا حاصل کرنے اور غریب انسانیت کی خدمت کے لئے اس ہارٹ انسٹی ٹیوٹ کو مکمل کرنے میں حصہ لیں تو یقینا آپ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن کو خدا بے انتہا نوازتا ہے اور ان کے اس فعل کا اجر اس کے وعدوں کے مطابق خدا کے پاس بے انتہا ہے۔کوشش کریں کہ جو وعدے کریں انہیں جلدی پورا بھی کریں۔ اس ادارے کو مکمل کرنے کی میری بھی شدید خواہش ہے کیونکہ میرے وقت میں شروع ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ سے امید ہے وہ خواہش پوری کرے گا

جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو یہ موقع دے رہا ہے کہ اس نیک کام میں، اس کارِ خیر میں حصہ لیں...اور اس علاقے کے بیمار اور دکھی لوگوں کی دعائیں لیں۔ آج کل دل کی بیماریاں بھی زیادہ ہیں۔ ہر ایک کو علم ہے کہ ہر جگہ بے انتہا ہو گئی ہیں اور پھر علاج بھی اتنا مہنگا ہے کہ غریب آدمی تو Afford کر ہی نہیں سکتا۔ پس غریبوں کی دعائیں لینے کا ایک بہترین موقع ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیں۔''

(الفضل انٹرنیشنل 17 / جون 2005ء)

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے جو عظیم جلوے مسلسل دیکھنے میں آرہے ہیں ان کی وجہ سے اس امر میں شک کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تحریک بھی ہر لحاظ سے کامیاب ہو گی اور صرف افراد جماعت ہی نہیں بلکہ اس علاقہ کے دوسرے لوگ بھی خدمت خلق کی اس سکیم سے فیض پائیں گے۔ علاج کی اس غیر معمولی سہولت کے حاصل ہونے پر یہ امر بھی قابل فکر ہے کہ اس کی بیماری اس قدر زیادہ کیوں ہوتی جارہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظانِ صحت اور پرہیز کے متعلق ایسے عمدہ اور سنہری اصول بیان فرمائے ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان بہت حد تک بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کم کھانے کے متعلق حضور کے ارشادات ذہن میں رہیں اور ان پر کما حقہ عمل کیا جائے تو آج کل کی ساری بیماریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بسیار خوری کے نتیجہ میں ہی موٹاپا اور اس سے پیدا ہونے والی بے شمار خرابیاں اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ سادہ زندگی گزارنے والا، مسجد میں باقاعدگی اور کثرت سے جانے والا اور عبادات کا شوق وشغف رکھنے

والا مہلک بیماریوں کے اور بہت سے اسباب سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام باقاعدہ ورزش کرتے اور لمبی سیر فرماتے تھے۔آپ ایک خاندانی طبیب تھے اور علاقہ بھر کے غریب لوگ اپنی مشکلات لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضور کے طبی مشوروں ،مفت دوائیوں اور دعاؤں سے استفادہ کرتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ ایک بہت بلند پایہ طبیب تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ذیلی تنظیموں کے قیام کے وقت جو لائحہ عمل ان کے لئے تجویز فرمایا اس میں شعبہ صحتِ جسمانی کو نمایاں مقام دیا گیا۔حضور نے بڑی تفصیل سے مختلف کھیلوں کے بارہ میں اپنے تاثرات بیان فرمائے اور بعض مشہور کھیلوں کے نقصانات بتا کر بہتر کھیلوں کی طرف توجہ دلائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ لمبا عرصہ مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر رہے۔آپ کے زمانے میں مجالس کے اجتماع اور کھیلوں کے مقابلوں کو خوب فروغ حاصل ہوا۔آپ خود بھی بہت اچھے کھلاڑی تھے۔کلائی پکڑنے میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کبڈی اور فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے۔آپ نے بھی کھیلوں کی ترویج وفروغ وسرپرستی فرمائی۔ ورزش کے زینے ،آپ کی ایک بہت ہی مفید کتاب ہے جس میں حفظان صحت اور صحتمند زندگی گزارنے کے بہت مفید طریق بیان کئے گئے تھے۔

''طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ'' کی کامیابی کے لئے ہماری ذیلی تنظیمیں بھی بہت مفید کردار ادا کرسکتی ہیں۔اپنے اپنے علاقے کی بیماریوں اوران کے اسباب کا جائزہ لے کر حفظان صحت اور پرہیز کے طریقوں کو عام کرکے اوران پر عمل پیرا ہونے کا اہتمام کرکے ہم افراد جماعت

کی عام صحت کے معیار کو اتنا بہتر بنالیں کہ دوسرے لوگ جس طرح ہماری تنظیم، ہماری مالی قربانی، ہمارے تعلیمی معیار پر رشک کرتے ہیں اسی طرح وہ ہماری صحت جسمانی پر بھی رشک کرنے لگیں۔ اور اس طرح بیماری کی نحوست سے ہمارے کام میں جو کمی آتی ہے، ہمارے اخراجات میں جو زیادتی ہوتی ہے، ہمارے گھروں میں جو پریشانیاں بڑھتی ہیں ان پر ممکن حد تک قابو پا کر ہم زیادہ مفید، زیادہ بہتر، زیادہ مؤثر، زیادہ فعال زندگی گزار سکتے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ ورزش اور کھیلوں کی افادیت کے متعلق فرماتے ہیں:

''مَیں خدام الاحمدیہ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ بچوں کے کھیل کود کے زمانہ کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں اور کوشش کریں کہ کھیلیں ایسی ہوں کہ جو نہ صرف جسمانی قوتوں کو بلکہ ذہنی قوتوں کو بھی فائدہ پہنچانے والی ہوں اور آئندہ زندگی میں بھی بچہ ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ ان میں تین باتوں کا خیال رکھا جائے۔ ایک تو جسم کو فائدہ پہنچے۔ دوسرے ذہن کو فائدہ پہنچے۔ تیسرے وہ آئندہ زندگی میں ان کے کام آسکیں۔ جس کھیل میں یہ تینوں باتیں ہوں گی وہ کھیل، کھیل ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم بھی ہوگی اور وہ طالب علم کے لئے ایسی ہی ضروری ہوں گی جیسی کتابیں۔ جب مَیں کہتا ہوں کہ کھیلیں ایسی ہوں جو ذہنی تربیت کے لئے مفید ہوں تو میرا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ بچوں کی دلچسپی بھی قائم رہے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ایک فلسفہ بن جائے اور بچوں کو زبردستی کھلانی پڑیں۔ ایسی کھیل ذہنی نشوونما کا موجب نہیں ہوسکتی اور نہ ہی جسم اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مَیں نے بارہا اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ یہ کام نہایت آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ اور ورزش کے شعبہ کو مفید ترین بنایا جا

سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تین باتوں کا خیال رکھا جائے۔ایک تو یہ کہ وہ آئندہ زندگی میں بھی مفید ثابت ہونے والی ہوں۔نہ صرف بچپن میں بلکہ بڑے ہو کر بھی فائدہ دینے والی ہوں۔بچپن میں کھیل کا جو فائدہ ہوتا ہے وہ بھی حاصل ہو۔جسم بھی مضبوط ہو اور ذہن بھی ترقی کرے۔بچپن میں جو کہانیاں بچوں کو سنائی جاتی ہیں ان کا مقصد ایک تو یہ ہوتا ہے کہ بچہ شور نہ کرے اور ماں باپ کا وقت ضائع نہ کرے۔لیکن اگر کہانیاں ایسی ہوں جو آئندہ زندگی میں بھی فائدہ دیں تو یہ کتنی اچھی بات ہے۔"

(مشعل راہ جلد اول صفحہ 171)

(الفضل انٹرنیشنل 15 جولائی 2005ء)

○○

انتہا پسندی

معاشرہ میں انتہا پسندی پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار ''جنگ'' کے ایک کالم نویس اپنے فکر انگیز شذرہ میں لکھتے ہیں:

''مجھے اس مقدمے سے پورا اتفاق ہے کہ انتہا پسندی سے اس معاشرے کو شدید خطرات درپیش ہیں لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ یہ کسی ایک گروہ کا خاصہ (characteristic) ہے۔ یہاں صرف اہل مذہب ہی انتہا پسند نہیں ہیں ،مذہب بیزار بھی ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ کہیں انتہا پسندی مذہب کے نام پر ہو رہی ہے اور کہیں روشن خیال اعتدال پسندی کے نام پر۔ گوجرانوالہ کا واقعہ ان دونوں کی داستان ہے۔ سچ یہ ہے کہ فریقین نے مذہب کی کوئی خدمت کی ہے نہ روشن خیالی کی۔ پہلے ایک نظر روشن خیالی پر: مجھے حیرت ہے کہ خواتین کے حقوق کے نام پر مخلوط دوڑ کی حمایت کرنے والے روشن خیال، جب قومی اسمبلی میں جاتے ہیں تو کاروکاری جیسے قبیح فعل کے خلاف پیش کئے جانے والے بل کی مخالفت کرتے ہیں۔ حکمران جماعت ہی کی ایک رکن قومی اسمبلی اس

معاشرتی نظام کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں جو روایت کے نام پر عورتوں کے قتل کو روا رکھتا ہے تو حکمران جماعت اس کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہی حکمران جماعت پنجاب میں مخلوط دوڑ کی وکیل ہے۔ روشن خیالی کے ساتھ وابستگی کے یہ دو متضاد مظاہرے بتا رہے ہیں کہ اس کا ماخذ داخل میں یا فکر میں نہیں، کہیں خارج میں ہے۔ اگر اس روشن خیالی کی اساس داخلی ضروریات سے اٹھی ہوتی تو پھر ترجیحات کا تعین اور طرح سے ہوتا۔ اس میں کس کو کلام ہے کہ اس معاشرے میں مذہب اور روایت کے نام پر خواتین کے بنیادی حقوق کی نفی کی جاتی رہی ہے اور یہ سلسلہ بغیر کسی وقفے کے جاری ہے۔ یہاں عورت کو غیرت کے نام پر جینے کے حق سے محروم کیا گیا، وراثت سمیت اس کے معاشی حقوق کا انکار کیا گیا۔ اس کے سیاسی و مذہبی حقوق پامال کئے گئے۔ ہمارے معاشرتی نظام نے اس کے انفرادی وجود کا ہر پہلو سے انکار کیا۔ سوال یہ ہے کہ ہم نے اس کے لئے کیا کیا۔ کیا یہاں عورت کا محض یہی ایک مسئلہ باقی ہے کہ اسے مردوں کے ساتھ سڑکوں پر دوڑنے کے ''حق'' سے محروم کیا گیا ہے۔ یہاں عورت لباس سے محروم ہے اور لوگوں کو اس کی زلفِ پریشاں کی فکر ہے۔''

اس غیر ضروری، غیر اہم بلکہ بے جواز اقدام پر حکومت کے موقف اور اس پر اصرار کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک یہ کوئی دین و شریعت کا مسئلہ نہیں ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ حکومت پنجاب کو اس پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ مطالبات ہمیشہ معاشرے کے اندر سے پھوٹتے ہیں، انہیں کبھی اوپر سے نافذ نہیں کیا جا

سکتا۔کیا یہ مطالبہ معاشرے کے اندر سے اٹھا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ سڑکوں پر دوڑنے کی اجازت دی جائے؟ کیا خواتین کے حقوق کی علمبردار کسی تنظیم نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے؟ یہ تنظیمیں حدود قوانین سے لے کر مختاراں مائی کے مقدمے تک بے شمار مسائل پر آواز اٹھا رہی ہیں۔ان روشن خیالوں نے ان کے حل کے لئے آج تک کیا کیا ہے۔آج خواتین کے حقوق سے متعلق جو مطالبات اس معاشرے کے اندر سے اٹھ رہے ہیں، یہ روشن خیال اس پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں لیکن جس بات کا تعلق نہ عورتوں کی ضرورت سے ہے نہ مطالبے سے ،اس کے لئے یہ سینہ سپر ہیں۔اسی بنیاد پر میں یہ کہتا ہوں کہ اس روشن خیالی کا تعلق داخل سے نہیں خارج سے ہے۔سچ یہ ہے کہ جو روشن خیالی معاشرے کے اندر سے پھوٹے گی اس کی ترتیب بالکل دوسری ہوگی۔معاشرے کی تہذیبی ساخت سے متصادم کسی فعل پر اصرار روشن خیالی کے نام پر ایک انتہا پسندی ہے اور اس معاشرے کو اس سے شدید خطرات لاحق ہیں۔''

اہلِ مذہب کی افسوسناک انتہا پسندی پر حقیقت افروز تبصرہ کرتے ہوئے فقہ حنفیہ کے حوالہ سے وہ لکھتے ہیں:

''دوسری نظر اہل مذہب کی انتہا پسندی پر۔گوجرانوالہ میں مذہبی لوگوں نے جو کچھ کیا اور پھر جس طاقت سے دوسرے مقامات پر اس مخلوط دوڑ کی مزاحمت کا اعلان کیا،اس کا مذہب اور شریعت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ میں پورے اطمینان سے عرض کرتا ہوں کہ یہ رویہ دینی احکام سے متصادم ہے۔یہ دین کا ایک غیر اختلافی مسئلہ ہے کہ کسی برائی کے خلاف عملی اقدام کا کوئی حق کسی

ایسے فرد یا گروہ کو حاصل نہیں جو اقتدار نہیں رکھتا۔ اگر کوئی گروہ طاقت کے ذریعے کسی برائی کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ فعل فی نفسہٖ قابل تعزیر ہے۔ معاملے کی یہ نوعیت اس وقت ہے جب اقدام کسی واضح برائی کے خلاف ہو۔ اب اگر ''برائی'' کی تعریف ہی میں اختلاف ہے تو پھر طاقت کا استعمال سنگین تر جرم ہوگا۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب ''ہدایہ'' کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس باب میں دین فطرت کا نقطہ نظر بہت خوبی سے بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ''یہ ہدایہ کے متن کا مسئلہ ہے کہ '' الامر بالمعروف بالید الی الامراء با للسان الی غیر ھم'' جس کا مطلب یہی ہے کہ جو اقتدار رکھتے ہیں انہی سے اس حکم کا تعلق ہے کہ بزور لوگوں کو حق پر قائم کرنے اور باطل سے ہٹانے کی کوشش کریں لیکن ایک عام آدمی جو حکومت کے اقتدار سے محروم ہے اس پر صرف زبان سے معروف کا امر اور منکر کی نہی واجب ہے۔ یہاں تک کہ اس بنیاد پر امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے کہ گانے بجانے کے آلات جو ممنوعات شریعہ میں سے ہیں، اگر کسی مسلمان کے پاس ہوں اور دوسرا مسلمان ان کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے توڑ دے گا تو اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اس نے ان حدود میں تصرف کیا ہے جو اس کے فرائض کے دائرے سے خارج تھے۔ قریب قریب مختلف الفاظ میں مالکی اور شافعی علماء کی کتابوں میں بھی لکھا ہے۔ یعنی مارنے پیٹنے یا قتل وقتال پر آمادہ ہو جانا، یہ عام لوگوں کا کام نہیں۔''

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ صفحہ 259-260)

اس مسئلہ پر عقلی رنگ میں روشنی ڈالتے ہوئے اس کالم نگار نے لکھا:

''پھر عقلی اعتبار سے دیکھئے کہ اگر ہر گروہ کے اس حق کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے اجتہاد سے جس کام کو برائی سمجھے اسے طاقت کے ذریعے ختم کرنے پر نکل پڑے تو کیا اس کے بعد کوئی مہذب معاشرہ قائم رہ سکتا ہے؟ سچ یہ ہے کہ ایسا اقدام مذہب کی کوئی خدمت ہے اور نہ معاشرے کی۔ مذہب کے نام پر فساد کی ایک ایسی انتہا پسندی ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ میرے نزدیک گوجرانوالہ کے واقعہ کو دو پہلوؤں سے الگ الگ دیکھنا چاہئے۔ ایک یہ کہ مسئلے کی اصل نوعیت کیا ہے اور مذہبی وتہذیبی اعتبار سے اس کی گنجائش کتنی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حکومت اور مذہبی جماعتوں نے جو رویہ اپنایا، کیا اس کے لئے کوئی جواز موجود ہے۔ میرا یہ تجزیہ دوسرے پہلو سے متعلق ہے۔ میرے خیال میں یہ فریقین کی طرف سے اس انتہا پسندی کا ایک مظاہرہ ہے جس سے اس معاشرے کو خطرہ لاحق ہے۔

روشن خیالوں اور اہل مذہب کے رویے کو ایک اور پہلو سے دیکھئے: ایک کی فکری معراج یہ ہے کہ روشن خیالی سڑکوں پر مردوزن کی مخلوط دوڑ کا نام ہے۔ دوسرے کی ذہنی پرواز اتنی ہے کہ پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کی بحالی اور مخلوط دوڑ کے خاتمے سے معاشرہ اسلامی بن جائے گا۔ جس قوم کے قائدین کی ذہنی سطح کا عالم یہ ہو اس میں زندگی کے آثار کیسے پیدا ہوں گے؟''

(جنگ لندن 12؍اپریل 2005ء)

اس کالم میں گوجرانوالہ کے مذہبی حلقوں کا خاص طور پر ذکر آیا ہے یاد رہے کہ یہ وہی شہر ہے جہاں احمدیوں پر ظلم و بربریت کے وحشیانہ اقدامات کوئی بہت پُرانی بات نہیں ہے۔

پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کا بھی اس کالم کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ قارئین الفضل کو یاد ہوگا کہ احمدیہ دشمنی کی وجہ سے سراسر بلا جواز پاکستانی پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کا اضافہ کیا گیا تھا۔ دنیا بھر میں اس تنگ نظری اور تعصب پر پاکستان کا مذاق اڑایا جاتا رہا تو حکمرانوں نے اس شرمندگی اور خفت سے بچنے کیلئے اسکو ختم کرنے کا اعلان کرایا۔ مگر ضدّ وتعصّب تو اپنی جگہ پر باقی ہے اسکی وجہ سے حکمرانوں کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ''دہشت گردی'' اور ''مذہبی انتہا پسندی'' کے خلاف امریکہ کے سب سے بڑے حلیف نے مولویوں کی دہشت گردی کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس طرح احمدی حج بیت اللہ سے محروم کر دئے جائیں گے تو تنگ نظر مذہبی سیاستدانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بات ان کے بس کی نہیں ہے۔ ہر احمدی کے دل میں اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت وعقیدت ہے وہ انہیں حج بیت اللہ سے دور نہیں رہنے دے گی۔

(الفضل انٹرنیشنل 13 مئی 2005ء)

○○

حقیقی عید

سیدنا حضرت مصلح موعود، خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’عید ایک ایسی چیز ہے جس کو ساری قومیں مناتی ہیں۔کوئی اس کا نام تہوار رکھ لیتا ہے، کوئی عید کہہ دیتا ہے، کوئی (Christmas Days) کرسمس ڈیز کے نام سے اسے یاد کر لیتا ہے۔ بہر حال دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں عید نہیں پائی جاتی۔ ہر قوم کسی نہ کسی طرح عید مناتی ہے۔سینکڑوں اور ہزاروں سال تک بنی نوع انسان آپس میں جدا جدا رہے۔امریکہ والے دنیا کے دوسرے لوگوں سے اس وقت تک نہیں مل سکے جب تک کولمبس نے اسے دریافت نہ کر لیا۔آسٹریلیا والے بھی ایک وقت تک دوسرے لوگوں سے نہ مل سکے مگر باوجود اس کے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پرانے باشندوں میں بھی عید کی رسم پائی جاتی تھی۔اسی طرح افریقہ کے پرانے باشندوں میں بھی بعض تہوار پائے جاتے ہیں۔غرض عید کے موجبات خواہ مختلف ہوں اس کا وجود ہر قوم اور ہر ملک میں پایا جاتا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کا تعلق فطرت کے ساتھ ہے۔

اسلام نے بھی سال میں دو عیدیں رکھی ہیں جن میں سے ایک کا نام عید الفطر ہے اور دوسری عید الاضحیہ۔ ان کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن کو بھی مسلمانوں کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے گویا اسلام دوسری قوموں اور مذاہب سے عید کے لحاظ سے بھی بڑھ کر ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عید کہتے کس کو ہیں؟ آخر کوئی وجہ بھی ہے جس کی وجہ سے ہر قوم اور مذہب میں عید رکھی گئی ہے۔

عید اس لئے رکھی گئی ہے کہ انسان اگر ہمیشہ رنج کی طرف ہی دیکھتا رہے تو اس کے قویٰ مضمحل ہو جائیں۔ کبھی کبھی اس کی نظر اپنے اعلیٰ مقاصد اور کامیابیوں کی طرف بھی جانی چاہئے۔ اگر وہ اپنی کامیابیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنے مقاصد کو سامنے رکھے تو اس کا حوصلہ بڑھتا چلا جائے گا اور اس طرح قوم مرنے نہیں پائے گی...

ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہماری عیدوں کے پیچھے حقیقی خوشی کی بنیاد پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر ہماری عید کے پیچھے حقیقی خوشی کی بنیاد پائی جاتی ہے تو وہ ہمارے لئے موجب برکات ہے۔ اور اگر اس کے پیچھے حقیقی خوشی کی بنیاد نہیں پائی جاتی تو پھر ہر عید جو آئے گی ہمیں پہلے سال سے بھی زیادہ مردہ بنائے گی...

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ عید تین وجوہات کی بنا پر منائی جاتی ہے۔ اول انسان کو اس کا محبوب یعنی خدا مل جائے۔ جب اسے خدا مل جائے گا تو اس کی عید حقیقی معنوں میں عید ہو گی۔ لیکن اگر اسے خدا نہیں ملتا تو پھر عید کیسی؟ ...اگر کوئی ایسی جماعت تھی جو اس بات کی دعویدار تھی کہ ہمیں خدا تعالیٰ مل گیا ہے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ تھے۔ پس جس شخص کو اس کا محبوب مل

جائے اس کی عید بن جاتی ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اصل خوشی اس شخص کی ہے جس کے بازو پر اس کے محبوب نے سر رکھ دیا ہو۔ پس اصل خوشی اسی شخص کی ہے جس نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہو اور اس سے باتیں کی ہوں...

غرض ایک عید اس شخص کی ہوتی ہے جسے اس کا محبوب یعنی خدا تعالیٰ مل جائے اور یہ حقیقی عید تھی جو صحابہؓ کو حاصل تھی۔ اسی طرح یہ عید خلفاء راشدین کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک چلی گئی... بہرحال ان وجوہات میں سے جن کی وجہ سے صحابہؓ عید منایا کرتے تھے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں ان کا محبوب یعنی خدا تعالیٰ مل گیا تھا۔

عید منانے کی دوسری وجہ جو قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فردی ترقی کے علاوہ قومی ترقیات بھی اس قدر مل رہی ہوں کہ جدھر بھی قوم منہ کرے کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے قدم چومیں۔ صحابہؓ نے اتنی فتوحات حاصل کیں کہ جدھر بھی وہ منہ کرتے تھے فتح و نصرت ان کے ساتھ رہتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ جنّات ہیں جدھر بھی منہ کرتے ہیں دنیا کو مطیع بناتے چلے جاتے ہیں۔ پہلی چیز روحانی اور فردی تھی اور یہ مادی اور قومی تھی جس کی وجہ سے صحابہؓ عید منانے کے مستحق تھے۔

تیسری وجہ عید منانے کی یہ ہوتی تھی کہ قومی اخلاق اس قدر بلند ہوں کہ لوگ کسی پر ظلم نہ کریں اور ہر شخص یہ سمجھے کہ اس کے حقوق محفوظ ہیں۔ صحابہؓ اخلاقی لحاظ سے اتنے کمال پر تھے کہ اس زمانہ میں ہر شخص کے حقوق محفوظ تھے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے... بہرحال یہ تیسری وجہ تھی جس کی وجہ سے صحابہؓ عید

منانے کے حقدار تھے اوران کی عید حقیقی عید تھی۔ ... یہ چیز ان لوگوں کی عید کا موجب تھی۔ جس قوم میں ایسے افراد پائے جاتے ہوں جن کو خدامل گیا ہو، جس قوم میں ایسے افراد پائے جاتے ہوں جنہوں نے نہ صرف انفرادی اور روحانی ترقیات حاصل کی ہوں بلکہ قومی ترقیات بھی حاصل کی ہوں اور جس طرف وہ منہ کرتے ہوں کامیابیاں اورفتوحات ان کے قدم چومتی ہوں۔ جس قوم میں ایسے بلند اخلاق پائے جاتے ہوں کہ ان کے زمانہ میں کسی کو اپنا حق مارے جانے کا خیال بھی پیدا نہ ہو۔ وہ قوم مستحق ہے حقیقی عید منانے کی۔ وہ قوم مستحق ہے حقیقی خوشیاں منانے کی۔ کیا دنیا میں اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس لئے عید مناتے تھے کہ آپ کا محبوب یعنی خدا تعالیٰ آپ کو مل گیا۔ اور مسلمان اس لئے عید مناتے تھے کہ ان کے آقا کی جائیداد انہیں مل گئی اور اس کی حکومت دنیا میں قائم ہوگئی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج ایک مسلمان کیوں عید مناتا ہے؟ کیا وہ اس لئے عید مناتا ہے کہ اس کے باپ دادا کی جائیداد ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ کیا وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس کی اپنی روحانی جائیداد ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ کیا وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ عدل وانصاف اس میں باقی نہیں رہا۔ آخر وہ کونسی چیز ہے جس پر خوش ہو کر وہ عید مناتا ہے۔ کیا وہ نئے کپڑے بدلنے یا طرح طرح کے کھانے کھانے پر خوش ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عید پہلے زمانہ میں انعام تھی۔ لیکن اب تازیانہ

ہے۔اور ہر عید جو آتی ہے وہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ بولو تم عید کیوں منا رہے ہو۔ہم بے شک ظاہر میں عید مناتے ہیں لیکن اس کے موجبات اور محرکات ہم میں موجود نہیں۔...اگر مسلمان یہ کام کر سکتے ہیں تو ان کی عید،عید ہے۔ورنہ ان کی عید کوئی عید نہیں۔...پھر ہم کس چیز کی عید منا رہے ہیں۔یہ ایک سوال ہے جو ہم میں سے ہر ایک کو اپنے نفس سے پوچھنا چاہئے۔اگر واقعہ میں ہم میں جانی اور مالی قربانی کی روح پائی جاتی ہے۔اگر ہم خدا تعالیٰ کے سامنے رو رو کر اس کی مدد طلب کرتے ہیں تو واقعی ہماری عید،عید ہے۔اور ہم اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آنکھ اٹھانے کے قابل ہیں۔ورنہ ہماری عید کچھ بھی نہیں بلکہ ہر عید ہمیں پہلے سے بھی زیادہ مردہ بنا دے گی۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28/جولائی 1949/بمقام یارک ہاؤس،کوئٹہ)(خطبات محمود جلد اول صفحہ 301۔309)

(الفضل انٹرنیشنل 14 جنوری 2005ء)

○○

الصلح خیر۔صلح ہی بہتر ہے

اصلاح کی کوشش میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔باہم مل کر رہنا انسانی فطرت ہے۔باہم رشتہ داری، دوستی، محلہ داری، واقفیت، کاروباری یا ملازمت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملنا اور معاملات کرنا۔آپس میں ملنے کی مختلف شکلیں اور وجوہات ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو کسی وجہ سے اکیلے رہنا پڑے۔تو وہ اس کو بری طرح محسوس کرتا ہے۔اسی وجہ سے تنہائی اور علیحدگی کے متعلق ہر زبان میں بڑی کثرت سے لکھا گیا ہے۔

سب رشتوں اور تعلقات میں باہم ایڈجسٹمنٹ یعنی ایک دوسرے کو سمجھنا اور اس کے مطابق حسب ضرورت اپنے آپ کو بدلنا ضروری ہوتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے اس کی ایک مثال دی ہے۔آپ ؓ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ میرا ایک دوست ملنے کے لئے آرہا ہے اس کی طبیعت کو سمجھنے کی وجہ سے میں نے گھر میں کہہ دیا کہ یہ صاحب چائے شوق سے پیتے ہیں، ان کے لئے چائے کا اہتمام کیا جائے۔جب وہ صاحب تشریف لے آئے تو ادھر ادھر کی باتوں میں انھیں یہ بھی بتایا گیا کہ آپ کے رجحان کے پیش نظر آپ کو دیکھتے ہی گھر میں چائے کا اہتمام کرنے کا کہہ دیا ہے۔ظاہر ہے یہ بات ان کو خوش کرنے کے

لئے کہی گئی تھی مگر وہ صاحب یہ سنتے ہی ناراض ہو گئے اور یہ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے کہ آپ نے چائے جیسی معمولی چیز کا اس طرح احسان کے طور پر ذکر کیا ہے۔

یہاں خاکسار کو اپنا ایک ایسا ہی واقعہ یاد آ گیا۔ایک دوست جن سے میرے 50 سال سے زیادہ کے تعلقات ہیں اور ہم برابر یہ لمبا عرصہ ایک دوسرے سے ملتے رہے۔خاکسار ان کی بہت سی خوبیوں کی وجہ سے ان کی قدر کرتا ہے۔تاہم وہ ایک جگہ جہاں خاکسار بھی موجود تھا کسی سے کہہ رہے تھے کہ ان کی چائے تو میں چائے ہی نہیں سمجھتا ان کے ہاں بہت ہلکی چائے ہوتی ہے جبکہ میں تو کڑک چائے پیتا ہوں۔(بات معمولی ہے مگر طبائع کے اختلاف کو ظاہر کرتی ہے)

اس جگہ مختلف رشتہ داریوں اور تعلقات میں سے میاں بیوی کے تعلق کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔میاں بیوی کا رشتہ سب سے نزدیکی۔قریبی بلکہ یکجان ہونے کا ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس میں بعض دفعہ بعض وجوہ سے خرابی آ جاتی ہے اور ایسے موقع پر ضروری ہوتا ہے کہ اختلاف کی وجہ معلوم کر کے اسے دور کرنے کی کوشش کی جاوے۔خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔:

اِن یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما۔ (النساء:۳۶)

ترجمہ: اگر وہ دونوں اصلاح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرماتا ہے۔

اسی طرح فرمایا:

الصلح خیر۔صلح میں ہی بہتری ہے۔

اختلافات بالعموم چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ایک بہت پرانا واقعہ پیش کرتا ہوں۔پاکستان کی ایک جماعت کے متعلق پتہ چلا کہ وہاں آپس میں بہت اختلاف

اور جھگڑے ہیں۔ان کے اختلاف سے جماعت کے کاموں میں نقصان کے علاوہ غیر از جماعت لوگوں کو بھی باتیں بنانے کا موقع مل رہا ہے۔محترم امیر صاحب ضلع اور خاکسار مربی ضلع نے مل کر وہاں جانے اور اس معاملہ کو نمٹانے کا فیصلہ کیا۔متعلقہ جماعت کو اطلاع کر دی گئی۔ہم دونوں وہاں پہنچے (خاکسار محترم امیر صاحب ضلع کا نام اس لئے نہیں لکھ رہا کہ وہ دنیوی اور دینی لحاظ سے اچھے سمجھدار اور بااثر انسان تھے۔ان کا نام لکھنے سے جماعت کا بھی پتہ چل سکتا ہے) ہم دونوں نے تمام احباب جماعت سے ایک ایک کر کے علیحدگی میں ملاقات کی پھر ان کے گلے شکوے معلوم کر کے ان کو دور کرنے کی ایک عام جلسہ میں بھی کوشش کی۔خدا تعالیٰ کے فضل سے اس وقت معاملہ سدھر گیا۔باہم مصافحے، معانقے اور مٹھائی کھانے کھلانے کی نوبت بھی آئی۔مگر اصل جھگڑا جہاں سے بات چلی تھی وہ بچوں کی لڑائی تھی اور بچوں کی لڑائی کے بعد صلح بھی ہو چکی تھی۔گویا ایک معمولی بات نے اتنا طول کھینچا اور جماعت کو نقصان پہنچایا۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ یاد آیا۔خاکسار ٹبورا مشرقی افریقہ میں تھا۔ایک دن سننے میں آیا کہ ایک احمدی خاتون جو کہ ایک معروف احمدی فیملی سے تعلق رکھتی تھیں گھر سے باہر کھڑی رو رہی ہیں۔محترم عبدالرشید رازی مرحوم اور خاکسار ہم دونوں ان کے ہاں گئے۔دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے۔لڑائی جھگڑے اور اختلاف کی باتیں ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھیں۔خاکسار کو لگا کہ ان دونوں کی طبائع میں باہم اختلاف تو ہے لیکن لڑائی جھگڑے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔میں نے اس محترمہ سے کہا کہ باتیں بہت ہو چکی ہیں اور بات کہیں ختم ہونے میں نہیں آتی۔آپ ذرا سوچ کر بتائیں کہ سب سے بڑی اور اصل وجہ اور خرابی کیا ہے۔وہ کچھ دیر خاموش رہیں۔پھر سوچ سوچ کر بولیں کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ فلاں قسم کے

BED لے دیں۔ مگر انہوں نے لے کر نہیں دیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی بڑی وجہ نہیں تھی۔ تاہم شوہر صاحب نے بتایا کہ یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ انہوں نے یہ فرمائش کی تھی مگر میں نے ان سے کہا کہ اس BED کے کنارے بہت تیز ہوتے ہیں۔ ہمارا بچہ چھوٹا ہے اس کو چوٹ لگ سکتی ہے۔ بچے کے بڑے ہونے پر ان کی فرمائش پوری کر دی جائے گی۔

اس سارے واقعے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ معمولی معمولی باتوں سے میاں بیوی کا مقدس رشتہ جو خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر قائم کیا گیا تھا، وہ متاثر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا جائے تو ایسے معمولی بلکہ بڑے معاملات بھی سلجھائے جا سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے یہ اصول بھی بیان فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا سمجھو مگر وہ اچھی نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو مگر درحقیقت وہ بری نہ ہو۔ اگر ہم اپنے معاملات کو خدا تعالیٰ کے ارشادات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کے مطابق حل کرنا چاہیں اور نیک نیت ہوں تو ہر خرابی دور ہو کر اسی دنیا میں جنتی زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔

تنزانیہ کا ہی ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک پڑھے لکھے احمدی نوجوان جو اچھی شہرت کے حامل تھے، ان کے متعلق اچانک سننے میں آیا کہ موصوف اپنی بیوی کو طلاق دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی بھی ایک معروف احمدی خاندان سے تھی۔ اس وجہ سے یہ خبر بڑی عجیب اور بری لگی۔ مکرم مولنا محمد منور صاحب مرحوم ان دنوں وہاں ہوتے تھے۔ اتفاق سے انہوں نے اس احمدی نوجوان سے بات کی تو خاکسار بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان سے مفصل گفتگو ہوئی۔ مجھے ان کا ایک فقرہ یاد ہے، جب ان سے طلاق کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا کہ وہ میری بیوی تھی ہم اکٹھے رہے ہیں۔ بس میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ

میرے دل سے اتر گئی ہے میں اورکوئی الزام اس پرنہیں لگانا چاہتا۔ بظاہر یہ بہت خوبصورت اور سادہ سا فقرہ لگتا ہے۔ یہ بھی لگتا ہے کہ موصوف الزامات اور دوسری بری باتوں سے احتراز کررہے ہیں۔لیکن اگرغور کیا جائے تونفرت تواس فقرے کے ہرحرف سے نظر آتی ہے۔آپ نے جب شادی کی تھی تو خوب غوروفکر کیا ہوگا۔ بہت ممکن ہے آپ کے بزرگوں نے بھی تحقیق کی ہو۔آپ کو بہت سی خوبیاں معلوم ہوئی ہوں گی اگراب بھی مزعومہ یا مفروضہ غلطیوں کو نظرانداز کر کے خوبیوں پرنظر رکھی جائے تو اختلاف کے بادل اترنے کی صورت پیدا ہی نہیں ہوگی۔

مسجد فضل میں ایک نکاح کے خطبہ میں حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اس بات کو ہم میں سے ہرایک کو یادرکھنا چاہئے کہ اگر بجائے اس کے کہ دوسروں کی خرابیوں، کمزوریوں، کمیوں کی طرف توجہ دلائی جائے اوراس کو اصلاح کے لئے کہا جائے اگر اپنی نظر میں اپنے اندر کوئی برائیاں بھی نہیں ہیں تب بھی ان برائیوں کو اپنے سر لے لیں...جب ہرایک بجائے دوسرے کو الزام دینے کے اپنے اوپر الزام لیتا جائے تو معاشرے کی اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے۔ جھگڑے اور فساد ختم ہوجاتے ہیں۔آپس میں جو رنجشیں ہیں وہ دور ہوجاتی ہیں۔''

اسی خطبہ نکاح میں آپ فرماتے ہیں:

''ہمیشہ یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اوراستغفار کرتے رہو۔اپنی برائیوں پر نظر رکھو۔اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔اپنی اصلاح کرو۔اپنے آپ کونمونہ بناؤ تو آئندہ نسلیں بھی اس نمونے پر چلنے والی ہونگی اور اپنی اصلاح کرنے والی

ہونگی۔"

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ جولائی ۲۰۱۶ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

خیرکم خیر کم لا ھلہ و انا خیر کم لا ھلی

(ترمذی 40 کتاب المناقب باب 46)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں سے بہتر ہوں۔

ہمارا معروف سلوگن ہے: "محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں"

مگر وہ لوگ جو باہم اختلاف کرتے یا بیوی اپنے میاں سے یا میاں اپنی بیوی سے نفرت کرتا ہو وہاں یہ سلوگن اس طرح ہو جائے گا کہ:

"محبت سب کے لئے نفرت صرف اپنوں کے لئے"

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں"

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو"

(روحانی خزائن جلد 19 کشتی نوح صفحہ 12)

یہ وہ سنہری اصول ہیں جو ہر ایک لڑائی جھگڑے اور نفرت کو ختم کر کے پرسکون جنتی زندگی گزارنے کے لئے ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

○○

بہتر اخلاق ۔ بہتر معاشرہ

ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کو اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔ اس سلسلہ میں آپ ؐ کے بیش قیمت ارشادات کے ساتھ ساتھ اپنا بے مثال نمونہ موجود تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا:

بعثتُ لا تمم مکارم الاخلاق

(موطا امام مالک ۔ باب فی حسن الخلق صفحہ 364)

یعنی میں بہترین اخلاق کو درجہء کمال تک پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ یہ محض ایک ادعا نہیں تھا بلکہ آپ ؐ سے ملنے والا ہر خوش قسمت آپ ؐ کے بہترین اخلاق کی وجہ سے آپ ؐ کی طرف کھنچا چلا آتا۔ ہر خوش قسمت آپ ؐ کی خوش خلقی کی وجہ سے آپ ؐ کا دلدادہ اور فریفتہ ہو جاتا۔

آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

خیرکم خیرکم لاھلہ (ترمذی ۔ ۴ کتاب المناقب باب ۴۶)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل یعنی گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہو۔

مگر یہ بات یہاں ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ آپ ؐ نے زندگی کے اس سنہرے اصول پر

بہترین رنگ میں عمل کرتے ہوئے فرمایا: انا خیر کم لا ھلی

میں نے جو بات کہی ہے وہ ایک اچھی بات تو ضرور ہے مگر میں نے اس پر عمل کیا ہے اور تم سب میں سے اپنے اہل کے ساتھ بہتر سلوک کرنے میں آگے اور نمایاں ہوں۔ یہ محض ایک مثال ہے، خلق عظیم کا ہر پہلو آپ ؐ میں بدرجہ ءکمال موجود تھا اور اسی کی آپؐ نے تعلیم بھی دی۔آپؐ نے فرمایا:

اتقوا مواضع التهم

ایسے مواقع اور اسباب سے بھی بچتے رہو جس میں کسی الزام یا تہمت لگنے کا اندیشہ ہو۔

یہ کیسا پرحکمت ارشاد ہے کہ بری باتوں سے اجتناب تو ضروری ہے۔ایسی باتوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے جہاں کسی برائی کا الزام لگ سکے یا لوگوں کو الزام لگانے کا موقع مل سکے۔اس بات کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔حضرت امام بخاریؒ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔آپ کی مرتبہ حدیث کی کتاب جو آپ کے نام سے ہی مشہور ہے وہ حدیث کی سب سے زیادہ مستند اور سب سے زیادہ صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ (کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب)۔

حضرت امام بخاری کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ کسی سفر پر جا رہے تھے۔ ان کے کسی حاسد نے ان کے پاس کچھ رقم دیکھ لی اور شور مچادیا کہ میری اتنی رقم گم ہوگئی ہے۔سب مسافروں کی تلاشی لی گئی تو الزام لگانے والا شخص بہت حیران اور نادم ہوا کہ وہ اپنی شرارت اور سازش میں ناکام ہوگیا ہے۔اس نے حضرت امام صاحب سے علیحدگی میں پوچھا کہ میں نے تو آپ کے پاس خود اتنی رقم دیکھی تھی اور اسی لئے اس الزام کو شہرت دی تھی مگر آپ کے پاس وہ رقم نہیں ملی اور میری شرارت بے کار گئی؟ آپ نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ میرے

متعلق یہ بات کسی نے دانستہ مشہور کر دی ہے، لیکن میں نے وہ رقم چپکے سے پانی میں پھینک دی تا کل کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ حدیث جمع کرنے والے اس شخص پر چوری کا الزام لگا تھا۔ گویا آپ نے اپنا نقصان صرف اس وجہ سے برداشت کر لیا کہ آپ ایک الزام اور تہمت سے محفوظ رہیں۔

یہ سب باتیں اس لئے ذہن میں آرہی ہیں کہ ہمارے وطن پاکستان میں ایک دوسرے پر الزامات لگانے کی وبا بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ہم میں سے اکثر کو یہ امر اچھی طرح یاد ہوگا کہ اگر کبھی کسی پر رشوت لینے یا کسی اور بے ایمانی یا بد انتظامی کا الزام لگتا تو وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور معاشرے میں اسے عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اب یہ صورت ہے کہ ملک کا سب سے معزز عہدے پر فائز منتخب عہدیدار الزامات کی زد پر آتا ہے اور اسے جھوٹا، چور، خائن، بے ایمان اور جو بھی گالی منہ میں آتی ہے، بک دی جاتی ہے اور اس طرح نوجوانوں کے اخلاق۔ عام لوگوں کی وضعداری کا جنازہ نکالا جارہا ہے۔ ہمارا ملک بد انتظامی اور بد معاملگی کی مثال بن گیا ہے اور کسی کو اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ ملک کی معاشی اور اقتصادی حالت تو شاید کبھی بہتر ہو جائے مگر جو اخلاقی دیوالیہ پن ہے اس کا ازالہ کب اور کیسے ہو سکے گا۔

آجکل ہمارے ملک کی سب سے بڑی عدالت میں بد معاملگی اور بد دیانتی کا ایک بہت بڑا مقدمہ چل رہا ہے۔ مقرر جج صاحبان اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہیں مگر یوں نظر آتا ہے کہ عدالت سے باہر مقدمہ کا چرچا زیادہ ہے۔ ہر اینکر پرسن، ہر لال بجھکڑ اپنی اپنی رائے دے رہا ہے۔ فیصلے سے پہلے فیصلہ سنایا جارہا ہے۔ عدالت کی کارروائی کو اپنے اپنے رنگ اور اپنے اپنے مفاد میں پیش کیا جاتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ ایک

معزز وکیل نے برسر عدالت کہا کہ اگر عدالت کمیشن مقرر کرے گی تو ہم اس کا بائیکاٹ کریں گے!

کیا کبھی وہ زمانہ واپس آسکے گا جہاں بزرگوں کی عزت، آنکھوں کی شرم روایات کا احترام، دولت پر اخلاق وشرافت کی ترجیح، دنیوی مفاد اور ذاتی اغراض پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی ترجیح اور معلم اخلاق فاضلہ کی سنت کی متابعت وپیروی کی جائے گی۔

تشنہ بیٹھے ہو کنار آب شیریں حیف ہے

○○

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے ایک حالیہ خطبہ جمعہ میں اور اس سے پہلے اپنے متعدد خطبات اور تقاریر میں جماعت کو رشتہ ناتا کے متعلق ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضور نے اس سلسلہ میں پیش آنے والے واقعات اور معاملات کی مثالیں بیان فرما کر بہت سادہ مگر مؤثر انداز میں اس معاملہ میں بہتری کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

ہماری جماعت میں وقف زندگی ایک بہت اچھا کام سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ایک واقف زندگی کے والدین جب بھی اس امر کا ذکر کرتے ہیں کہ ہمارا بیٹا یا بیٹی واقف زندگی ہے تو اس ذکر میں خوشی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ اگر کسی نے اپنے بچے کو دین کی خدمت کے لئے وقف کیا ہے تو یہ اسی کے لئے خوشی کی بات ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ ہر واقف زندگی اپنے والدین کے اخلاص و نیکی کا ثبوت ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ دنیا کی کشش، دنیا کی زیب و زینت، دولت کی فراوانی اور کشائش سب کے سامنے ہے۔ ان سب باتوں پر غالب آتے ہوئے اور ان سب امور کو نظر انداز کرتے ہوئے دین کو دنیا پر ترجیح دینا

اور دین کو دنیا پر مقدم کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

والدین کو اس بات پر خوش ہوتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے کہ ہمارا بچہ اپنے کاروبار میں بہت کامیاب ہے اور وہ اپنے کاروبار میں اپنے ساتھیوں سے آگے نکل گیا ہے۔ اگر یہ امر جائز طریق پر حاصل کیا گیا ہو تو ان کی خوشی بالکل بجا اور درست ہوگی۔ خاکسار نے ایک ماں کو سنا وہ اپنے بیٹے کے متعلق یہ کہہ کر خوش ہو رہی تھی کہ میرے بیٹے نے ایسی اچھی اور بڑی گاڑی خریدی ہے کہ وہ اس میں بیٹھا ہوا پوری طرح نظر بھی نہیں آتا۔ غرض یہ کہ بچوں کی کامیابی اس کے بزرگوں کی کامیابی سمجھی جاتی ہے اور جب وہ خوشی سے اس کا ذکر کرتے ہیں تو ضمناً اس میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے بچے کی ایسی اچھی تربیت کی ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں کامیابی حاصل کر رہا ہے۔

پچھلے دنوں میں اپنے ایک پرانے واقف سے ملا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کی ایک ہی بیٹی ہے۔ میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ بڑے دکھی دل سے اس کے متعلق بتانے لگے جس سے پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر میں خوش نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بچے کی کامیابی میں والدین کی اچھی تربیت کا دخل ہوتا ہے تو بچے کی ناکامی میں بھی اس کی تربیت کی کسی خرابی، کمی یا نقص کا ضرور دخل ہوگا۔

رشتہ ناتا کے سلسلہ میں یہ امر بہت عام ہے کہ جب رشتہ مطلوب ہو تو ہر کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرا فریق ہر لحاظ سے معقول اور معیاری ہو اور جب ہر ممکن ذریعہ سے یہ تسلی کر لی جاتی ہے کہ فریق ثانی کسی لحاظ سے کم اور غیر معیاری نہیں ہے تو رشتہ کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ یقیناً خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ رسمی طور پر نہیں بلکہ واقعی طور پر دینداری کو ترجیح دے کر ایسا رشتہ حاصل کرتے ہیں جس میں دوسرے فریق کی دینداری مقدم ہوتی ہے اور اس

کے ساتھ ساتھ دعاؤں پر زور دیکر اور توکل علی اللہ کے نتیجہ میں ساری خوشیاں سمیٹ لی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ وہ طریق اور نصیحت ہے جو معلم اخلاق آنحضرت ﷺ نے سکھائی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رشتہ ڈھونڈتے ہوئے کبھی تو حسب نسب کا خیال کیا جاتا ہے۔ کبھی حسن وخوبصورتی کا خیال کیا جاتا ہے۔ کبھی مال و دولت کا لالچ ہوتا ہے مگر تمہارے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ دینداری کا خیال کرو اور اس کو باقی امور پر ترجیح دو۔

حضور ﷺ کا ہی وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب آپؐ کی پیاری بیٹی نے بعض مالی مشکلات کا ذکر کر کے اپنے لئے کسی سہولت کا مطالبہ کیا تو آپ نے شکوہ و شکایات سے پھوٹنے والی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیٹی کے مطالبہ کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ اس سے بھی بہتر اور برتر بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ذکر الٰہی کے نتیجہ میں تعلق باللہ کی طرف توجہ دلا دی اور اپنے نمونہ اور عمل سے یہ بتایا کہ سمجھانا ہے تو پہلے اپنی بیٹی کو سمجھاؤ۔ تربیت کے متعلق یہی سب سے مؤثر اور مفید ذریعہ ہے کہ جہاں بھی رشتہ ناتا میں کسی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلے تو ماں باپ کو سب سے پہلے دوسرے کی خرابی کو ڈھونڈنے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنے کی بجائے اپنی کسی خرابی اور کمی کی تلاش کرنی چاہئے۔ والدین کی پہلی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ یہ دیکھیں کہ ہمارے بچے میں کوئی کمی یا خرابی رہ گئی ہے یا دوسرے لفظوں میں ہماری تربیت میں کوئی کمی رہ گئی ہے ورنہ یہ خرابی پیدا ہی نہیں ہوسکتی تھی۔ میاں بیوی کے اختلاف میں ابتدا کسی بہت ہی چھوٹی سی بات سے ہوتی ہے۔ اگر اس چھوٹے سوراخ کو بند کرنے کی کوشش کی جاوے تو وہ بآسانی بند کیا جاسکتا ہے۔ بعد میں یہ سوراخ اور شگاف بڑھتا جائے گا اور اس کی اصلاح ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گی۔ اس تھوڑی خرابی کی اصلاح کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ والدین اپنے بچے کو (اپنے بیٹے یا بیٹی کو) سمجھائیں اگر خرابی کو نظرانداز کرنے، اگر

کمزوری کو برداشت کرنے، اگر ایک دوسرے کو سمجھنے کے طریق کو اختیار کیا جائے تو تمام معاملات پر بخوبی قابو پایا جاسکتا ہے۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایسی کسی خرابی کا پتہ لگنے پر اپنے بچے کی بات کو صحیح سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہیں سے خرابی بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ وہ رشتہ جو بڑی احتیاط سے تلاش کیا گیا تھا۔ وہ رشتہ جو ہر لحاظ سے بہت اچھا اور معیاری تھا اس میں ہر قسم کی خرابی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس طرح اصلاح کا امکان کم ہوتے ہوتے معدوم ہو جائے گا۔

خاکسار کو ربوہ میں اور پھر یہاں لندن آکر ایک لمبا عرصہ دارالقضاء میں خدمت کا موقع ملا ہے۔ یہ لمبا تجربہ بتاتا ہے کہ جب بھی کوئی خرابی یا گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ رشتہ جو خود آپ نے پوری طرح ناپ تول کر اور بخوبی معیاری پا کر کیا تھا۔ اس میں کوئی خوبی باقی نہیں رہتی اور یا سو فیصد خرابی پر پہنچ جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت بہرحال یہ نہیں ہوتی بلکہ اگر وسعت حوصلہ سے کام لیا جائے اور مثبت انداز میں سوچا جائے کہ نقائص اور خرابیوں سے پاک صرف ایک ذات ہے اور باقی ہر جگہ کوئی نہ کوئی غلطی موجود ہوتی ہے تو اصلاح کی گنجائش ضرور نکل آئے گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرما دیا ہے کہ:

اَلصُلحُ خیر صلح ہی میں بہتری ہے۔

اللہ تعالیٰ بہتری کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

○○

آپ نے کیا جلایا؟

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریب کی خبریں ہر پاکستانی T.V چینل پر آرہی تھیں جن میں بڑی تفصیل سے ذکر تھا کہ یہ دن بڑے جوش وجذبہ سے منایا جارہا ہے۔ ہر شہر کی بڑی عمارتوں اور ہر مسجد پر بہت خوبصورت چراغاں کیا گیا ہے۔ کھیر، حلوہ اور کیک بہت بڑے پیمانے پر بنائے گئے اور تقسیم کئے جارہے ہیں۔ بہت بڑے بڑے جلسے اور رنگ برنگ جلوس نکل رہے ہیں وغیرہ۔ ان خبروں کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی خبر یہ سننے میں آئی کہ دوالمیال ضلع چکوال میں باقاعدہ منصوبہ بندی سے جلوس کا راستہ بدل کر جلوس احمدیہ مسجد کی طرف آیا اور پھر میلاد منانے والوں نے ازراہ ظلم احمدیہ مسجد پر قبضہ کرلیا۔ نمازیوں کو مسجد کے اندر محبوس کردیا گیا، بعد میں سارے لٹریچر کو صحن میں پھینک کر لٹریچر اور مسجد کو آگ لگادی گئی۔ مسجد سے اٹھتے ہوئے آگ کے شعلے اور دھویں کے بادل سوشل میڈیا پر نظر آتے رہے۔

دوالمیال ضلع جہلم کا ایک بہت پرانا قصبہ ہے۔ آجکل غالباً ضلع چکوال بن چکا ہے اور یہ قصبہ ضلع چکوال میں آتا ہے۔ یہ فوجی علاقہ ہے۔ متعدد مشہور فوجی افسروں کا تعلق اس تاریخی قصبہ سے ہے۔ قریباً آدھا گاؤں احمدی ہے۔ جس مسجد کا اوپر ذکر ہوا ہے اسے بنے ہوئے سو

سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اس قصبہ کا ہر شہری اور ہر باسی اور باشندہ احمدیوں کی مخالفت میں کچھ بھی کہے لیکن وہ یہ گواہی ضرور دے گا کہ اس نے اس مسجد سے اللہ کی بڑائی (اللہ اکبر) کا اعلان ہوتا ہؤا سنا ہے۔ وہ یہ ضرور بتائے گا کہ اس نے کلمۂ شہادت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا ذکر بھی سنا ہے۔ 100 سال سے زیادہ عرصہ سے اس مسجد نے عبادت اور اذان کی تعلیم دی ہے۔ وہ شخص جس نے اس مسجد کو آگ لگائی اس کا ہاتھ آگے لگانے سے پہلے کانپ کانپ نہیں گیا ہوگا کہ اس مسجد کی اینٹ اینٹ اس کے خلاف گواہی دے گی۔

وہ کتابیں جو مسجد کے صحن میں ڈھیر کی گئی تھیں ان میں سے سرفہرست تو قرآن مجید تھا۔ قرآن مجید کے متعلق اعتراض کرنیوالے یہ اعتراض تو غلط طور پر کرتے ہیں کہ ہم نے ترجمہ اور تفسیر میں کوئی تبدیلی کر دی ہے مگر قرآن مجید کا متن تو وہی ہے جو سب مسلمان مانتے اور پڑھتے ہیں۔ آگ لگانے والے کا دل یہ سوچ کر حلق میں نہ آ گیا ہوگا کہ وہ اللہ کے اس کلام کو آگ دکھانے لگا ہے جس کی تبلیغ اور تعلیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کو بغرض اشاعت و تبلیغ دیا تھا۔ آگ لگانے والے نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مدّنظر رکھا؟ کلام اللہ کی شان کو ذہن میں رکھا؟ قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کی تعمیل کی یا ان کی نافرمانی اور گستاخی کا ارتکاب کیا؟

احمدیہ لٹریچر میں کیا ہوتا ہے۔ اس کی ہر سطر میں نہیں تو ہر صفحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام یا اسماء حسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا نام کا ذکر ہوگا۔ قریباً ہر صفحہ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھا ہو گا یعنی حضورؐ کی عظمت، حضورؐ کی شان، حضورؐ کا مقام، حضورؐ کی صداقت وغیرہ کا ذکر ہوگا۔ اس لٹریچر میں حضرت مرزا غلام احمدؑ کا ذکر بھی ضرور ہوگا لیکن یہ ذکر جہاں بھی آئے گا وہاں غلامِ احمد کے طور پر ہی ہوگا۔ غلام کی جو بھی حالت ہوگی، جو بھی مقام ہوگا وہ اس کی غلامی کی وجہ سے

اس کی مطاع و آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شان کو ظاہر کرے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عاشق کو ایسی کسی چیز کو آگ لگانے کی جرأت ہو سکتی ہے؟

مسجد سے اٹھنے والے شعلے اور دھواں دنیا کے ہر ملک میں بسنے والے احمدیوں کے دلوں کی آہیں تھیں جو وہ اس ظلم کی وجہ سے بلند کر رہے تھے اور کر رہے ہیں کہ ظالموں نے ایسے غیر اسلامی، غیر اخلاقی، غیر انسانی کام کرنے کے لئے اس عظیم وجود کا نام استعمال کیا جو رحمۃ للعالمین، جس کے رحم، محبت، شفقت اور توجہ سے ہر انسان ہی نہیں کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ جانور اور پرندے بھی باہر نہ تھے۔ جس کی تعلیم یہ تھی کہ ''دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے'' جس نے ہر منفی اندازِ فکر کی نفی کرتے ہوئے مثبت اندازِ فکر میں سوچنا اسلام کا نشان بنا دیا اور ''السلام علیکم'' اسلام کا امتیاز بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ احمدیوں نے ہمیشہ ؎

گالیاں سن کے دعا دو، پا کے دکھ آرام دو

کو اپنا لائحہ عمل بنایا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے اپنے رنگ میں ''انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ'' کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

چلائے کوئی جا کے مزارِ مسیح پر
نصرت جہاں کی گود کے پالوں کو لے گئے

ہر احمدی جو قرآن مجید و حدیث کے مصداق حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم پر عمل کرتا ہے وہ 'الدار' کا مقیم اور حضرت اماں جانؓ نصرت جہاں کی گود کا پالا ہوا ہے۔ وہ شکور بھائی چشمے والا ہو یا کوئی اور کارکن اور واقف زندگی۔

پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

○○

خادم دین - ایک نظر میں

- پیدائش : 16 اگست 1933 (قادیان)
- وقف زندگی : 1944ء
- جامعۃ المبشرین سے فارغ التحصیل : 1956ء
- نائب معتمد خدام الاحمدیہ ربوہ : 1955ء
- معتمد خدام الاحمدیہ ربوہ : 1956ء
- نائب قائد خدام الاحمدیہ ربوہ : 1956ء
- مہتمم اصلاح وارشاد مرکزیہ : 1956-1957ء
- مدیر رسالہ خالد : جنوری 1973 تا اکتوبر 1973ء
- درس ملفوظات درس قرآن مسجد مبارک ربوہ : 1958ء
- مربی کراچی : 1958 تا 1962ء
- مربی ملتان : 1962 تا 1965ء
- مربی جہلم : 1967 تا 1968ء
- مربی تنزانیہ : 1969ء تا 1972ء
- مربی کینیا : 1973 تا 1974ء

- مربی حیدرآباد : 1974 تا 1975ء
- مربی زیمبیا، زمبابوے، ملاوی : 1979- 1987ء
- ممبر قضا بورڈ ربوہ : 1995 تا 1999ء
- وقف عارضی لیسٹر یوکے : 1999 تا 2001ء
- ناظم قضا بورڈ یوکے : 2001 تا حال
- نائب مدیر الفضل انٹرنیشنل : 2004ء
- درس حدیث مسجد فضل لندن : 2004ء سے تا حال
- سب سے قبل زمبابوے میں دسمبر 1981ء میں تشریف لے گئے اور وہاں مشن ہاؤس کی عمارت خریدی۔ یکم جنوری 1982ء کو یہ عمارت احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے رجسٹرڈ ہوئی اور باقاعدہ مشن کا آغاز ہوا۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 30 جون 1993ء)

تصنیفات:

(1)۔سوانح فضل عمر۔جلد سوم
(2)۔سوانح فضل عمر۔جلد چہارم
(3)۔سوانح فضل عمر جلد پنجم
(4)۔دعائے مستجاب
(5)۔نہج الطالبین نصاب حدیث
(6)۔دلچسپ سبق آموز واقعات
(7)۔قدرتِ ثانیہ کا دورِ اوّل
(8)۔قسمت کے ثمار

○○

عبدالباسط شاہد (مربی سلسلہ)